188614

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_188614
UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

3355

Call No. ٩٢٣٥١ Accession No. ٣٣٥٥

Author عبد الرحمن خان

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

اعلیحضرت

اعلیحضرت محمد داؤد افغانستان

کتب خانہ
پنجاب یونیورسٹی

دیباچہ

میں نے ان چند اوراق میں زمانہ حال کے ایشیا کے سب سے نامور مسلمان مدبر اور سب سے زبردست اور قابل مسلمان امیر کے حالات قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بتانا میرا کام نہیں ہے کہ یہ حالات کیسے ہیں اور کسقدر محنت اور کوشش سے تلاش کر کے فراہم کیے گئے ہیں۔ سب سے بڑا نقص انمیں یہ ہے کہ مجھے اس حضرت کے ہیرو یعنی حضور ضیاء الملت والدین امیر عبدالرحمن خاں بہادر بالقابہ سے ذاتی نیاز رکھنے کی خوش نصیبی حاصل نہیں ہوئی۔ تاہم سوائے ان چند حالات کے جو کتابوں اور اخباروں سے دستیاب ہوئے ہیں بعض ایسے معلومات ہیں جو ان لوگوں سے براہ راست مجھے حاصل ہوئے ہیں کہ جنہیں اس امیر نامدار کی خدمت میں مدت تک رہنے یا انسے مختصر ملاقات کرنیکا امتیاز حاصل ہے۔ اپنی طرف سے میں نے واقعات کو نہایت ایماندارہی سے ملا کسی قسم کی رنگ آمیزی کے جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اگر اسمیں مجھے کسیقدر کامیابی ہوئی ہو تو بھی میری خدمت کا کافی صلہ ہے۔

لاہور ۱۸۹۸ء

محبوب عالم

امیر صاحب کا قدیم روپیہ

امیر صاحب کا مشین کا بنا ہوا روپیہ

تذکرۂ امیر

یعنے

حالات و سوانح ضیاء الملت والدین امیر عبدالرحمن خاں

باب اوّل

خاندان اور ملک کے پولٹیکل حالات

امیر نعمت محمد خاں و عبدالرحمن خاں کا زمانہ ولادت

امیر عبدالرحمن خاں کی ولادت کی صحیح تاریخ کی نسبت بہت کچھ اختلاف ہے تاہم یہ قول ہر جہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ آفتاب برج اقبال کشور اجسام کے آسمان پر ۱۸۴۴ء میں طلوع ہوا۔ جو امیر افضل خاں کا سپوت اور امیر دوست محمد خاں کا پوتا ہے۔ امیر دوست محمد خاں کی پیدائش کی تاریخ ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہے۔ مگر بقول سر جان کے امیر موصوف ۱۸۱۶ء اور ۱۸۲۳ء کے درمیان کسی سال میں پیدا ہوا تھا۔ سردار پائندہ خاں[1] کا بیٹا امیر دوست محمد خاں بوجہ کثیر الاولاد ہونے کے حضرت آدم علیہ السلام

---

[1] سردار پائندہ خاں سردار سرفراز خاں کے نام سے مشہور تھا خود بھی ایک کثیر الاولاد شخص تھا۔ اسکی پہلی بی بی قوم بارک زئی افغان سے تھی کہ جس سے وزیر اکبر خاں۔ سردار حیدر قلی خاں اور سردار محمد عظیم خاں بہ مدت تک حاکم کشمیر رہا پیدا ہوئے۔ دوسری بیوی سے نواب جبار خاں اور نواب شمشاد خاں پیدا ہوئے تیسری سے جو قوم فرلباش سے تھی سردار دوست محمد خاں کہ جسکی بدولت اس خاندان میں ۴۴

کا بہت بڑا لایق بیٹا تہا۔ ایک مصنف کا قول ہے کہ انسان کا سب سے پہلا فرض بقائے نوع انسانی ہے۔ جو شخص لاولد ہو وہ پرلے درجہ کا نالایق اور جسکے بہت سے بچے ہوں وہ بڑا لایق بیٹا حضرت آدم کا ہے۔ اگر اس مصنف کے قول کو صحیح مانا جائے تو امیر دوست محمد خاں واقعی بڑا لایق پوتا حضرت آدم علیہ السلام کا تھا۔ امیر موصوف کی اولاد کی کیفیت تفصیل ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ جو پندرہ بیبیوں سے پیدا ہوئی۔

امیر دوست محمد خاں کی اولاد

۱- امیر افضل خاں
۲- امیر اعظم خاں
} پہلی بی بی کے بطن سے جو بنگش قوم سے تہی۔

۳- سردار علی اکبر خاں
۴- سردار غلام حیدر خاں
۵- امیر شیر علی خاں
۶- سردار محمد امین خاں
۷- سردار محمد شریف خاں
} دوسری بیوی کے بطن سے پیدا ہوئے۔

۸- سردار اکرم خاں } تیسری بیوی سے پیدا ہوئے۔

۹- سردار ولی محمد خاں
۱۰- سردار فیض محمد خاں
} چوتھی بیوی کے شکم سے پیدا ہوئے۔

۱۱- سردار احمد خاں

۱۲ حکومت کابل آئی اور سردار امیر محمد خاں پیدا ہوئے۔ ایک اور بیوی سے سردار یار محمد خاں سردار عطا محمد خاں اور سردار سلطان محمد خاں جو حاکم پشاور رہا اور جسکو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے طلائی کا خطاب دیا تہا۔ سردار پیر محمد خاں اور سردار سید محمد خاں تولد ہوئے۔ پانچویں شادی سے سردار پردل خاں و سردار شیر دل خاں و سردار کنڈل خاں و سردار آدم دل خاں و سردار مہر دل خاں پیدا ہوئے چھٹی بیوی سے نواب جبر خاں اور ایک اور شادی سے سردار طرہ باز خاں اور ایک اور شادی سے سردار جمعہ خاں پیدا ہوئے۔

۱۲۔ سردار محمد امیر خاں
۱۳۔ سردار محمد زمان خاں
} پانچویں بیوی سے پیدا ہوئے۔

۱۴۔ سردار محمد اسلم خاں
۱۵۔ سردار محمد قاسم خاں
۱۶ سردار محمد حسین خاں
۱۷ سردار محمد حسن خاں
} چھٹی بیوی سے پیدا ہوئے۔

۱۸۔ سردار محمد کریم خاں } ساتویں بیوی سے پیدا ہوئے۔

۱۹۔ سردار محمد یوسف خاں } آٹھویں بیوی سے پیدا ہوئے۔

۲۰۔ سردار حبیب اللہ خاں } نویں بیوی کے بطن سے۔

۲۱۔ سردار محمد ہاشم خاں } دسویں بیوی کے شکم سے۔

۲۲۔ سردار نیک محمد خاں } گیارہویں بیوی کے شکم سے۔

۲۳۔ سردار محمد شہامت خاں } بارہویں بیوی کے بطن سے۔

۲۴۔ سردار صادق خاں } تیرہویں بیوی کے شکم سے۔

۲۵۔ سردار محمد عظیم خاں } چودھویں بیوی کے بطن سے۔

۲۶۔ سردار محمد شعیب اللہ کہیل خاں } پندرہویں بیوی کے بطن سے۔

انمیں سے سوائے تین کے باقی سب وفات پاچکے ہیں۔ وہ تین جو اس وقت زندہ ہیں یہ ہیں:۔

(۱) سردار یوسف خاں جو کابل میں ہے۔

(۲) سردار محمد عظیم خاں راولپنڈی میں مقیم ہے جسنے ارک یعنی امیر صاحب کا جدید محل تعمیر کرایا۔

(۳) سردار عمر خاں۔ پشاور میں پناہ گزین ہے۔

امیر عبدالرحمن کا والد سردار افضل خاں ۱۸۱۱ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس وقت تک امیر دوست محمد خاں کو مسند سلطنت افغانستان حاصل نہیں ہوا تھا۔ ۱۸۳۶ء

میں محمد افضل خاں اور اسکے سوتیلے بھائی علی اکبر خاں کو امیر دوست محمد خاں نے سکھوں کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ جنہوں نے درۂ خیبر میں قلعہ جمرود پر قبضہ کر لیا تھا

سردار محمد افضل خاں اور سردار علی اکبر خاں کا جمرود پر قبضہ۔

جب سکھوں کے جرنیل کو معلوم ہوا کہ پٹھان مقابلہ کے لیئے آتے ہیں تو وہ بھی مستعد ہو گیا اور خوب دل کھول کر داد شجاعت دکھائے۔ ادھر سے سردار محمد افضل خاں نے بھی خوب ہی داد مردانگی دی۔ اس لڑائی میں سکھوں کا سپہ سالار کام آیا۔ جب یہ خبر مہاراجہ رنجیت سنگھ کو پہونچی تو آگ بگولا ہو گیا اور کہنے لگا معلوم ہوتا ہے کہ افغان نے کانوں میں غفلت کی روئی بھر لی ہے جس وقت اُس پر نازل وقت آیا اُس وقت افسوس کی انگلی حسرت کے دانتوں تلے دبائیگا۔

امیر دوست محمد خاں کا انگریزوں سے بگاڑ

جس وقت سکھوں نے امیر دوست محمد خاں کو بہت تنگ کیا تو اُسنے شہنشاہ روس کو لکھا کہ مجھے آکر مدد دو۔ چنانچہ کپتان وکٹوچ وہاں سے کابل آیا جب انگریزوں کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے کپتان برنس کو بطور ایلچی کے روانہ کیا اس نے امیر دوست محمد خاں کو خوب پٹی پڑھائی اور روسیوں کیطرف سے منحرف کر لیا۔ مگر غضب یہ ہوا کہ جو تحفے کپتان برنس ساتھ لیگیا تھا وہ معمولی سے تھے افغانوں کو شاہ روس کے تحایف یاد تھے جو مسٹر الفنسٹن انگریزوں کیطرف سے لیکر گیا تھا۔ بھلا اُنکی آنکھوں میں کپتان برنس کے تحایف کب جچتے تھے۔ یہ صرف ایک پستول اور ایک دوربین اور چند آبنوس حرم سرائے کیلئے لیگیا جنکو دیکھکر والی کابل خوش نہ ہوا آخر بہت سے حیص بیص کے بعد انگریزوں کی فوج بسرکردگی سر جان کین ۱۸۳۹ء میں دوست محمد کو معزول اور شاہ شجاع کو تخت نشین کرنیکے لیئے آگے بڑھی تو امیر دوست محمد خاں کو بخارا کیجانب بھاگنا پڑا۔ اس وقت سردار افضل خاں اپنے والد کے ساتھ تھا دوسرے سال باپ بیٹا بخارا سے واپس آئے اور ۳۰ اگست ۱۸۴۱ء کو افضل خاں نے انگریزوں کے پڑاؤ پر بمقام بامیان حملہ کیا۔ اسکے بعد جو لڑائی ہوئی اُسمیں بھی افضل خاں

بڑی بہادری کے ساتھ شریک ہوا۔ اور ۲ نومبر ۱۸۴۱ء کو جنرل سیل کی فوج کو شکست دی۔

اگرچہ امیر دوست محمدؒ کی فوج مظفر و منصور ہوئی مگر یہ فتح افغانوں کو نہ پہلی اور نہ پہلی اور چاروں ناچار انہیں انگریزوں کا لوہا ماننا پڑا۔ آخر ایک دن دوست محمد خاں ایک ہمراہی کو ساتھ لیکر گھوڑے پر سوار ہوا اور کابل کے بازار کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہوا انگریزوں کے لشکر گاہ میں آیا اور اپنے آپ کو سر الیگزینڈر برنس کے حوالہ کر دیا۔

سردار افضل خاں نے جب دیکھا کہ افغانوں نے حوصلہ ہار دیا اور باپ انگریزوں کے ہاتھ آچکا ہے تو باپ کا ساتھ چھوڑنا جوانمردی اور تقاضائے محبت سے بعید سمجھا اور فوراً باپ کے پاس چلا آیا۔

امیر دوست محمد خاں امیر کا ہندوستان کو بھیجا گیا۔

انگریزوں نے دونوں باپ بیٹوں کو ہندوستان بھیجدیا۔ جو ۱۸۴۳ء کے شروع تک کلکتہ میں نظر بند رہے۔ اس اثنا میں سردار علی اکبر خاں پسر امیر دوست محمد خاں نے جو بقول مارشمین مورخ کے بڑا تند مزاج جری اور امیر دوست محمد خاں کے سب بیٹوں سے زیادہ ولاور تھا اور درحقیقت امیر موصوف کے سب بیٹوں میں لائق اور خود باپ کے لیئے مایۂ فخر و ناز تھا کابل میں فتنہ محشر برپا کر دیا۔ بغاوت کا جھنڈا کھڑا کیا۔ اور کشت و خون کا بازار گرم کر دیا۔ آخر کار یہ شورش یہانتک بڑھ گئی کہ ۱۸۴۳ء میں انگریزوں نے بھی مناسب سمجھا کہ امیر دوست محمد خاں کو پھر مسند کابل پر سرفراز کر دیا جاوے۔ جب امیر دوست محمد خاں قید فرنگ سے رہا ہو کر امیر کابل ہوئے تو انہوں نے اپنے خلف الرشید اکبر خاں کو بلا کر دیدہ بوسی کی اور بڑی تعریف کر کے وزیر کابل کا خطاب دیا۔ اور سردار افضل خاں کو جس نے قید میں بھی انکا ساتھ چھوڑا تھا بلخ کا حاکم مقرر کر کے بھیجدیا کہ جو علاقہ تھوڑا عرصہ پیشتر فتح کیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ اپنے باپ کی وفات تک اسی عہدہ پر متعین رہا۔

وزیر علی اکبر خاں کے کارنامے

علی اکبر خاں نے وزارت کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دیا۔ لوگوں کے آرام و آسایش کے لیئے بہت سعی کی۔ چنانچہ جلال آباد اور کابل کے رستہ میں ایک پل اپنی والدہ کی یادگار میں بنوایا جو ابتک "پل وزیر دادر" کے نام سے مشہور ہے۔ اور کابل خاص میں ایک عظیم الشان سرائے بھی اس نیکبخت لیڈی کی یادگار میں تعمیر کی۔

وزیر اکبر خاں کے انتقال کے بعد اُسکا چھوٹا بھائی غلام حیدر خاں وزیر مقرر ہوا مگر اس ہونہار نوجوان نے جلدی ہی داعی اجل کو لبیک کہا اور اُسکا جانشین شیر علی خاں ہوا۔

امیر دوست محمد خاں کا اپنے بیٹوں میں ملک تقسیم کرنا اور شیر علیخاں کو ولیعہد بنانا۔

امیر دوست محمد نے اپنی وفات سے پانچ سال پہلے ملک اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ اور شیر علیخاں کو اپنا ولیعہد اور وارث مقرر کیا۔ اگرچہ شیر علی خاں سب سے چھوٹا بیٹا امیر دوست محمد خاں کا تھا مگر اُسکی والدہ شاہی خاندان سے تھی اور دوسری بیویاں امیر دوست محمد کی رتبہ میں اس سے کمتر تھیں اسلیئے اُسی کو ولیعہد قرار دیا گیا۔ افغانستان میں تخت حاصل کرنے کے لیئے والدہ کا شاہی خاندان سے ہونا بڑا ضروری سمجھا جاتا ہے جسکی زیادہ تفصیل آگے چلکر بیان کیجائیگی۔

امیر دوست محمد خاں جانتا تھا کہ میرے بیٹے بڑے بہادر اور جنگجو ہیں میری آنکھوں کے بند ہونیکی دیر ہے کہ آپسمیں لڑ مرینگے اسلیئے اُسنے سوچ سمجھکر لایق اور بڑے بڑے بیٹوں کو مندرجہ ذیل علاقوں میں حاکم کرکے بھیجدیا۔

سردار افضل خاں کو ترکستان میں۔ سردار اعظم خاں کو خوست کوہ میں سردار محمد امین خاں کو قندھار میں سردار فتح محمد خاں پسر کلاں اکبر خاں مرحوم کو قلات میں سردار ولی محمد خاں اور فیض محمد خاں کو کچھ علاقہ غزنی میں اور دوسرے چھوٹے بیٹوں کو بھی علے قدر مراتب کچھ کچھ علاقہ دیدیا۔

سلطان جان برادرزادہ و نبیرہ داماد امیر دوست محمد سے کہ جنے علی اکبر خاں کے ساتھ شریک ہوکر دوست محمد کی عدم موجودگی میں بہت کچھ مدد کی تھی کچھ ایسا سلوک نہ ہوا۔ علی اکبر خاں نے سلطان جان سے پختہ وعدہ کیا تھا کہ امن اور کامیابی کے بعد تمہارا حق الخدمت بطرز احسن ادا کیا جاویگا۔ مگر امیر دوست محمد نے قید بے زنجیر سے آزاد ہوکر اُسکے احسان طاق نسیاں پر دھر دیئے۔ سلطان جان کو یہ بات سخت ناگوار گذری اور وہ کشیدہ خاطر ہوکر ایران کو چلا گیا۔ شاہ ایران نے اُسکے حال پر بہت کچھ نوازش اور مہربانی فرمائی اور چلتے ہوئے اُسے ہرات بخشدی۔ امیر دوست محمد نے جب یہ خبر سُنی تو بہت سٹ پٹایا۔ اور احمد علیخاں پسر کلاں امیر شیر علیخاں کو کابل میں چھوڑکر بمع شیر علیخاں اور دیگر سرکردگان کے ہرات پر فوجکشی کی۔ سلطان جان نے خوب مقابلہ کیا۔ مگر آخر کار قلعہ بند ہونا پڑا۔ امیر دوست محمد اور شیر علیخاں نے بہت زور لگائے کہ کسیطرح قلعہ سر ہو مگر نہو سکا۔ اس اثنا میں سلطان جان اور اُسکی بیوی دونوں قضا الٰہی سے فوت ہوگئے۔ اور اُنکے بیٹے شاہ نواز امیر دوست محمد خاں نے قید کر لیا۔

امیر دوست محمد خاں کا ہرات پر حملہ

اِس موقعہ پر امیر دوست محمد خاں کے اس برتاؤ کا ذکر ضرور کرنا چاہیئے جو اُسنے گورنمنٹ انگریزی سے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ محشر کے وقت مرعی رکھا تھا۔ اس سے کچھ عرصہ پیشتر جبکہ میجر بعد ازاں سر ہربرٹ ایڈورڈس پشاور میں کمشنر اور سر جان بعد ازاں لارڈ لارنس پنجاب کے چیف کمشنر اور کلکتہ میں لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل تھے۔ ایڈورڈس صاحب نے امیر افغانستان سے دوستانہ عہدنامہ کرنے کی صلاح دی لارنس صاحب نے اِس تجویز کی اس بنا پر سخت مخالفت کی کہ افغان امیر کو پہلے تو عہد کرنے پر آمادہ کرنا مشکل ہے اور جب اُسنے عہد کر لیا تو اُسکے عہد پر قایم رہنے کی ذرہ امید نہیں۔ لیکن گورنر جنرل نے ایڈورڈس صاحب کی رائے کی تائید کی۔ اور درہ خیبر کے سامنے بیٹھکر امیر افغانستان اور انگریزی کمشنر کے مابین اِس مطلب کا

غدر ۱۸۵۷ء کے ایام میں امیر دوست محمد خاں کی وفاداری گورنمنٹ انگریزی سے

عہدنامہ لکھا گیا کہ دونوں سلطنتوں کے مابین "دائمی امن اور دوستی قایم رہے گی" اور دونوں قومیں ایک دوسرے کے "دوست اور دشمن کی دشمن" رہیں اس عہدنامہ نے ایک دوسرے سے زیادہ مضبوط عہدنامہ کا راستہ کھول دیا اور لارڈ ڈلہوزی کے جانشین لارڈ کیننگ نے پشاور پہنچکر ۲ جنوری ۱۸۵۷ء کو امیر دوست محمد خاں سے ملاقات کرکے رشتہ اتحاد کو اور مضبوط کر دیا۔ کون جانتا تھا کہ اس سے چار ماہ بعد میرٹھ اور دیگر مقامات میں ہندوستان کی فوج غدر کر دیگی مگر یہ غدر ہوگیا اور امیر دوست محمد خاں اپنی بات پر قایم اور اپنے عہد پر مستقل رہا اور اگر وہ اس وقت اپنے عہد پر قایم نہ رہتا تو اس وقت کون جان سکتا ہے کہ ہندوستان میں کسکی حکومت ہوتی۔ ایک انگریز مصنف[1] اس واقعہ کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ "اگر امیر ایک مرتبہ علم اسلام بلند کر دیتا تو انگریز اپنے جہازوں کیطرف بھاگ جاتے۔ کچھ دوسرا امر ہے کہ کتنے وہاں تک سلامت پہونچتے" اس وقت جب افغان سرداروں کو غدر ہندوستان کا حال معلوم ہوا تو وہ غصہ سے بھرے ہوئے دربار میں چیختے اور اپنی پگڑیاں امیر کے پاؤں میں پھینک کر کہتے "دیکھ دلی سے کیا خبر آئی ہے۔ یہ نیچے فرنگی کن مشکلات میں مبتلا ہیں۔ تو ہمیں کیوں نیچے جاکر پشاور واپس نہیں لینے دیتا" مگر پیر مرد امیر بڑے استقلال کے ساتھ جواب دیتا کہ "میرا انگریزوں سے اتحاد ہے اور خواہ کچھ ہو میں تا دم مرگ اسپر قایم رہونگا" اور افغان امیر نے انگریزی حکام کے خلاف امید اپنے عہد کو پورا کیا۔ ورنہ اگر پشاور کو افغان لے لیتے تو پنجاب بھی انگریزوں کے ہاتھ سے نکلجاتا۔ اور اگر پنجاب نکل جاتا تو بنگال بھی باقی نہ رہتا۔ یہ خود لارڈ لارنس کا قول ہے۔ جبکہ دہلی میں انگریزوں کو کامیابی ہوئی اور لاہور میں اسکی خبر پہونچی تو ایک بہت بڑے سکھ سردار کو انگریزی افسروں نے بڑی تعریف کے ساتھ بتلایا کہ دہلی فتح ہوگئی ہے۔ لیکن اس نے کچھ پرواہ نہ کی۔ بلکہ بے صبری سے

[1] میکملس میگزین فروری ۱۸۵۹ء صفحہ ۲۹۰

امیر کبیر دوست محمد خاں

دریافت کیا کہ پشاور کی کیا خبر ہے۔ جواب ملا کہ "بالکل خیریت اور امن ہے"۔ اور جب سکھ سردار سے پوچھا گیا کہ تم پشاور کی نسبت ہمیشہ کیوں اسقدر خطرات سے خبر پوچھا کرتے ہو؟ تو اُسنے تہوڑے سے تامل کے بعد اپنا رومال لیکر ایک سرے سے لپیٹنا شروع کیا اور کہا۔ "دیکھو اگر پشاور چلا جاوے تو تمام پنجاب اسطرح لپٹ جاویگا"۔ مگر پشاور کو امیر دوست محمد نے نہ لیا۔ اور انگریزوں کے شکر گذار بنانے کے لیئے بہت بڑا سبب چھوڑ گیا۔

امیر دوست محمد خاں کا انتقال

امیر دوست محمد خاں بتاریخ ۱۹ جون ۱۸۶۳ء بمقام ہرات شاہ نواز خاں کو قید کرنیکے دو ہفتہ بعد جاں بحق تسلیم ہوا۔ امیر دوست محمد ایک مستعد اور لایق حاکم تھا۔ اُسکی جوانمردی اور شجاعت کے دوست اعلےٰ قائل تہے اور اُسکی سادگی اور انصاف پسندی کو لوگ بہت پسند کرتے تھے۔ اگرچہ اُسنے ہوشمندی سے انگریزوں کی دوستی کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ مگر حتی المقدور اُسنے اپنے ملک میں انکا قدم نہیں آنے دیا۔ ایک انگریز جسنے اُسے کلکتہ میں ایام جلاوطنی میں دیکھا تھا بیان کرتا ہے کہ اُسکی گفتگو نہایت شستہ تھی اور وہ اخلاق اور اہلیت کا پُتلا تھا اور اُسکے اطوار ایسے تھے کہ اُنہیں دیکھکر خواہ مخواہ انسان کے دل میں دوست محمد کی دوستی اور محبت پیدا ہو جاتی تھی۔

اہل افغانستان دوست محمد کو امیر کبیر کہا کرتے تہے۔ اور اسی نے پہلے پہل اپنے لیئے امیر کا خطاب تجویز کیا تھا۔ بڑی تدبیر اور لیاقت سے اپنے خاندان کے لیئے تخت افغانستان حاصل کیا۔ اور چھوڑ مرا۔

جس سال امیر دوست محمد مع اپنے فرزند ارجمند سردار افضل خاں کے ہندوستان سے واپس آیا اُس سے بارہ ماہ بعد بیوہ مسعود عبدالرحمن خاں افضل خاں کے گہر میں تولد ہوا۔ مارچ ۱۸۵۲ء میں امیر دوست محمد نے افضل خاں کو حاکم

بلخ مقرر کر دیا۔ عبدالرحمٰن کی والدہ ماجدہ نواب سمند خان کی دختر بلند اختر تھی جو نواح کابل کے کوہستانی خانزادوں سے ایک ممتاز شخص تھا جب امیر کبیر دوست محمد کا مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا تو امیر شیر علی خان مسند حکومت پر جلوہ آرا ہوا۔ اعظم خان اس وقت حاکم کورم تھا۔ امیر شیر علی خاں نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی ایک معمولی شخص محمد رفیق خان کو اپنا رفیق بنایا۔ اُسے خطاب سرداری عطا کیا اور قلمدان وزارت حوالہ کر دیا چنانچہ محمد رفیق والی کابل کا معتمد الیہ ہو گیا۔

امیر شیر علیخاں کا تخت نشین ہو کر بابوں سے جنگ شروع کرنا

سردار محمد رفیق کو امیر شیر علی خاں نے پشاور بھیجا کہ سرکار انگریزی سے مقررہ وظیفہ لے آوے۔ اُس وقت جیمس صاحب کمشنر پشاور تھا جب یہ مطالبہ اُسکے گوش زد تک پہنچا تو اُس نے ٹکا سا جواب دیا اور کہا کہ جبتک تمام بھائی امیر شیر علی خاں کی حکومت تسلیم نہ کر لیں گے۔ یہ روپیہ نہیں ملسکتا۔ یہ جواب سُنکر امیر شیر علیخاں کو ضرورت لاحق ہوئی کہ کسیطرح تمام افغانستان پر تسلط حاصل ہو۔ سب سے پہلے اُسکو افضل خاں کا خیال آیا جو اُسکا سب سے زبردست اور پرسوخ بھائی تھا اور جسکے پاس فوج بھی باقاعدہ تھی۔ اس وقت تک افضل خاں نے کسی طرح کا اظہار سرکشی نہیں کیا تھا۔ البتہ اعظم خان غافل نہ تھا جو ہیں دوست محمد خاں کا تابوت نکلوا کر اپنے علاقہ میں جا کر چپکے چپکے اپنی قبر میں رکھا گیا وہ ہرات سے غائب ہو گیا اور اپنے علاقہ میں جا کر چپکے چپکے اپنی تیاریاں شروع کر دیں۔ افضل خان کے معاملہ میں امداد شیر علیخاں کیطرف سے ہوئی محمد رفیق کے پشاور سے واپس آنے پر شیر علیخاں نے قندہار سے ترکستان پر فوجکشی کی۔ اُس وقت افضل خاں نے ایک معتبر شیر علیخاں کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ ہر چند کہ میں بڑا بیٹا اور مستحق تخت کابل ہوں مگر فیصلہ گاہ جیتے جی وہ تمہیں بخش گئے ہیں اور میں لہو کا گھونٹ پی کر خاموش ہو رہا ہوں

اب تمہیں یہ واجب نہیں ہے کہ اس جاگیر پر جو والد نے مجھے دی ہے۔ دندان آز دراز کرو۔ امیر شیر علی نے سردار افضل خاں کے واجب پیغام کا کچھ جواب دیا۔ جسپر افضل خاں خود سر ہو بیٹھا اور اعلان کر دیا کہ دراصل ملک کا جائز وارث میں ہوں چنانچہ خطبہ بھی اُسی کے نام پر پڑھا جانا شروع ہو گیا۔ اِن ایام میں سر ولیم ڈینس بہادر قائم مقام گورنر جنرل تھے اُنہوں نے شیر علی خاں کو دوست محمد کا جانشین تسلیم کر لیا تھا۔ امیر شیر علی خاں کو جو فتح اعظم خاں کے مقابلہ میں نصیب ہوئی تھی اُس سے اُسکا دماغ آسمان پر پہونچ گیا تھا۔ چنانچہ جون ۱۸۴۳ء میں دونوں سوتیلے بھائی ایک دوسرے کے مقابلہ میں میدان میں آئے عبدالرحمن خاں اُس وقت اپنے باپ کے ہمراہ نہ تھا۔ افضل خاں اُسے تخت پل میں جو مزار شریف سے دو میل کے فاصلہ پر ہے چھوڑ آیا تھا۔ جہاں یہ روز و شب سیر و شکار میں مشغول رہتا تھا مقام مذکور پر جب دونوں لشکر آمنے سامنے آئے تو پہلے چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں پھر امیر شیر علیخاں نے صلح کا پیغام بھیجا اور بظاہر یقین دلایا کہ مجھے تمہارے علاقہ سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ اور اپنے بھائی کو زیادہ یقین دلانے کے لیئے خاص مزار شریف میں (جو حضرت علیؓ کا روضہ مشہور ہے) قرآن شریف منگا کر علانیہ اُسپر قسم کھائی کہ میں سردار افضل خاں کی قدر و منزلت کرونگا۔ اُسکے ساتھ بدسلوکی سے پیش نہیں آؤنگا اور نہ اُسکے علاقہ سے کچھ سروکار رکھونگا جس وقت شیر علیخاں نے ایسی قسم کھائی تو افضل خاں کو اسپر اعتبار آگیا اور وہ فوراً شیر علیخاں کے پاس چلا آیا شیر علیخاں نے اُس وقت سوچا کہ افضل خاں تو اب میرے اختیار میں ہے اب اُسکے بیٹے عبدالرحمن خاں کو بھی گرفتار کرنا چاہیئے۔ مگر جب عبدالرحمن خاں کو اِس واقعہ کی خبر ہوئی وہ فوراً جان بچا کر بخارا کیطرف بھاگ گیا۔ اور شاہ بخارا کے پاس جا کر پناہ لی +

امیر شیر علیخاں کا افضل خاں کو قید کرنا

امیر شیر علی بھتیجے کے جان بچا کر بھاگ جانے سے بہت خفا ہوا اور حکم دیا کہ
اسی وقت افضل خاں کو پابجولاں ہمارے روبرو لاؤ۔ ایک بار کزئی سردار وہاں
موجود تھا۔ امیر شیر علی نے اُسکو حکم دیا کہ تم اسیوقت جاؤ اور اسکو پابجولاں کرکے
ہمارے سامنے لاؤ۔ اُسنے تامل کیا۔ اسپر امیر کا غصہ اور بھی بھڑکا اور اُس بارکزئی
سردار کو بہت سرزنش کی۔ پھر ایک جرنیل کو کہا کہ تم جاؤ اور اُسکو ہتھکڑی لگا
کر ہمارے روبرو پیش کرو۔ جرنیل طیار ہو کر گیا وہاں سے روانہ ہوا۔ اور
افضل خاں کے سامنے مودب استادہ ہو کر حکم حاکم سے مطلع کیا۔ افضل خاں
نے سر جھکا لیا اور کہا مشیت ایزدی میں کسیکو یارا ہے۔ دمزون نہیں ہے۔
پھر اپنی ریش کو ہاتھ سے پکڑ تین دفعہ اُسپر تھوکا۔ اور پھر پاؤں لمبا کر دیا کہ لو
اسمیں بیڑیاں ڈالدو۔

سنہ ۱۸۶۲ء میں سردار افضل خاں قید ہوا۔ اور دوسرے روز امیر شیر علیخاں نے سردار
اعظم خاں کی فوج کو شکست دی۔ اعظم خاں خود بھاگ کر ہندوستان میں چلا آیا۔
اور سرکار انگریزی نے اُسکی خدمات زمانہ غدر کو یاد کرکے ایک معقول پنشن مقرر کر دی

سردار اعظم خاں کا شکست کھا کر ہندوستان کو بھاگ جانا

امیر شیر علیخاں نے اپنے بھائی فیض محمد خاں برادر سردار ولی محمد خاں کو بلخ کا
حاکم مقرر کرکے کابل کی راہ لی۔ اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ شہر میں داخل
ہوا۔ افضل خاں بھی پابزنجیر ہمراہ تھا۔ مگر شیر علیخاں کے اس فعل سے کوئی خوشی نہ
ہوا۔ عوام الناس اُس سے نفرت کرنے لگے۔ متشرع اور متقی افغان اُسکی حلف دروغی
سے سخت ناراض ہوئے۔ بہت لوگ کہتے ہے کہ اسنے جھوٹا قرآن اُٹھایا ہے۔
اسکے سر پر کوئی نہ کوئی عذاب نازل ہوگا۔ بی بی مروارید زوجہ افضل خاں کو
جو عبدالرحمن خاں کی سوتیلی والدہ تھی۔ اپنے خاوند کے قید ہونیکا اسقدر قلق
ہوا کہ اُسنے بلغ پچیس ہزار روپیہ اعظم خاں کے پاس ہندوستان کو بھیجا اور۔

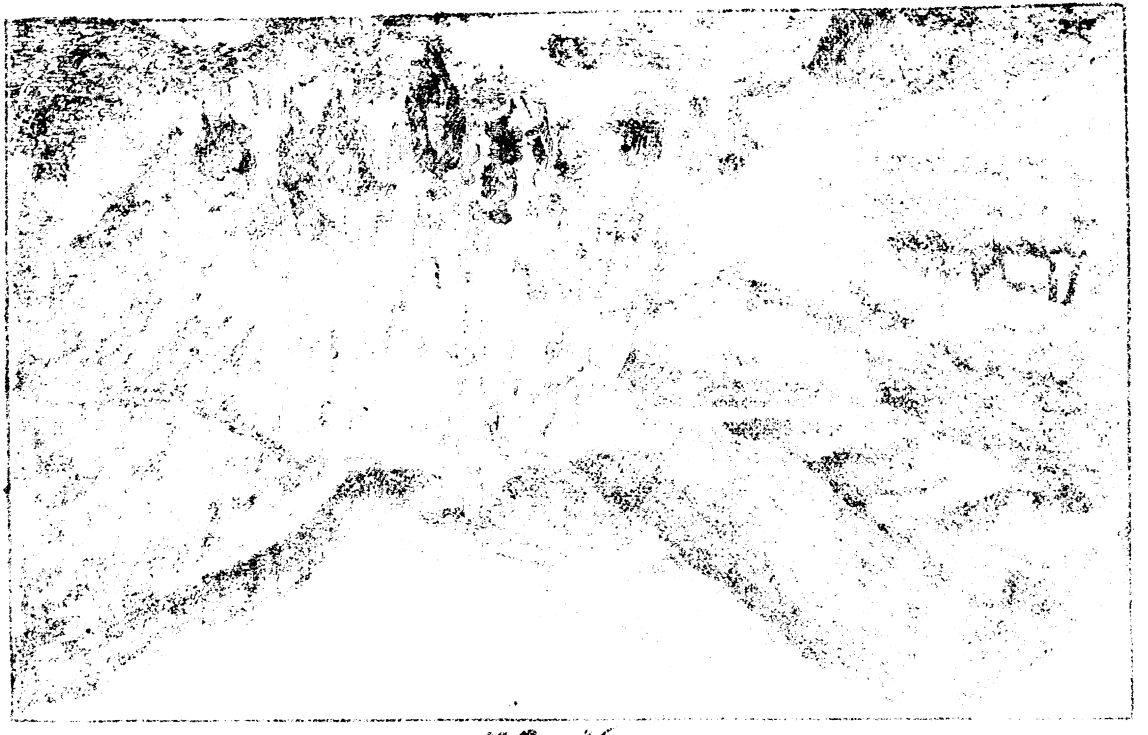

پیغام دیا کہ اگر مرد ہے تو اس روپیہ کو کام میں لا اور اپنے بھائی کو قید دشمنان سے نجات دلوا۔ اور اگر حمیت یا غیرت تجھ میں نام کو نہیں ہے تو اس روپیہ کا سکلف کفن اپنے لیئے سلوا چھوڑنا۔ اعظم خاں نے اس روپیہ کو نعمت غیر مترقبہ سمجھا۔ مگر ۱۸۶۵ء تک چپکا بیٹھا ہوا تجاویز سوچا کیا۔

عبد الرحمن بخارا میں غافل نہ تھا۔ اسی ادھیڑبن میں اسکو راتوں نیند نہیں آتی تھی۔ انہوں مظفر الدین حاکم بخارا تھا۔ یہ اُسی شخص کا بیٹا تھا جسکو انگریز "بوچڑا" یعنے قصاب لکھتے ہیں۔ کیونکہ اسنے نہایت بیرحمی سے دو یورپینوں مسٹر کانولی اور سٹاڈہرٹ کو قتل کیا۔ اُن ایام میں ابھی روسیوں کے قدم بخارا میں نہیں آئے تھے۔ اسلیئے حاکم بخارا بھی صاحب اقتدار رہتا۔ مظفر الدین بڑا متعصب اور پکا مسلمان تھا اور ہمیشہ پابند شریعت رہتا تھا۔ جس وقت اُسے یہ خبر ہوئی کہ شیر علیخاں نے قرآن شریف کا بھی پاس و لحاظ نہیں کیا تو بہت ناراض ہوا پھر اُسنے تمام علماء کو جمع کیا اور وہی قرآن اُنکے روبرو پیش کیا کہ جسپر امیر شیر علیخاں نے حلف دروغی کی تھی۔ علمائے دین نے شیر علی خاں کی اس حرکت کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھا اور سوگند کھائی کہ ایسے شخص کو ضرور سزا ملنی چاہیئے غرض دس بیس لوگوں نے شیر علی خاں کے برخلاف فتوے دیکر اُسے خارج از مذہب قرار دیا۔[1]

عبد الرحمن بخارا کی مدد سے اپنے باپ کو چھڑانے آتا ہے۔

۱۸۶۵ء میں عبد الرحمن خاں توکل بخدا مظفر الدین شاہ بخارا کی حمایت اور پشت پناہی سے ارادہ تسخیر کابل بخارا سے روانہ ہوا۔ امیر عبد الرحمن خاں نے اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ جب میں توکلاً علی اللہ بخارا سے روانہ ہوا تو اسوقت میرے ساتھ صرف دو سو ہمراہی تھے۔ میں سمرقند کی راہ ہوتا ہوا آخشہ کی پاس آیا۔ وہاں فیض محمد کو اپنا معاون پایا اور جسطرف گیا لوگوں نے میری اطاعت قبول کی

[1] در اصل یہ طریقہ حکمت عملیوں میں ایک سے زیادہ مرتبہ مسلمان متخاصمین سلاطین میں قرآن صرف رفع الوقتی کے لیئے اُٹھایا گیا ہے۔ ہندوستان میں ہمایوں اور شیر شاہ سوری کا واقعہ اسی کا شاہد ہے۔ ۱۲

اور میں بلا کسی قسم کی رکاوٹ کے بلخ میں چلا آیا۔ جہاں فیض محمد خاں نے زاد راہ اور کمک میں اسکے باپ کے وقت کی فوج دیکر اسے مزار شریف کیطرف روانہ کیا۔ جہاں سے تاشقرغان حضرت سلطان خنجان وغیرہ مقامات ہندوکش کو گذر کر صدینج شیر میں داخل ہوا۔

امیر شیر علیخاں کے امین خاں اور شریف خاں سے لڑائی ۔

نوں امیر شیر علیخاں اپنے حقیقی بھائیوں امین خاں اور شریف خاں کے ساتھ بجنوبی قندھار میں سرگرم پیکار تھا۔ ان دونوں بھائیوں نے قرآن بیچ میں رکھکر قسم کھائی تھی کہ ہم شیر علی خاں کی بیخکنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھینگے۔ جس وقت ان بھائیوں میں فتنہ و فساد کی آگ زور سے بھڑک رہی تھی۔ سر جان لارنس کشور ہند کے گورنر جنرل تھے۔ انہوں نے امیر شیر علیخاں کے خط کے جواب میں لکھا کہ ہم امید کرتے ہیں کہ قادر مطلق کوئی ایسے اسباب ہم پہنچا دیگا کہ جس سے بھائیوں میں صلح اور آشتی ہوجاویگی۔ مگر اب معاملہ دگرگون ہوچکا تھا اور مقدمہ صلح اور راضی نامہ کی حد سے گذر چکا تھا۔ ادہر سے عبدالرحمن خاں بخارا سی فوج لیکر بڑھا اور ادہر سے شیر علی خاں نے کابلی فوج سے امین خاں اور شریف خاں کی قندھاری فوج کے سامنے پڑاجما دیا۔ غرض ۱۵ جون ۱۸۶۵ء کو موقعہ کجباز پر بڑی گھمسان کا رن پڑا اور چار گھنٹہ تک دوست دشمن میں کچھ تمیز نہ ہوئی۔ آخر کار کامیابی امیر شیر علیخاں کے ہاتھ ہی رہا اور قندھاری لشکر نے دندان شکن شکست کھائی اگرچہ امیر شیر علیخاں فتحیاب ہوا مگر یہ فتح شکست سے بڑھکر اسکے حق میں زبون ہوئی۔ کیونکہ جس وقت دونوں لشکروں کے جانباز جوش و خروش سے حق نمک ادا کر رہے تھے۔ امیر شیر علیخاں کو معلوم ہوا کہ لشکر حریف کا پلہ غالب ہے۔ امیر نے اپنے نور بصر محمد علیخاں کو جو اسکا ولیعہد تھا روبرو بلایا اور کہا کہ بہتر ہے تم زنانہ کپڑے پہن لو۔ کاش تمہاری بدلے اینٹ پتھر پیدا ہوتے کہ اس وقت میں ان

پتھروں کی بوچھاڑ ان دشمنوں پر کرکے اُنکا منہ پھیر دیتا۔

محمد علی خاں کو باپ کا طعنہ تبر کیطرح لگا۔ باپ کو تو کچھ جواب نہ دیا۔ مگر چند جان نثاروں کو ساتھ لیکر قلب لشکر میں گھس گیا۔ اور دم زدن میں سینکڑوں کو خاک و خون میں ملا دیا۔ آخر لڑتا لڑتا وہاں جا پہونچا۔ اُس کا چچا امین خاں کھڑا تھا۔ امین خاں جو محمد علی کی دلاوری دیکھکر بار دم بریدہ کیطرح پیچ و تاب کھا رہا تھا بھتیجے کو اپنے قریب دیکھکر شہباز کیطرح جھپٹا اور تلوار سوت کر سامنے آکھڑا ہوا۔ محمد علی نے ادب بزرگی اور امین خاں نے پاس خردی بالائے طاق رکھدیا۔ اور دونوں پے در پے ایک دوسرے پر وار کرنے لگے۔ امین خاں نے فوراً پہچانکر حریف زبردست ہی اسلیئے جان بچانی فرض ہے۔ کمر سے مشعل نکالا اور بلا سوچے سمجھے بھتیجے کے سر پر جھونک دیا۔ ایک تڑاقے کی آواز ہوئی اور محمد علی بیجان ہوکر زمین پر گر پڑا۔ محمد علی کے چند جان نثار جو پاس موجود تھے اپنے آقا کا یہ حال دیکھکر کمر کے لئے کرتے ہوئے قاتل پر جا پڑے اور دم زدن میں اُسکی بوٹی بوٹی بانٹ لی۔ محمد علی مرنے کو تو مر گیا مگر دشمن کی فوج کا کام تمام کر گیا۔ اسکی جوانمردی دیکھکر دشمنوں کے جی چھوٹ گئے۔ پاؤں اکھڑ گئے اور بیحواس ہوکر میدان سے بھاگے۔ اور امیر شیر علیخاں کی فتح ہوگئی۔ مگر جب اُسکو معلوم ہوا کہ محمد علیخاں اُسکا لایق اور جوان بیٹا قتل ہوگیا ہے تو اُسے سخت صدمہ ہوا بے محابا بچوں کیطرح واویلا کرنے لگا اور تمام جہان اُسکی آنکھوں میں تیرہ و تار ہوگیا۔ اپنے پرائے سے وحشت ہونے لگی اور اُس نے یک قلم لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔

امیر شیر علیخاں کو اپنے لایق بیٹے محمد علیخاں کے مارے جانے سے سخت صدمہ پہونچا۔

شیر علی خاں کو محمد علی کے مرنے کا اسقدر صدمہ ہوا کہ اُسنے سڑی اور دیوانوں کیطرح ایک دن خودکشی کا ارادہ کر لیا اور خنجر لیکر اپنے حلق پر پھیرنے لگا ہی تھا

ایک سردار اُس وقت موجود تھا جسنے زبردستی خنجر اُسکے ہاتھ سے چھین لیا پھر ایکدن امیر شیر علیخان بیٹھا بیٹھا ایسا گھبرایا اور سلطنت سے ایسا دل برداشتہ ہوا کہ اعیان سلطنت کو جمع کرکے کہنے لگا کہ اب میرا دل حکومت سے بیزار ہے میں چاہتا ہوں کہ یا تو مکہ معظمہ کیطرف ہجرت کرجاؤں یا علاقہ انگریزی یا مملکت روس میں جاکر زندگی کے باقی دن آرام سے گذاردوں۔ امیر شیر علی اس ارادہ پر اسقدر مستعد تھا کہ سرداروں نے بڑی مشکل سے اُسکو قائل کیا اور اس ارادہ سے باز رکھا۔ ایک دن آدھی رات کے وقت امیر شیر علی اُٹھکر ایک تالاب میں جاگسا اور جب اُسکے خدام نے اُسے سر پیٹ کر باہر نکالا۔ اور دریافت کیا کہ اس وقت تالاب میں حضور کیا تماشا کرتے تھے تو اُسنے جواب دیا کہ میں محمد جلیخاں کی نعش ڈھونڈنے گیا تھا۔ امیر شیر علی کی ان حرکتوں کا چاروں طرف لوگوں میں چرچا ہونے لگا۔ اور عوام الناس نے یہ سمجھ لیا کہ ہمارا امیر ضرور سودائی اور مجنون ہوگیا۔

ایک دوسری روایت اس لڑائی کی نسبت جو ایک واقفکار شخص کی زبانی معلوم ہوئی ہے یہ ہے کہ محمد جلیخاں نے خود اپنے باپ امیر شیر علیخاں سے درخواست کی کہ مجھے اپنے چچا امین خاں سے لڑنے کی اجازت دیجیئے۔ اُسے معلوم تھا کہ امین خاں فلاں غنڈ (چوٹی) پر مقیم ہے محمد علی خاں اردل کے تھوڑے سے سپاہی لیکر شیر کے کھال کی وردی میں ملبوس اُس چوٹی پر چڑھ گیا۔ جب امین خاں کو معلوم ہوا کہ مجھے گرفتار کرنے آیا ہے تو اُسکے ہمراہیوں نے محمد جلیخاں پر باڑ ماردی۔ اِدھر سے محمد جلیخاں کے آدمیوں نے بھی بندوقیں سر کیں۔ اور چچا بھتیجے آن کی آن میں وہیں سرد ہوگئے جب دونوں لاشیں اُٹھاکر امیر شیر جلیخاں کے پاس لائی گئیں تو اُسے سخت صدمہ ہوا۔ اُسنے سردار رفیق خاں اپنے وزیر کو خفا ہوکر کہا کہ مجھے تو انگریزوں کے لاکھہ روپیہ ماہوار کا خوب حق ملگیا ہے اور دو غم سے فرش پر لوٹ کر مرے گا محمد جلیخاں کو یا محمد امین خاں کو

بار بار کھٹارہا۔ غرض امیر شیر علیخاں کو اس واقعہ سے سخت صدمہ پہنچا۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جب امیر شیر علیخاں اپنے لائق اور ہونہار بیٹے کے غم و الم میں دیوانہ ہو رہا تھا عبدالرحمن خاں بخارا سے علاقہ افغان ترکستان میں پہنچ گیا۔ اور فیض محمد خاں نے اسکی اعانت کرنی شروع کی۔ ایک دوسرا بیان ہے کہ فیض محمد خاں نے ہی عبدالرحمن خاں کو تاکیدی خط لکھکر بخارا سے بلایا تھا۔ دوسری طرف سردار رفیق خاں نے امیر شیر علی خاں سے ناراض ہو کر اعظم خاں کو خط لکھا کہ تم جلدی چلے آؤ ہم تمہیں کابل سپرد کر دیں گے اس واقعہ کے مفصل حالات مجھے ایک ایسے شخص کی زبان سے معلوم ہوئے ہیں کہ جو راولپنڈی سے سردار اعظم خاں کے ساتھ ہو لیا تھا اور کابل پہونچنے تک ہمراہ رہا۔

سردار اعظم خاں کا راولپنڈی سے کابل کو روانہ ہونا ہے

۳۰ نومبر ۱۸۶۹ء کو سردار اعظم خاں راولپنڈی سے روانہ ہو کر علاقہ یوسف زئی سے گذر کر اخون صاحب کی خدمت میں سوات پہنچا۔ اخون صاحب نے ایک خیمہ اسباب غنیمت سے انکے پاس تھا سو قریب پانسو روپیہ نقد کے بطور زاد راہ کے دیکر دعا کی کہ خدا کامیابی بخشے۔ وہاں سے روانہ ہو کر براہ باجور دیر چترال سے گذر کر بدخشاں گئے۔ وہاں کے خان یعنی امیر بدخشاں نے اپنی لڑکی کا عقد سردار اعظم خاں سے کر دیا۔ وہاں سے گذر کر علاقہ کوہ پنج شیر میں پہونچے۔ جب خبر سنکے سردار فیض محمد خاں حاکم ترکستان نے سردار عبدالرحمن خاں کو بھی کسیقدر جمعیت دیکر پنج شیر کو روانہ کیا۔ کہ جہاں دونوں چچا بھتیجے اکٹھے ہو گئے۔ اس وقت سب کا فرج ختم ہو گیا تھا۔ اس علاقہ میں برہمہ خانی توت خشک کیے جاتے ہیں جو کہ توت سے پیدا ہوتے ہیں چنانچہ سات روز فوج اور امیروں نے صرف یہی توت کھا کر گذارہ کیا۔ پھر بیوی مرد اریدنے دو لاکھ روپیہ کابل سے انکے پاس بھیجا۔

* اس علاقہ کے لوگوں میں مشہور ہے کہ یہ توت قوت و جولیت کے لئے مفید ہیں۔ پٹھانوں میں بہت مقبول ہیں

روپیہ ہاتھ میں آگیا تو سب کی امید بندھ گئی۔ وہاں سے براہ درہ تو تم گذر کر علاقہ جہرکار میں داخل ہوئے۔ وہاں سردار نور محمد خاں المعروف بہ مسکین پسر سردار سلطان محمد خاں طلائی[1] حاکم قندھار بیس ہزار روپیہ کی لنگی اور شال فوج کو انعام دینے کے لیئے لیکر حاضر ہوا۔ اُس وقت حاکم کابل محمد شریف خاں برادر شیر علیخاں و محمد ابراہیم خاں المعروف بہ چارہ[2] پسر امیر شیر علیخاں دونوں تھے۔ جب فوج کابل کو دو روپیہ دیدیا گیا اور کسیقدر اور روپیہ بیوی مروارید نے اپنی گرہ سے فوج میں تقسیم کیا تو فوج کابل ان سے ملگئی اور ۲۸ فروری ۱۸۶۶ء کو کابل پر انکا تسلط ہوگیا۔ اسپر محمد ابراہیم خاں برقعہ پہنکر گھوڑے پر سوار ہو بھاگ گیا اور محمد شریف خاں بھی بھاگ گیا۔ اُس وقت کاروبار ریاست سردار اعظم خاں سردار محمد رفیق خاں سردار ولی محمد خاں سردار شمس الدین خاں اور سردار نور محمد خاں کیا کرتے تھے۔ اور کل فوج کے۔ کمان سردار عبدالرحمن خاں کے متعلق تھے۔

اعظم خاں اور عبدالرحمن خاں کا کابل پر تسلط ہوگیا۔

اِس واقعہ کو دیکھکر امیر شیر علی خواب خرگوش سے بیدار ہوا مگر چڑیاں کھیت چگ چکی تھیں۔ اب کیا ہوسکتا تھا پھر بھی اُسنے رہی سہی جمعیت کو اطراف غزنی سے فراہم کیا۔ اور عبدالرحمن اور اعظم خاں کی متحدہ طاقت کے مقابلہ میں آ کھڑا ہوا۔ لیکن تھوڑی سی لڑائی کے بعد اسی ۱۸۶۶ء کو شکست خاش کھاکر بھاگ گیا۔ اور چالیس توپیں اور ہزاروں خیمے اور گھوڑے اعظم خاں اور عبدالرحمن خاں کے ہاتھ آئے۔ امیر شیر علیخاں قندھار سے آتے وقت فضل خاں و شہنواز خاں پسر سلطان جان دونوں قیدیوں کو بھی ہمراہ لایا تھا جنہیں بھاگتے ہوئے جلدی میں وہاں چھوڑ گیا تھا۔ قید سے نکالکر فضل خاں کو تو کابل میں لاکر امیر بنایا گیا اور سکہ اسکے نام پر ہوا۔ اور اعظم خاں اسکا وزیر بنا۔

امیر شیر علیخاں کی شکست

---

[1] مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملازمت میں بالکل طلائی کوٹ پہنتا تھا۔ اسلیئے اسنے یہ نام پایا تھا +

[2] پشتو میں چارہ گھٹنے یا ٹوٹنے کو کہتے ہیں۔

امیر عبدالرحمٰن بن فتح کا حال یوں لکھتا ہے۔ "خدا کے فضل و کرم سے شیر علی نے شکست کھائی اور میرا والد اور اسکے ہمراہی جو غزنی میں قید تھے میری فتح اور نصرت کی خبر سنکر قید سے باہر نکل آئے۔ میں اپنے والد بزرگوار کو ہمراہ لیکر کابل آیا۔ اور وہیں تخت پر بٹھا دیا۔ شیر علی ہزیمت کھا کر اور توپیں ہتھی۔ گھوڑے وغیرہ کھو کر قندھار کیطرف بھاگ گیا تاکہ اپنی حالت کو درست کرے اور اپنے دامن عزت سے اس شکست کی بدنامی کے داغ کو دھوئے"

امیر افضل خاں کی تخت نشینی

۲۱ مئی ۱۸۶۷ء کو سردار افضل خاں نے امیر افضل خاں ہو کر تخت کابل پر جلوس فرمایا۔ رسوم تخت نشینی قلعہ بالاحصار میں عمل میں آئیں۔ تمام شہر میں رات کو روشنی ہوئی اور لوگوں نے جا بجا جشن کئے اور خوشیاں منائیں۔

باب دوم

ابتدائی حالات

وہیلر صاحب سابق ایڈیٹر اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے جو امیر صاحب کی زندگی کے حالات لکھے ہیں۔ انھیں اس بات سے شروع کیا ہے کہ امیر صاحب کے تذکرہ نگار کو ابتدا ہی میں ایک ایسی مشکل پیش آتی ہے کہ جس سے مفر نہیں۔ کیونکہ اس عظیم الشان شخص کی تاریخ پیدائش اور مقام ولادت کسیکو معلوم نہیں۔" ایک بیان کے مطابق تو یہ ۱۸۳۰ء میں تولد ہوا اور سکھوں کی پہلی لڑائی میں انگریزوں کے مقابلہ میں لڑائی بھی تھا۔ مگر یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ ایک وجہ جو امیر عبدالرحمٰن خاں سے سمرقند میں واقف تھا بیان کرتا ہے کہ وہ ۱۸۴۳ء میں تولد ہوا۔ اور یہی بات زیادہ قرین قیاس بھی معلوم ہوتی ہے۔ بیشک یہی امیر صاحب نے خود بھی کہا تھا اور کئی

سال بعد اپنے انگریز معالج کو بھی بالکل بھی اطلاع دی تھی۔

امیر عبدالرحمن خاں کے زمانہ طفولیت کے حالات بہت کم دستیاب ہوئے ہیں تحریری مصالح تو اسکے متعلق بالکل نہیں ملتا تاہم بعض اُن لوگوں سے کہ جو بچپن میں امیر صاحب کے ساتھ ملکر کھیلے ہیں اور بعض دوسروں سے کہ جنہیں امیر صاحب کی ملازمت اور مصاحبت کا شرف مدت تک حاصل رہا ہے چند زبانی باتیں معلوم ہوئی ہیں اُنمیں سے دو ایک اختصار کے ساتھ قلمبند کیجاتی ہیں۔

مثل مشہور ہے کہ ہونہار بروے کے پات چکنے ہوتے ہیں اور ہونہار بچے بچپن ہی میں اپنی طبائع کا میلان ظاہر کر دیتے ہیں امیر عبدالرحمن نے بچپن ہی میں کئی باتوں میں اپنی آئندہ عظمت ارادہ کے استقلال اور نہ دبنے اور نہ مارنے والی ہمت کے ثبوت دیدیئے تھے مگر اس وقت کون ان باتوں سے کچھ نتیجہ نکال سکتا تھا کہ امیر دوست محمد خاں نے جس سلطنت کو قایم کیا ہے اسپر اسکے بیشمار بیٹوں اور پوتوں میں اُس کا خوش نصیب جانشین سردار افضل خاں کا کابل کی گلیوں میں آوارہ پھرنے والا لڑکا جو اس زور و شور اور جلال و جبروت سے حکومت کریگا کہ محمود اور نادر سے لیکر افغانستان کے کسی بادشاہ نے نہیں کی۔ اُس زمانہ میں بھی افغانستان میں ایسی ہی تعلیم تھی جیسی کہ آجکل ہے لیکن آجکل کے شہزادگان کو یورپین تعلیم اور اطوار حاصل کرنے کے کئی موقعے حاصل ہیں جو امیر عبدالرحمن کے بچپن کے زمانہ میں نہیں تھے اسلئے امیر صاحب کی تعلیم بہت کم درجہ کی ہے تاہم فن شہسواری اور نیزہ و آزمائی میں مع اعلےٰ استعداد بہم پہونچائی کہ جسکا ثبوت بعد کی زندگی میں دنیا نے اس کثرت سے دیکھ لیا۔

امیر عبدالرحمن خاں کی طفولیت

امیر صاحب کی عمر سولہ سترہ سال کی ہوگی کہ انہیں ایک عجیب شوق پیدا ہوا۔ ایک ٹوکری کو دونوں طرف سے ڈنڈوں سے باندھ کر چار آدمی کندھوں پر اُٹھا لیتے۔ اور دو جوان سردار عبدالرحمن بندوق لیکر اسمیں ٹانگیں پھیلا کر سوار ہوتے

اور بایں ہیئت کذائی کابل کی گلیوں میں کتے مارا کرتے۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں کتے اس عجیب شکاری کی بندوق کا شکار ہو گئے۔ لوگ اور خصوصاً شاہی خاندان کے لوگ ہنستے ہونگے کہ یہ لڑکا کیسا اٹھا ہے۔ مگر تقدیر پر نہ ہنستی ہوگی کہ دیکھ لینا کچھ مدت کے بعد اسی لڑکے سے ایسے ایسے کام بن پڑینگے کہ امیر دوست محمد کی نسل کا فخر سمجھا جاویگا۔ اور ایشیا کے نہیں بلکہ یورپ کے انیسویں صدی کے اس آخری حصہ کے مدبر اور پولیٹکل دقیقہ فہم اسکی صائب رایوں اور پر مغز تجویزوں پر عش عش کر اٹھینگے۔

چھٹپن سے ہی امیر عبدالرحمن کو خوشامد اور متابعت سے نفرت تھی۔ اور یہ کسی اتالیق کی حکومت نہیں مانتے تھے۔ انکی طبیعت میں ایک قدرتی شوخی تھی اور مثل سیماب کے انکو ایک جگہ قرار نہ تھا جب سردار افضل خان ترکستان کے گورنر تھے تو انکے مشیر و ملازم عبدالرحمن کی خودسری کے باعث اکثر اس سے کنیٔ خاطر رہا کرتے تھے آخر انہوں نے ایک دن موقع پاکر چغلی کھائی کہ آپکا بیٹا شراب بہت پیتا ہے۔ سردار افضل خاں کو ان لوگوں کی بات پر اعتبار آگیا اور حرم سرائے میں جاکر اہل خانہ یعنے والدہ عبدالرحمن خاں سے کہا کہ مجھے معتبر آدمیوں سے خبر ملی ہے کہ تیرا بیٹا بدچلن ہو گیا ہے۔ ہر روز شراب پیتا ہے۔ اور روز و شب نشہ میں سرشار رہتا ہے۔ امیر عبدالرحمن خاں کی والدہ نے کہا شاید ایسا ہو مگر مجھے عبدالرحمن کی عادات و اطوار سے یہ امر بعید معلوم ہوتا ہے۔ سردار افضل خاں نے کہا خیر میں آج اسکو بلا کر اس معاملہ کی تحقیقات کرتا ہوں۔ قریب العصر شام کے حکم ہوا کہ عبدالرحمن خاں کو بلاؤ۔ افضل خاں اس وقت حرم سرائے[1] میں تھا۔ چنانچہ وہیں طلبی ہوئی۔

---

[1] خانان ایسوں اور سرداروں کی بیویاں چار ہی ہوتی ہیں مگر کنیزیں اور سریتاں (کہ جن سے تولد ہو کر نکاح پڑھا جاتا ہے اور دولہا کی موجودگی ضروری نہیں ہوتی) بیسیوں ہوتی ہیں۔ اس لئے حرم سرائے بہت وسیع اور فراخ ہوتا ہے۔ ۱۲

جب عبدالرحمن حرم سرائے میں داخل ہوا تو جا بجا راستہ میں کنیزیں کھڑی ہوگئیں اور اُنہوں نے یکے بعد دیگرے الائچیاں عبدالرحمن کو دیدیں کہ اگر شراب پیتا ہے تو اُنکی خوشبو شراب کی بدبو پر غالب آجائیگی اور سردار افضل خاں تمیز نہ کر سکیگا کہ اس وقت محبوب ہے مگر عبدالرحمن خاں چغلخوروں کی کارستانی سے بالکل غافل تھا۔ پہلے تو اُسنے ایک دو سے الائچیاں لیکر کھائیں مگر اُسکو تعجب ہوا کہ سب خلاف معمول الائچیاں کیوں لائے ہیں۔ پھر اُسنے سبب دریافت کیا تو اُنہوں نے متفق ہوکر جواب دیا کہ تمہارے والد کو تم پر مے نوشی کا شبہہ ہے شاید تمہاری مونہہ سے بدبو نہ معلوم کرلے۔ عبدالرحمن خاں سب سے الائچیاں لیکر جیب میں ڈالتا ہوا باپ کے حضور میں پہنچا اور سلام علیکم کرکے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سردار افضل خاں نے کہا عبدالرحمن میرے قریب آکر بیٹھ اور مُنہ سے ہف کر۔ عبدالرحمن خاں نے بلا تامل والد کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ پاک تھا۔ اُسے کسی کا کیا باک تھا۔ اس لیئے مُنہ سے کسی قسم کی بدبو نہ نکلی تھوڑی دیر ٹھہر کر سردار افضل خاں نے کہا کہ عبدالرحمن یہیں آرام کرکے جاؤ نوجوان مگر آزاد مزاج سردار نے دلمیں سوچا کہ ایک خروار[1] تو اسکی بیویاں ہیں میں یہاں کہاں آرام کرسکونگا۔ چنانچہ اُسنے بلند آواز سے کہا میں یہاں نہیں رہونگا۔ اسکے بعد اُسکے باپ کے ملازموں نے اس پر ایک اور حملہ کیا۔ عبدالرحیم خونزادہ نے جو ابتک زندہ ہے اور امیر صاحب نے آجکل اُسکو میمنہ کا گورنر بنایا ہے۔ دیگر مصاحبان سردار افضل خاں سے ملکر شکائتیں کرنی شروع کیں کہ عبدالرحمن خاں نے چرس پینی شروع کی ہے۔ ہر روز پاؤ بھر پیتا ہے اور دیوانہ ہوگیا ہے۔ اگر جلدی کوئی انتظام نہ کیا گیا تو لوگوں کو نقصان پہنچائیگا۔ باپ نے بلا مزید تحقیقات کے بیٹے کو دیوانہ تصور کرکے قید کردیا۔

مے نوشی کا شبہہ

باپ کی قید میں

---

[1] ایک خروار مساوی ہے ۳۰ سیر کے اور ایک سیر مساوی ہے ۳ سیر انگریزی کے ۱۲

عبدالرحمن خاں کو قید میں چھ ماہ گذر گئے اس آزاد نوجوان کو یہ قید کی زندگی کتنی شاق گذری ہی کبھی کبھی سخت گھبراتا تھا اور طیش میں آکر کپڑے پھاڑ ڈالا کرتا تھا۔ اسی اثنا میں بیوی مروارید[1] جو سردار افضل خاں کے حرم کی سردار تھی اور کابل میں رہتی تھی بلخ میں جا پہونچی۔

جب بی بی مروارید علاقہ ترکستان میں داخل ہو کر حرم سرائے میں پہونچی تو سب بیبیوں نے استقبال اور دست بوسی کے بعد بجواب خیریت کے گریبان چاک کر ڈالے اور رونے لگیں۔ بیوی مروارید حیران ہوئی کہ یہہ کیا ماجرا ہے اور وجہ گریہ وبکا دریافت کی۔ اُنہوں نے رو کر جواب دیا کہ صرف ایک چراغ اس اندھیرے گھر کا اُجالا تھا۔ اُسی کو دشمن گُل کیا چاہتے ہیں عبدالرحمن کو چھ ماہ سے چغلخوروں اور بدخواہوں نے قید کرا رکھا ہے اور ہمیں بے اولاد کر دیا ہے۔ پہلے اُسے قید سے نکلوا پھر خیر و عافیت دریافت کرو۔

عبدالرحمن کے والد بزرگوار بھی اپنی زبردست بیگم کی سفر سے آنے کی خبر پاکر حرم سرائے میں ملاقات کو آئے جب سردار صاحب نے خیر و عافیت پوچھی تو بیوی

---

[1] بی بی مروارید قلعہ حشمت خاں میں جو اُسکے باپ کی وراثت تھی اور پچاس ہزار روپیہ سالانہ کی اب بھی آمدنی ہے رہتی تھی۔ یہ بیوی امیر دوست محمد خاں کی حقیقی بھتیجی تھی اور اُسکا امیر دوست محمد کی طرف سے علیحدہ مواجب مقرر تھا۔ یہی بی بی مروارید ہے جسنے افضل خاں کے قید ہونے پر جیسا کہ میں پہلے باب میں لکھہ چکا ہوں۔ بمبلغ پچیس ہزار روپیہ سردار اعظم خاں کے پاس ہندوستان میں بھیجا تھا۔ اسکی بطن سے صرف ایک بیٹی شاہ بوجہان امیر صاحب کی چھوٹی بہن پیدا ہوئی جو چار پانچ سال گذرے ہیں امیر عبدالرحمن خاں نے کابل سے خارج کر کے ہندوستان کو بھیجدی تھی جہاں پہلے سے اُسکا شوہر پناہ گزین ہے اور ایا سال کے بعد پھر منگوالی اسکی وجہہ صرف یہہ تھی کہ امیر صاحب کو شبہہ ہوا تھا کہ شہزادہ حبیب اللہ خاں اُسکے مکان پر دو تین مرتبہ گیا تھا۔ سردار افضل خاں کی ان دو بیٹا بیٹی کے سوا اور کوئی اولاد نہ تھی بہرحال بی مروارید افغانستان کی زبردست عورتوں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔

مروارید نے نہایت خشمناک ہو کر کہا کہ تمہارے وزیروں کی ڈاڑھی میں پیشاب کیا۔ یہہ تمنے کیا حرکت کی ہے۔ سردار صاحب نے کہا کہ وہ واقعی دیوانہ ہے۔ میں نے اسلیئے اُسے قید کر رکھا ہے کہ کسیکو مار نہ دے۔ بیوی مروارید نے جو اپنے شوہر پر خوب حاوی تھی حکم دیا کہ سردار عبدالرحمن کو فوراً رہا کر کے لاؤ۔ جب عبدالرحمن خاں کو رہا کر کے حرم سرائے کے دروازہ پر لائے تو اُسنے حرم سرائے میں قدم رکھنے سے انکار کیا اور کہا کہ میں دیوانہ ہوں سڑی اور سودائی کا ہو شمندوں کے سامنے کیا کام۔ جب عبدالرحمن کا جواب حرم سرائے میں پہونچا تو بیوی مروارید نے کہا دیکھ سردار تیرا بیٹا کیسا ہوشیار اور زیرک ہے۔ بھلا کبھی دیوانہ بھی ایسی تدبیر کرتا ہے۔ اُس وقت سردار فضل خاں کو یقین ہوا کہ میں غلطی پر ہوں۔ بیوی صاحبہ نے فوراً خلعت فاخرہ عبدالرحمن کے لیئے ارسال کیا۔ اور حمام سے فارغ ہو کر عبدالرحمن خاں اپنی ماؤں کی خدمت میں سلام کے لیئے لائے گئے۔ بیبیوں نے جس وقت عبدالرحمن کی صورت دیکھی تو اُنہیں ماندسا چرھ گیا۔ بلائیں لینے لگیں اور نذر کے روپیہ اس نور بصر کے اوپر سے تصدق کر کے غربا کو تقسیم کیا۔

عبدالرحمن کے دشمنوں نے جب دیکھا کہ دوسرا وار بھی خالی گیا تو وہ ایک اور چال چلے۔ سردار فضل خاں کو سمجھانے لگے کہ چشم بد دور آپکا صاحبزادہ اب جوان ہوا ہے۔ اُسکو بیکار نہیں رکھنا چاہیئے۔ کوئی خدمت اُسکے سپرد کرنی چاہیئے۔ فضل خاں نے پوچھا کہ کیا خدمت سپرد کیجائے تو اُنہوں نے عبدالرحمن کی شجاعت ملاوری اور شہسواری کی حد سے زیادہ تعریف کی اور کہا کہ اس سے بہتر کوئی شخص غنیم کی سرکوبی کے لیئے نظر نہیں آتا۔ سردار فضل خاں پھر اپنے مصاحبوں کے بہکے میں آگیا اور عبدالرحمن خاں کو جرنیل کا خطاب دیکر علاقہ قطغن کیطرف روانہ کیا جہاں کی رعایا میں اندرونی شورش برپا تھی۔ عبدالرحمن خاں کے قطغن کیطرف

قطغن پر فوج کشی

شیخ محمد میرزا خان مرحوم

روانہ کرنے میں اُسکے دشمنوں کی یہہ غرض تہی کہ یا تو یہہ باغیوں کی لڑائی میں مارا جاویگا اور یا اوزبک اُسے قید کر کے غلام بنا کر بیچ ڈالیں گے۔ مگر سچ ہے کہ ع خدا شرتے برانگیزد کہ خیرما دراں باشد + خدا کے فضل و کرم سے عبدالرحمن مظفر و منصور واپس آیا۔ لاریب جب خدا مہربان ہو تو شور بختوں کی صد سے مقبلوں کو کچھ نقصان نہیں پہونچ سکتا۔

جب باغیوں کا قرار واقعی قلع قمع کر کے عبدالرحمن خاں واپس آیا تو باپ نے نہایت محبت سے گلے لگایا۔ زر نثار و سپید اُسکے سر پہ سے نثار کیا اور کہا بیٹا مجھے خبر نہیں تہی کہ تو ایسے رستم ہے اور تمہاری شجاعت لوگوں کی آنکھ میں کانٹا ہو کر کھٹک رہی تہی۔ نوجوان سردار کی اس فتح کا چار دانگ طرف شہرہ ہو گیا اور اُسکے مخالف کے دل پر ایسا رعب چھایا کہ پھر اُنکو مخالفت کا حوصلہ نہ پڑا۔ یہہ وہ زمانہ تہا کہ جبکہ امیر شیر علیخاں نے جُل دیکر سردار افضل خاں کو قید کر لیا اور کچھ مدت بعد عبدالرحمن خاں نے مردانہ وار اپنے باپ کو قید سے رہا کر کے سردار افضل خاں سے امیر افضل خاں بنایا تھا۔

باب سوم

انقلاب

دوسرا باب ایک جملہ معترضہ سمجھنا چاہیئے جسمیں امیر صاحب کے بچپن کے چند متفرق حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ اب میں پھر اصل سلسلہ واقعات کی جانب متوجہ ہوتا ہوں کہ جسمیں نوجوان عبدالرحمن نے شروع ہی سے کابل کی تاریخ بنانے میں بہت بڑا حصہ لینا شروع کر دیا تہا +

اگرچہ امیر افضل خاں اپنے بیٹے اور بھائی کی ہمت اور بہادری سے قید سے نکلکر

والی کابل ہوگیا۔ مگر سر جان لارنس نے جو اندنوں گورنر جنرل ہند تھے اُنہی بجائے امیر افغانستان کے صرف والی کابل لکھنے پر اکتفا کیا۔ وہ خط بجنسہ حسب ذیل ہے:-

"یہ ہمارا فرض ہے کہ آپکو آگاہ کردیں کہ موجودہ صورت میں ہماری شہرت اور حمیت سے بعید ہے کہ ہم امیر شیر علیخاں سے بگاڑ پیدا کریں۔ وہ ابھی تک قندھار اور ہرات پر قابض ہے جو افغانستان کا بڑا حصہ ہے۔ مشفق من تمکو واضح ہو کہ ہماری گورنمنٹ کا تعلق اصلی والی افغانستان سے ہے۔ اگر خدا تمہیں توفیق دے اور تم تمام افغانستان کے مالک ہو کر انگریزوں کے خیر خواہ اور ہوا خواہ دوست بنے رہو تو ہم فوراً تمہیں اپنا دوست قبول کرلیں گے۔ مگر موجودہ حالت میں ہم امیر شیر علیخاں سے رابطہ اتحاد و دوستی قایم ہے توڑ نہیں سکتے اور اُسے اُس حصہ کا جائز والی تسلیم کرتے رہینگے جسپر کہ وہ حکمران ہے۔ صداقت نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم صاف صاف الفاظ تمہارے پاس لکھکر بھیجدیں"۔

امیر افضل خاں کی مدہوشی اور سردار اعظم خاں کے قبضہ میں ہونا

اِن دنوں میں اگرچہ امیر افضل خاں کابل کا حکمران تھا مگر دراصل وہ برائے نام امیر تھا۔ تمام سیاہ و سپید کا مالک سردار اعظم خاں تھا۔ جسے افضل خاں نے اپنا وزیر مقرر ہوا تھا۔ اعظم خاں کو امیر افضل خاں نے اسقدر سر چڑھا یا ہوا تھا کہ اُسکے مشورہ کے بغیر کچھ کام نہ کرتا تھا۔ معمولی باتوں میں بھی اُسکی صلاح لیتا تھا یہانتک کہ خود امیر افضل خاں تو بالاحصار کے اوپر ایک مکان میں مقیم تھا اور امیر دوست محمد کے اعلےٰ درجہ کے مکانات اور محلات سردار اعظم خاں کے قبضہ میں تھے۔

سردار عبدالرحمن یہ حال دیکھکر اندر ہی اندر کڑھتا تھا مگر اُسے کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ اُسنے ایک دفعہ والد بزرگوار کو سمجھنا چاہا مگر والد نے اُسکی طرف توجہ نہ کی۔ ناچار وہ خاموش ہو رہا اور بطور ایک مہمان کے قلعہ بالاحصار

باغ میں رہنے لگا۔ کبھی کسی فوج کو دیکھ لیا کرتا تھا۔ ورنہ روز و شب باغ میں ہی رہتا تھا۔ جب سردار اعظم خاں نے کاروبار سلطنت سنبھال لیا تو سپہ افضل خاں شراب خوری اور آرام طلبی کے ہاتھ بک گیا۔ ترکی میں ایک مثل ہے کہ "شراب اعتدال سے پیو تاکہ تم شیروں سے جنگ کر سکو اور اتنا مت پیو کہ کتے آکر تمہاری آنکھیں نکال لیں" مگر افضل خاں نے اس مثل کی کچھ پرواہ نہ کی اور ہر وقت نشہ میں چور رہنے لگا۔ یہ شعر گویا اُنکا تکیہ کلام ہو گیا تھا ؎

شراب کہنہ کہ روشن گر دل من است
مصاحب من و پیر من و جوان من است

سردار افضل خاں یہانتک نشہ میں غین رہنے لگا کہ جب سہ پہر کے چار بجتے تھے تو اُسکو سر و پا کی ہوش نہ رہتی تھی اور اس قابل نہ رہتا تھا کہ حرم سرائے سے باہر آسکے۔ امیر کا تو یہ حال تھا اور وزیر نے سخت گیری ظلم جبر اور تعدی شروع کر دی۔ ذرہ ذرہ سی بات پر لوگوں کا گھر بار لوٹنا اور مال و اسباب ضبط کر لینا تو اُسکے بائیں ہاتھ کا کرتب ہو گیا۔ لوگوں سے جبراً قرض لینا تھا اور اگر وہ عذر و حجت کرتے تو انہیں ذلیل اور رسوا کرتا تھا۔

محمد رفیق۔ ماما جان ۱۲

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ محمد رفیق خاں پر آپ ناراض ہو گئے۔ یہ وہی شخص ہے جو انگریزوں کا ہوا خواہ تھا اور انگریزوں کے پاس ایبر شہر علیخال کی طرف سے سفیر بن کر گیا تھا۔ ناراض آپ اس شبہ پر ہو گئے۔ کہ وہ انگریزوں سے ملا ہوا ہے اور اُسی کی شرارت سے سر جان لارنس نے سفیر بجائے "امیر افغانستان" کے "والی کابل" لکھکر سردار افضل خاں کی سخت تحقیر کی ہے۔ اُس بیچارہ نے ہر چند واویلا کی کہ میں بیگناہ ہوں مگر کون

سنتا تھا۔ اگست ۱۸۶۶ء میں اعظم خاں نے محمد رفیق کو پکڑا کر شارع عام میں
گلا گھونٹ کر مار دیا۔ مگر اسپر بھی جبر نہ کیا۔ اُسکا گھر بار بھی لوٹ لیا اور اُسکی
عورتوں کو ننگے سر بازاروں میں تشہیر کیا۔ پھر اُس مظلوم کی نعش کو کابل
کی سڑکوں میں پھینکا گیا۔ اعظم خاں نے صرف محمد رفیق ہی کا یہ حال نہیں کیا
بلکہ قریب ڈیڑھ سو کے معزز سردار پکڑ دیئے۔ اور اُنمیں سے چند ہی زندہ قید خانہ
سے برآمد ہوئے۔ اعظم خاں نے جفا و جور کا بازار گرم کیا ہوا تھا اور افضل خاں
نشۂ شراب خانہ خراب میں مبتلا و فیہا سے مدہوش تھا مگر شیر علیخاں دن رات
اِس فکر میں تھا کہ کسی طرح پھر کابل کو فتح کرے۔ وہی شریف خاں جسنے کجباز
پر سردار محمد علی متوفی کے ہاتھہ سے شکست کھائی تھی۔ اب اپنی حرکت
پر پشیمان ہو کر شیر علی خاں سے آملا تھا۔ اِس وقت
بقول انگریز مورخان کے قندہار کے سا ہوکاروں نے امیر

امیر شیر علیخاں کا
کابل پر چڑھنا

۱؎ محمد رفیق کے قتل کے دردناک واقعہ کو بھی میں ایک شخص کی زبانی لکھتا ہوں جو اِس مصیبت
کے گاہ گھٹے جانے کے وقت پاس موجود تھا۔

سردار شاہنواز خاں پسر سلطان جان اور سردار جلال الدین خاں پسر سردار اکبر خاں نے سردار اعظم خاں سے
شکایت کی تھی کہ محمد رفیق لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرتا ہے چنانچہ ایک روز صبح کی نماز کے وقت
محمد رفیق خاں سردار اعظم خاں کے سلام کے لیئے دربار میں حاضر ہوا۔ یہ دربار امیر دوست محمد خاں کی
خواب گاہ میں لگا ہوا تھا جانے سامنے رکھہ کر سردار اعظم خاں پاس سے اُٹھہ گیا اور اُنہی شاہنواز خاں
خواصی ہاتھہ میں پھانسی کی رسّی لیئے ہوئے داخل ہوا۔ محمد رفیق خاں نے دریافت کیا کہ یہ رسّی
مجھہ پھانسی دینے کیلیئے لائے ہو۔ اُسنے کہا ہاں۔ محمد رفیق خاں نے کہا کہ مجھہ غسل کرکے پاک ہونیکی
مہلت دو۔ اِسپر شہباز خاں نے گلے میں رسّی ڈالدی اور دو آدمیوں نے دونوں طرف سے کھینچکر اسکا
گلا گھونٹ دیا۔ ابھی جان نہیں نکلی تھی کہ سردار محمد اسمٰعیل خاں اور سردار محمد امین خاں نے پیشقبض
ایک پیش قبض اسکے پیٹ میں گھونپ دی کہ تمنے مجھہ کابل قندہار کے رستہ میں کہا تھا کہ تمہارے باپ
کے منہ میں پیشاب کیا۔ اِس بیجا بدکا بدلہ پیشاب پاخانہ ہے۔ مرزا بابا جان میر ہو گئیں اِسکی جائداد ضبط کی
گئی اور اسکے مکان سے علاوہ دیگر اسباب کے چار ہزار روپیہ نقد ملا۔ لاش کو پاخانوں میں پھینکے یا گیا۔
اور ملاؤں نے غسل دیکر دفن کر دیا۔ (مجموعہ عالم)

شیر علیخاں کو ایک لاکھ روپیہ اس واسطے قرض دیا تھا کہ تم کابل پر چڑھائی کرکے قسمت آزمائی کرو۔ غرض امیر نے بڑی ہمت کرکے ایک ہزار سوار بہم پہونچائے اور ۲۵ دسمبر ۱۸۶۶ء کو کابل کیطرف روانہ ہوا۔ ادہر سے سردار عبدالرحمن خاں اور وزیر اعظم خاں اُسکے مقابلہ کے لیئے بڑھے۔ امیر شیر علی نے بڑی دلاوری سے مقابلہ کیا مگر شکست و فتح نصیبوں سے ہوتی ہے۔ ۱۱ جنوری ۱۸۶۷ء کو امیر شیر علیخاں کا لشکر ہزیمت کھا کر پسپا ہوا۔ اور وہ خود ہرات کیطرف بھاگ گیا اور فتحیابوں نے قندہار پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس فتح کی نسبت امیر عبدالرحمن خاں نے ایک جگہہ یوں لکھا ہے:۔ "خدا ہماری طرف تھا اسلیئے امیر شیر علی پھر شکست یاب ہوا اور میری فوج نے ۱۸۶۷ء کے موسم خزاں میں قندہار پر قبضہ کر لیا"۔

اسکے بعد ۲۵ فروری ۱۸۶۷ء کو سر جان لارنس نے ایک اور خط امیر افضل خاں کے نام لکھا جسکا مضمون بمفصلہ ذیل ہے۔ سر جان نے لکھا:۔

افغانستان کے دو امیر

"مشفق من۔ مجھنے اپنے پہلے خط میں آپکو لکھا تھا کہ ہم اُسکے دوست ہیں "جو واقعی والی افغانستان ہو۔ مگر جب تک امیر شیر علی ہرات پر قابض "ہے اور ہماری دوستی پر کمربستہ ہے۔ ہم اُسے بگاڑ نہیں سکتے۔ بلکہ اُسی "اصول پر ہم آپکو بھی امر کابل و قندہار تسلیم کرنے پر مستعد ہیں اور اسی "حیثیت میں ہم سرکار انگلشیہ کی خیر خواہی کا تمہاری نسبت اظہار "کرتے ہیں"۔

اس خط میں سر جان لارنس نے جیسا کہ پہلے خط میں تھا سردار افضل خاں کو والی کابل نہیں لکھا تھا بلکہ امیر کابل و قندہار لکھا تھا جس پر خطاب کی علم خاں کو سخت نشاتی

ف یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکتی کہ جبکہ بجز لاکھ محاصل کا علاقہ مرغ اندخوی قندہار اور ہرات و غلات وغیرہ اسکے قبضہ میں ہے۔ پھر اسکو ایک لاکھ فرضی کیا ضرورت تھی۔ لاکھ روپیہ سے تو ہم کچھ حقیقت نہیں رکھتا

کہتے ہیں کہ ایک دن عبدالرحمن خاں نے اپنے والد اوپچا کو لکھا کہ انگریز دوستی کے پکے ہوتے ہیں تم خط و کتابت کرکے اُنسے سلسلہ یگانگت قائم کرو۔ اِس پر اعظم خاں نے تند ہوکر جواب دیا کہ راولپنڈی میں مجھے انگریزوں نے بہت تنگ کیا تھا وہ کم ظرف ہیں ایسے لوگوں سے دوستی روا نہیں ہے فیض خاں خود تو صم بکم تھا مگر اُسنے اپنی بھائی کی تائید کی۔ اور عبدالرحمن خاں سے سوائے خاموشی کے اور کچھ بن نہ آیا۔

فیض محمد خاں سے جسنے ۱۸۶۵ء میں عبدالرحمن خاں کی بخارا سے آتے ہوئے مدد کی تھی۔ عبدالرحمن نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر کابل مجھے ملا تو ترکستان تمہارا ہے۔ اب کابل لینے کے بعد اعظم خاں نے فیض محمد خاں کو لکھا کہ تمہارے ماتحت ہو مالیہ ہمیں بھیجا کرو۔ نیکو تنخواہ بھیجا کیجئی اُسنے جواب دیا کہ مجھ سے عبدالرحمن خاں نے اُس کٹھن وقت میں عہد کیا تھا کہ ترکستان تمہیں دونگا۔ میں بخارا سے بلا کر تمہارے پاس بھیجا ہے جب یہ پیغام کابل میں پہنچا تو اعظم خاں نے ولی محمد خاں برادر فیض محمد خاں کو قید کر لیا اور عبدالرحمن خاں سے کہا کہ تم فیض محمد خاں پر چڑھائی کرو عبدالرحمن خاں کو اپنا عہد یاد آگیا اور کہا کہ میں عوض اُسپر لشکر کشی نہیں کرتا۔ اگر وہ کابل پر چڑھ آیا تو اُس سے لڑونگا وزیر اعظم خاں یا اُسکا بیٹا سردار جان اُسکے مقابل میں جائیں اِس اثنا میں فیض محمد خاں امیر شیر علی سے جا ملا جو شاہ ایران سے اور روسیوں سے امداد طلب کر رہا تھا۔ اِنہوں کثرت مے نوشی سے امیر افضل خاں بستر مرگ پر لیٹا ہوا تھا عبدالرحمن خاں اُسکے پاس گیا اور کہا کہ آپ مجھے اپنا ولیعہد مقرر فرمائیں مگر کثرت مے نوشی سے افضل خاں کے حواس بجا نہ تھے۔ اُسنے بھی جواب دیا کہ اعظم خاں قندہار میں ہے اُسکے آئے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اِس واقعہ کے ایک دن بعد اعظم خاں نے نہایت وحشیانہ طور پر عبدالرحمن خاں کو لکھا کہ میں جانتا ہوں تمہارا باپ بیمار ہے لیکن وہ حالت نزع میں ہے اور

اعظم خاں کے باقی کارنامے

تم مردے کو نہیں جلا سکو گے کیونکہ نہیں غنیم کی سرکوبی کے واسطے آتے۔ ناچار

عبدالرحمن خاں کا شیر علیخاں اور فیض محمد سے مقابلہ

عبدالرحمن باپ کو بیمار چھوڑ کر دشمن کے مقابلہ پر روانہ ہوا۔ اس واقع کی نسبت امیر عبدالرحمن خاں یوں تحریر کرتا ہے۔ "ناچار باپ کو بیمار چھوڑ کر میں دشمن کے مقابلہ کے لیئے روانہ ہوا۔ اور میرا مقابلہ امیر شیر علی اور فیض محمد کی فوج سے درہ پنجسر پر ہوا۔ لڑائی تمام رات ہوتی رہی علے الصبح فیض محمد ہماری توپوں کا نشانہ ہوگیا اور شیر علی ہرات کو بھاگ گیا۔" امیر عبدالرحمن نے بلخ پہنچکر امیر قبضہ کر لیا اور سب جگہ اپنا تسلط ٹھہرایا۔ یہہ لڑائی ۱۳ ستمبر ۱۸۶۴ء کو ہوئی اور شروع اکتوبر میں عبدالرحمن خاں کابل آیا۔ اعظم خاں قندہار سے پہلے ہی کابل آچکا تھا اور اسنے کہا کہ اب مردہ میں جان ڈالنا ناممکن ہے۔ واقعی افضلخاں کی بیماری کثرت مے نوشی سے حد علاج سے گذر چکی تھی چنانچہ عبدالرحمن کے کابل پہنچنے سے تین دن بعد وہ جاں بحق تسلیم ہوا۔ امیر افضل خاں نے سوا[1] ماہ تک کابل میں حکومت کی اور جب اسنے وفات پائی تو اسکی عمر ۵۶ چھپن سال کی تھی۔ ہر چند کہ مدت حکومت بہت قلیل ہے۔ لیکن تاریخ میں افضل خاں افغانستان کا دوسرا امیر شمار ہوتا ہے۔

سردار افضل خاں کا انتقال

امیر افضل خاں کی وفات کے بعد سردار عبدالرحمن خاں کو امید تھی کہ لوگ مجھے امیر بنائینگے۔ کیونکہ امیر مرحوم کا میں ہی بیٹا اور جانشین ہوں مگر اسکے چچا اعظم خاں کا رسوخ زبردست تھا اور بیوی مروارید ہی اسکی طرف تھی۔ اسنے عبدالرحمن کو بلا کر کہا کہ تمہاری مال سردار اعظم خاں کے مقابلہ میں نہیں گلنے کی۔ بہتر ہے کہ تم دعوئے تخت نشینی سے دست بردار ہو جاؤ۔ ایک دوسرا بیان ہے کہ اعظم خاں نے علیحدہ ہو کر عبدالرحمن سے کہا کہ مجھے کچھ عذر نہیں تم تخت و تاج سنبھالو۔ لیکن عبدالرحمن نے دانائی سے یہ عطیہ نامنظور کیا۔

[1] بقول دیگر ۱۷ ماہ سال افضل خاں کی اور ڈیڑھ اعظم خاں کی کل ملا کر چار سال ہی ۱۲

اُسنے خود اعظم خاں کو دربار عام میں تخت پر بٹھایا اور شمشیر امارت اُسکی کمر میں باندھی اور اپنے لیئے منصب سپہ سالاری پسند کیا۔[1] ایک تیسرا بیان جو مجھے زبانی ملا ہے یہہ ہے کہ سردار عبدالرحمن خاں نے اپنے باپ کی دستار عصا اور تلوار سردار اعظم کو اپنے ہاتھہ سے سپرد کرکے کہا کہ میرے باپ کی ہیں اور میں تمکو اپنے باپ کی بجائے سمجھتا ہوں اور میں خود اپنے باپ کی ریاست میں بلخ کو چلا جاتا ہوں۔

جب افضل خاں کا چالیسواں ہو چکا تو عبدالرحمن خاں کے دل میں یہہ سمائی کہ شیر علیخاں کو بالکل نیست و نابود کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ یہ عزم کرکے وہ پھر ہندوکش سے گذرا۔ جب شیر علیخاں کو اُسکے آنے کی خبر ہوئی تو وہ ہرات کو چلا گیا۔ اور عبدالرحمن اکشہ اور میمنہ پر حملہ آور ہوا۔ اور اول الذکر جگہہ کے دو سرداروں کو زندہ دفن کر دیا تاکہ لوگوں کے دلوں میں اُسکی دہشت بیٹھہ جائے۔ میمنہ میں اُسے خاطر خواہ کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ وہاں کے حاکم نے قلعہ بند ہوکر شرائط منظور کرلیں اور عبدالرحمن کے ہاتھہ بہت سا روپیہ اور ایک جہانگیر کے وقت کی توپ آئی جو اُس وقت ایک قابل قدر تحفہ سمجھی جاتی تھی۔ وہاں سے عبدالرحمن تخت پل کو چلا گیا۔

امیر عبدالرحمن خاں نے اپنی توزک میں لکھا ہے کہ جب میں تختہ پل میں تھا تو میرے پاس روسی ایلچی بخارا سے آئے۔ ظاہرا تو وہ ماتم پرسی کو آئے مگر دراصل اُنکا مطلب یہہ تھا کہ مجھہ سے روسیوں کے مقابلہ کے لیئے بارہ ہزار سوار لیوں مگر میں اُنکی بات کو نہ مانا اور کہا کہ میرا ارادہ روسیوں سے دوستی قایم رکھنے کا

[1] البتہ عبدالرحمن خاں نے ایک انگوٹھی چاندی کی اپنے باپ کی اپنے پاس رکھلی اور وہ اب تک امیر عبدالرحمن خاں کے پاس ہے کہ جسکو وہ اپنے مہر کے ساتھہ پاکٹ میں رکھتے ہیں۔ اور اسمیں بہت چھوٹا سا نگینہ لگا ہوا ہے جسپر افضل خاں کا نام کندہ ہے۔ امیر صاحب کہا کرتے ہیں کہ باپ کی جائداد سے مجھے فقط یہہ چیز ملی ہے۔ ۱۲

ہے۔ لیکن دوسرا مورخ لکھتا ہے کہ عبدالرحمن نے حاکم بخارا سے مدد کا اقرار کیا مگر ساتھ ہی اسکے یہہ بھی کہا کہ جب تک میمنہ فتح نہ ہو لے میں مدد نہیں دیسکتا سردار عبدالرحمن خاں تو میمنہ کے بکھیڑے میں گرفتار رہا۔ ادہر امیر شیر علیخاں کو موقع ملگیا۔ اُسنے اپنے لایق بیٹے سردار یعقوب خاں کو قندہار فتح کرنیکے لیئے روانہ کیا۔ کابل میں اعظم خاں سے لوگ خوش نہ تھے رعایا اُسکی سخت گیری اور ظلم کے باعث اُس سے نفرت کرتے تھے۔ امیر شیر علیخاں تو کابل لینے کی فکر میں شب و روز غلطاں و پیچاں تھا اور اعظم خاں ایک شخص مسمی رومی سید سے جو قسطنطنیہ کا باشندہ تھا اور جسے لوگ روس کا جاسوس سمجھتے تھے مشوروں میں مشغول تھا جب شیر علیخاں ہرات سے فیروزکشی کرکے غزنی میں داخل ہوگیا تو اُسکی آنکھ کھلی اور کابل سے غزنی کو روانہ ہوا اور ساتھ ہی عبدالرحمن خاں کو لکھا کہ محمد اسمٰعیل پسر امین خاں کو ہماری کمک کو بھیجو اور خود بھی جلد پہنچو۔

محمد اسمٰعیل جب آیا تو کابل کو خالی دیکھکر وہیں اکڑ بیٹھا اور غزنی کو نہ گیا۔ عبدالرحمن خاں شیخہ پل سے روانہ ہوا اور بامیان سے گزر کر غزنی کیطرف آیا۔ جنرل نصیر خاں کو جو اعظم خان کی کل فوج کا کمانڈر تھا حکم دیا گیا کہ راستہ کی قلعبندی کرکے فوج بھلادی۔ مگر اُس بیفکرے نے شراب پیکر توپوں کے گھوڑے آٹھ کوس آگے بھیجدیئے اور خود رات بھر افغانی عیش و عشرت میں مشغول رہا۔

میدان غزنی میں امیر شیر علیخاں اور سردار عبدالرحمن خاں

طلوع آفتاب کے وقت عبدالرحمن خاں اوس مورچہ پر پہنچا جہاں محمد خاں فرزند خاں اور پروانہ خاں وغیرہ موجود تھے۔ عبدالرحمن نے دریافت کیا کہ تمنے توپیں کہاں لگائیں۔ نصیر خاں نے کہا کہیں نہیں اب بھاگا ہوگا۔ عبدالرحمن خاں نے کہا گھوڑے کہاں ہیں۔ لوگوں نے بتلایا وہ تو آٹھ کوس آگے بھیج دیئے گئے ہیں۔ اُسنے کہا دشمن سر پر آگیا۔ اب کیا کیا جاوے۔ سلطنت چلی جاویگی۔ نصیر خاں

نے کہا کہ میں سلطنت ایسی تیسی میں مجھے کیا۔ یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دشمن کیطرف سے سرور خاں شاہ خاسی کا باپ پانچ سو سوار سمیت سر پر آپہنچا اور یہ سب اپنی اپنی جان لیکر نتر بتر ہوگئے۔

جب امیر شیر علیخاں کابل آیا تو اسمٰعیل خاں نے فوراً کابل اُسکے حوالہ کر دیا۔ اور ۱۱ ستمبر ۱۸۶۸ء کو امیر شیر علیخاں نقارہ فتح و ظفر بجاتے کابل میں داخل ہوگیا۔ سر جان لارنس نے فوراً تہنیت نامہ ارسال کیا اور لکھا کہ یہ فتح تمہیں نصیب ہوئی ہے محض تمہاری شجاعت۔ لیاقت اور استقلال کا نتیجہ ہے علاوہ اس تہنیت نامہ کے گورنر جنرل نے چھ لاکھ روپیہ نقد اور تین ہزار پانچسو بندوقیں امیر شیر علیخاں کو ارسال کیں۔

کابل امیر شیر علیخاں کے قبضہ میں۔

اس شکست کے بعد اعظم خاں خستہ و خراب ہوتا ہوا مشہد مقدس کو چلا گیا اور وہیں بیکسی اور گمنامی کی حالت میں اُسنے قضا کی۔ مگر عبدالرحمن خاں جنگلوں میں مارا مارا پھرتا اور بیحد سختی اور تکلیف اٹھاتا ہوا بے سر و سامانی کی حالت میں وزیرستان میں جا پہونچا وہاں سے اُسنے انگریزوں سے پناہ مانگی۔ اُن دنوں لارڈ میو گورنر جنرل تھے۔ یہاں سے یہہ جواب گیا کہ اگر تم ہندوستان میں آتے ہو تو بیشک آؤ مگر شرط یہہ ہے کہ پھر تمہیں حدود ہندوستان سے باہر جانیکی اجازت نہ ہوگی۔ اس شرط کو عبدالرحمن خاں نے منظور نہ کیا اور بخارا کیطرف چلا گیا۔

سردار اعظم خاں مشہد کو اور سردار عبدالرحمن خاں بخارا کو بھاگ گئے۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ سردار اعظم خاں شکست کھا کر مشہد کیطرف چلا گیا اور وہیں گمنامی کی حالت میں اُسنے قضا کی۔ ایک اور مورخ لکھتا ہے کہ بیچارہ مشہد

لہ سنا گیا ہے کہ یہی نصیر خاں تھا جسے عبدالرحمن خاں مرحوم کی مدت میں ہی جو حرم سرا کے خادم تھے کے عمل انتظام کا منتظم تھا۔ امیر صاحب اسکی عزت کرتے ہیں کیونکہ یہ فنون جنگ میں انکا استاد مشہور ہے۔ ۱۲

ٹ یہ بیان بھی بالکل غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ غزنی سے وزیرستان اتنی دور ہے کہ جہاں تک ایسی بے سر و سامانی اور دشمن کی سلطنت کے بیچ میں سے پہونچنا مشکل ہے۔ ۱۲

بھی پہنچنے نہیں پایا بلکہ شاہ پور دونک ہی گیا تھا کہ ۲۔ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو بے سروسامانی کی حالت میں جان دی۔ سر جان لارنس کا قول ہے کہ اگرچہ اعظم خاں کا چچیرا بھائی افضل خاں سے بہتر تھا مگر وہ حکومت کے ناقابل تھا اور اسمیں نبرد آزمائی کی لیاقت اور قابلیت نہ تھی۔

باب چہارم

جلاوطنی

غزنی کے میدان نے جب سردار عبدالرحمن اور سردار اعظم خاں کی قسمتوں کا فیصلہ کر دیا تو جان بچانے کی گھبراہٹ میں جدھر کسیکا منہ آیا چلدیا۔ امیر عبدالرحمن خاں نے ہزیمت غزنی کے بعد کی سرگذشت کابل میں لوٹکر اس طرح تبلائی تھی جو گوزبانی میرے پاس پہنچی ہے۔ مگر چونکہ واقعات قرین قیاس ہیں۔ اور راوی[1] معتبر آدمی معلوم ہوتا ہے جو مدت تک امیر صاحب کی مصاحبت میں رہا ہے۔ اسلیے بجنسہٖ اس کیفیت کو ذیل میں درج کرتا ہوں۔

---

[1] اس شخص کا نام شیخ محمد حسن خاں جدید الاسلام ہے جو دراصل باشندہ ضلع راولپنڈی کا ایک سکھ تھا۔ اسکو امیر عبدالرحمن خاں نے اپنی زبان سے کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا اور اسکی بیوی اور دو بیٹیوں کو امیر صاحب کے حرم سرا نے کلمہ پڑھا کر مسلمان بنایا۔ امیر صاحب اس شخص پر بے حد مہربان تھے۔ یہ بچہ اپنے باپ کے کئی سال امیر صاحب کے باپ کی خدمت میں بسر کئے۔ اور یہ شخص خود بھی چار سال جلاوطنی سے پہلے اور چودہ سال سلطنت کابل اختیار کرنیکے بعد انکی خدمت میں رہا۔ وہ ہمیں اسکو معزز رتبہ ملا ہوا تھا اور امیر صاحب اسکو برادر دینی کہا کرتے تھے۔ کہ ایک مرتبہ نواب افضل خاں سابق سفیر انگریزی متعینہ کابل خاں ڈپٹی کمشنر گجرات سے ملنے قلعہ شمشتاں کے پاس گھوڑی سے اُتر کر مصافحہ کیا۔ یہ خبر جیسا کہ اور ہر ایک خبر کابل کے امیر صاحب کے پاس پہنچ جاتی ہے انہیں پہنچ گئی اور انہوں نے اسکا مال اسباب ضبط کر کے معہ زن و بچہ ہندوستان کو بھیجدیا۔ مگر کئی سال بعد اب شیخ محمد حسن کا صرف قصور معاف کیا ہے ۱۲

امیر صاحب لکھتے ہیں۔

"جب غنیم کی فوج مقام غزنی میں ہمارے سر پر پہونچ گئی تو میں بھاگا۔ اس وقت میرے ساتھ صرف جان محمد خاں (غلام بچہ) تھا جسکی عمر شائد بارہ تیرہ سال کی تھی اُس وقت ایسی کہل بلی پڑ گئی کہ ہم رستہ بھول کر بے آب و علف جنگلوں میں بھٹکنے لگے۔ اِس طرح ہم خراب ہوتے ہوتے بیس کوس پر چلے گئے۔ وہاں پروانہ خاں (غلام جو نائب سالار کابل رہچکا ہے) اور اب مرگیا ہے۔ اور فرامرز خاں بھی (جو سپہ سالار ہرات رہچکا ہے اور اب مرگیا ہے) ہم سے آملے۔ دوسرے دن جب کوچ کیا تو قربان علی خان چاہ والا اور اور تیس چالیس سوار بھی آپہونچے۔ میں نے اُنسے دریافت کیا کہ چچا اعظم خان کا کیا حال ہے اور وہ کدہر گیا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ وہ مشہد کیطرف بھاگا ہے اور آپکی بخارا کیطرف جانے کی خبر تھی کہ ہم پوچھتے پوچھتے آپسے آملے ہیں۔ اسیطرح پانچ چھ روز میں دو اور آدمی کے قریب میرے ہمراہ ہوگئے مگر خرچ کی بڑی تنگی تھی۔ کسی کسی کے گھوڑے کی گردن میں جو پوزی میں سونے چاندی کا عراق تھا وہ بیچا گیا۔ اور جان محمد کی خورجی میں بالنوطلار کھا تھا۔ اِسی طرح قطع منازل و طے مراحل کرتے ہم ایک گاؤں میں پہونچے۔ اُس گاؤں کا مالک جو قوم کا اوزبک تھا مجھے آملا۔ اور اُسنے میری اور میرے کل سواروں کی دعوت کی۔ میرا حال دیکھکر بہت رویا اور پوچھنے لگا کہ اب کدہر کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا ارادہ تو ہمارا آگے کا ہے آگے جدہر قسمت لیجائے۔ پھر میں نے کہا کہ تمہاری بڑی شفقت ہوگی اگر کسی طرح مجھے سرحد بخارا میں پہنچادو۔ اُسنے رحم کھاکر ایک ہزار روپیہ گھر سے لاکر مجھے دیا اور کہا کہ اگر تم بادشاہ ہوگئے تو مجھے ادا کردینا ورنہ میں نے تمہیں بخشا۔ پھر اُسنے کہا کہ بخارا یہاں سے بیس روز کی راہ ہے۔ زادراہ ساتھ لیلو۔ راہ میں آزوقہ نہیں

غزنی سے بخارا تک مصائب سفر

لیگا۔ مینے اپنے واسطے مغز بادام قریب دس سیر انگریزی کے ایک خورجین میں ساتھ بندھوا لیئے۔ اور توکل برخدا اُس ملک کے ہمراہ ہو لیا۔ راہ میں ہمکو ایسے ایسے جنگل اور ریگستان ملے کہ کابل میں کبھی اُنکا نام بھی نہ سُنا تھا۔ ان ریگستانوں میں گھوڑے بمشکل جان پر ہوتے تھے۔ کسی کسی روز تو روٹی پکا بھی تھی اور کسی کسی روز آہو شکار کرکے کباب بنا کر کھا لیا کرتے تھے۔ کیونکہ آہو اُدھر بہت تھے۔ میں کوئی نصف پاؤ بادام کے مغز پانی میں بھگو کر چھلکا اوتار کر کھا لیتا۔ اور کباب آہو بھی کھاتا تھا۔ روٹی بہت کم کھاتا تھا۔ آخر اس قسم کی مصیبتیں جھیلتے ایک ماہ کے بعد سرحد بخارا میں پہونچے۔ اور یہاں ہمیں سب کچھ دستیاب ہونے لگا۔ بخارا میں پہنچکر مینے شاہ بخارا سے ملاقات کی۔ اُسنے مجھے ایک نفیس سرائے میں فروکش کیا اور مجھے کہا کہ تمہارے ساتھ کچھ کام ہی ہے۔ ابھی آگے نہ جاؤ بلکہ ایک ماہ یہاں ٹھہرو۔ پھر ایک دن شہر سے باہر مجھے تنہا طلب کیا کہ تمسے باتیں کرنی ہیں مجھے رات کو ایک مخبر نے خبر دی تھی کہ شاہ بخارا کا ارادہ تمہیں امیر شیر علیخاں کے حوالہ کر دینے کا ہے۔ کیونکہ اُسکا بیٹا تورا خاں باپ سے منحرف ہوکر سرحد کابل میں چلا گیا ہے۔ اور آجکل ایبٹ آباد علاقہ ضلع ہزارہ میں موجود ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں بھیجکر اپنے بیٹے کو منگالے۔ اپنا انتظام کرلو ورنہ شیر علی خاں تمہیں زندہ نہیں رکھیگا۔ اُدھر یہ اپنے بیٹے کو مار ڈالے گا جسوقت امیر تمہیں بلائے تم تنہا نہ جانا۔ مینے اس بات کو گوش ہوش سے سُنا اور صبح میں بمعہ اپنے تمام سواروں کے جو قریب دو سو کے مسلح جوان تھے امیر بخارا کے پاس گیا۔ جو شہر سے ایک منزل باہر خیمہ زن تھا۔ مینے خیمہ کے قریب تک اپنے آدمیوں کو لیجاکر سمجھا دیا کہ اگر مجھپر کسی نے ہاتھ ڈالا تو تمنے بھی یہیں مار کر ڈھیری ہو جانا۔ اور اگر ممکن ہو سکے تو مجھے

امیر بخارا سے مخلصی

چھوڑا لینا۔ امیر بخارا نے خیمہ سے باہر نظر ڈالی تو میرے سوار اور پیادے دیکھے
پینے چائے کے بعد کہا کہ آپنے جو مجھ سے گفتگو کرنی تھی اب کیجیئے۔ کیونکہ میں
اب بخارا سے سمرقند کیطرف جاتا ہوں۔ امیر بخارا نے دیکھا کہ مینے چکمہ نہیں کھایا
اور میرے ہمراہی دلیر افغان ہیں جو قیامت برپا کر دینگے۔ اسلئے کہا "برد
خدا حافظ" میں وہاں سے روانہ ہوکر سبز شہر کو گیا سبز شہر میں پہنچکر
اُس پاک کو کہ جسنے یہانتک ہمارا ساتھ دیا تھا رخصت کیا۔ اُس پیر مرد
نے جاتے وقت مجھے دعا دی اور رخصت ہوگیا۔ پھر میں سمرقند کو گیا۔ اور
روسی گورنر سے ملاقات کی۔ اُسنے میری بے سروسامانی دیکھکر ایک ہزار
روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ رفتہ رفتہ میرے پاس چار ہزار کے قریب
افغانوں کی جمعیت ہوگئی اور گذارہ مشکل ہونے لگا۔[1] اعظم خاں کا بیٹا
سرور خاں۔ محمد عیسیٰ خاں حاکم ترکستان۔ عزیز خاں شوہر بوجان (امیر صاحب کی
بہنوئی) و نصیر خاں جرنیل یہی منجملہ اوروں کے میرے پاس ہو گئے تھے آخر کار
آدمیوں نے صلاح کی کہ کہیں محنت مشقت کرکے شکم پُری کریں۔ کچھ تو وہیں
کام کرنے لگے۔ کچھ شاہ بخارا کے پاس جاکر ملازم ہوگئے۔ چند سال وہاں گذری
تھے کہ پھر قاضی قادر خاں نے مجھے وہاں سے نکلوا دیا۔ اور بہانہ یہ کیا کہ
امیر شیر علیخاں آتا ہے۔ وہاں سے میں تاشقند میں گیا۔ وہاں چند روز
ٹھہرا تھا کہ شاہ روس کا بہنوئی مع اپنی بیوی کے اُس علاقہ میں سیر کے لیئے
آیا۔ وہ میرے مکان میں مع اپنی بیگم کے میری ملاقات کو پہنچا۔ اسکی بیگم کو

وظیفہ روسی

[1] ایک شخص کی زبانی معلوم ہوا کہ اسوقت گذارہ کی تنگی کا یہ حال تھا کہ امیر صاحب نے جان محمد
خاں خزانچی مرحوم اور پروانہ خاں مرحوم دونوں غلام بچہ تھے تاشقند میں فروخت کر دیا تھا اور
جب اس وظیفہ پانیکے بعد انکی حالت اچھی ہوگئی تو انہیں واپس خرید لیا۔ چنانچہ ایسی ہی
جان نثاریوں کے صلہ میں کابل میں آکر امیر صاحب ان شخصوں کو دو دو تنخواہیں یعنی ایک ضرورت کی

اور دوسری کو مخدومت سابقہ دیتے رہے ۱۲

مینے اپنے حرم سرائے میں بھیجا۔ میری بیگم جہاندار شاہ اورنگ زیب کی لڑکی تھی جسکی ایک کنیز کے بطن سے شہزادگان حبیب اللہ خاں و نصراللہ خاں پیدا ہوئے۔ میری بیگم نے روسی بیگم کی بہت خاطر و تواضع کی اور ان لوگوں کی سفارش سے میرے وظیفہ میں تین ہزار روپیہ کا اضافہ ہوگیا۔ اسمیں سے میں ان لوگوں کو بھی روپیہ دیا کرتا تھا جو افغانستان سے میرے پاس آگئے تھے پھر جب اعظم خاں جاں بحق تسلیم ہوا تو اسکے بعض آدمی بھی بھیک مانگتے میرے پاس پہونچگئے اور مجھے انکا بھی گذارہ کرنا پڑا۔ میں شکار میں اپنا وقت گذارتا تھا اور جب موسم شکار کا نہ ہوتا تھا تو اپنی کوٹھی کے گرد کے باغ کو ٹھیک کرایا کرتا تھا میں کرسی پر بیٹھ جاتا تھا اور آدمیوں کو کہتا تھا کہ اسطرح پانی دو اسطرح کاٹو اس طرح چھانٹو۔ بعض اوقات اپنے ہاتھ سے بھی مٹی درست کیا کرتا تھا۔"

"انہیں ایام میں وہی نصیر خاں جرنیل پالنسو آدمیوں کا خط لیکر آپہونچا کہ تم کابل کو لوٹ آؤ۔ لیکن مینے دیکھا کہ وہ سب ایک ہی تخط کے لکھے ہوئے ہیں۔ اسلیئے مینے اسپر اعتبار نہ کیا۔ آخر وہ بعد ایک سال کے خفا ہو کر چلا گیا اور امیر بخارا کے پاس ملازم ہوگیا۔"

یہ حالات تو امیر صاحب کے اپنی زبان سے بیان کیئے گئے منسوب ہوتے ہیں اب میں اسپارہ میں ایک یورپین سورخ کی تحریر کو درج کرتا ہوں جو خالی از لطف نہیں ہے۔ اور اسمیں سے زیادہ تر ایام جلاوطنی کے حالات کی صراحت ہوتی ہے جس وقت امیر شیر علیخاں نے دوبارہ مسند کابل پر جلوس فرمایا تو اپنے مصاحبوں سے کہا کہ میں ایک چوبی پیالہ ہوں اور عبدالرحمن ایک کاسۂ چینی ہے میں چاہے سو بار زمین پر گروں مجھے کچھ آسیب نہیں پہونچیگا

اور وہ اگر ایکبار بھی زمین پر گرا تو ریزہ ریزہ ہوجائیگا۔ واقعی عبدالرحمن کی حالت اُس وقت ایسی ردی ہوگئی تھی کہ پھر اُسکے سرسبز ہونے کی کسکو امید نہ تھی جسوقت وہ غزنی سے جان بچاکر بھاگا تو بہت سے مصائب اُٹھاکر خیوا میں پہونچا۔ اندنوں خیوا کا حاکم سید محمد رحیم خاں تھا جو ۱۸۶۹ء میں خودمختار تھا۔ یہہ وہ شخص ہے جسپر روسیوں نے الزام لگایا تہا کہ اسنے کنوئیں خراب کردیئے ہیں اور اُنمیں زہر ڈلوادیا ہے۔ خیوا سے عبدالرحمن خاں بخارا کو گیا۔ امیر بخارا اُس وقت وہی مظفرالدین تھا لیکن اُسکی نیت میں فرق آگیا تھا اور اس وقت وہ امیر شیر علیخاں کا معاون ہوگیا تھا۔ اسلیئے دسمبر ۱۸۶۹ء میں عبدالرحمن خاں نے ایک خط جرنیل کاف مین کے نام علاقہ روس میں بھیجا۔ اُس خط کا مضمون یہہ تھا۔

روس سے استمداد

"آپکو معلوم ہے کہ ہمارا ملک اب انگریزوں کی حفاظت میں ہے اسلیئے میں اپنی امیدوں کا ملجا و ماوائے آپکو سمجھتا ہوں۔ کیونکہ مجھے علم ہے کہ آپکی سلطنت اسقدر وسیع کہ اگر جرمنی۔ فرانس اور انگلستان کو باہم ملایا جاوے تو بھی اُسکے برابر نہیں ہوسکتیں جب میں مشہد میں تھا تو مینے سنا تھا کہ ایران بھی روس کا تابع فرمان ہے۔ اسلیئے میں اسقدر دور دراز جگہ سے اس واسطے آیا ہوں کہ آپکا ظل عاطفت میسر ہو۔"

اس خط کا جواب بقول روسی مصنف ٹرنٹیف کے حسب ذیل مضمون کا جرنیل کاافین کیطرف سے وصول ہوا۔

"موجودہ والی افغانستان کو انگریزوں نے جو ہمارے دوست ہیں امیر افغانستان تسلیم کرلیا ہے اور تاوقتیکہ کہ شیر علی سرحد بخارا پر شورش برپا کرکے ہم اُسے سلطنت روس کا دشمن تصور نہیں کرسکتے۔"

ان خطوں کے بعد زبانی پیغام وسلام ہوتے رہے آخرکار فروری ۱۸۶۹ء میں سردار عبدالرحمن خاں دوسو ہمراہیوں کے ساتھ جنمیں اُسکا چچازاد بھائی اسحاق خاں بھی تھا سمرقند کو چلا گیا اور وہاں سے روسی ترکستان کے دارالخلافہ تاشقند میں روسی گورنر جنرل کی ملاقات کو گیا۔ ہنگام ملاقات عبدالرحمن خاں نے روسیوں کو کہا کہ آپ مجھے سات ضرب توپیں اور تین ہزار بندوقیں دیں تاکہ میں فوج بھرتی کرکے امیر شیر علیخاں پر حملہ کروں اور زور اس بات پر دیا کہ شیر علیخاں روسیوں کا ہرگز دوست نہیں ہے۔ اسلیئے اُسکا کچھ لحاظ نہیں ہونا چاہیئے لیکن روسیوں نے اُسکی بات نہ مانی اور صرف اٹھارہ ہزار روبل ایک سنگی سکہ ہے اور اٹھارہ سو پونڈ کے قریب ہوتا ہے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس رقم میں بعد ازاں اضافہ کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ ۱۸۷۳ء میں عبدالرحمن کو بسلغ پچیس ہزار روبل یعنی دو ہزار پانچسو چھبیس پونڈ دیئے گئے ۱۸۷۴ء میں چوبیس ہزار تین سو روبل یعنی دو ہزار چار سو ستر پونڈ اور ۱۸۷۵ء میں دو ہزار پانچسو پونڈ دیئے گئے۔

وظیفہ میں اضافہ

۴ مارچ ۱۸۷۰ء کو روسیوں نے امیر شیر علیخاں کے نام مفصلہ ذیل خط لکھا۔

"آپکو شاید معلوم ہوا ہوگا کہ آپکا بھتیجا ہمارے پاس تاشقند میں آکر مقیم ہوا ہے اور ہم نے اُسکے ساتھ مروت اور اخلاص سے برتاؤ کیا ہے لیکن یہ خط ہم آپکی طرف اس لیئے لکھتے ہیں کہ آپکو کسی قسم کی بدگمانی نہ ہونی چاہیئے۔ ہماری سلطنت اور آپکے ملک میں فاصلہ بہت ہے۔ درمیان میں بخارا حایل ہے اسلیئے آپسے ہماری کسی طرح مٹھبھیڑ نہیں ہو سکتی اور نہ ہمارے دلمیں آپکی طرف سے کچھ کدورت ہے۔ ہمکو آپسمیں صلح ہی رکھنی چاہیئے۔ ہم نے عبدالرحمن کو اسلیئے پناہ دی ہے کہ ہمارے مذہب میں مہمان نوازی واجب ہے اور ہر ضعیف زدہ کو ضرور پناہ دینی چاہیئے۔ اس سے زیادہ اُسکو ہم سے کسی قسم کی توقع

نہیں رکھنی چاہیئے۔"

سر مسکلر سیاح امریکہ بیان کرتا ہے کہ "میں نے ۱۸۷۳ء میں عبدالرحمن خاں کو علاقہ روس میں دیکھا تھا۔ اُس وقت وہ نہایت کفایت شعاری سے زندگی بسر کرتا تھا اور بمشکل پانسو پونڈ سالانہ صرف کرتا تھا۔"

کفایت شعاری اور پس انتظامی

۱۸۷۰ء یا ۱۸۷۱ء میں پروفیسر اوج نلوی اور اُسکی بیوی کی ملاقات امیر عبدالرحمن خاں سے سمرقند میں ہوئی۔ یہ پروفیسر فرانس کا باشندہ تھا۔ پروفیسر مذکور کی بیوی بیان کرتی ہے کہ عبدالرحمن خاں قابل رحم حالت میں اوقات بسری کرتا تھا اور اُسنے دو معمولی تلواریں ہمارے پاس بڑی گراں قیمت کو فروخت کیں۔

جرنیل سکوبولیف بیان کرتا ہے کہ ۱۸۷۲ء کے موسم بہار میں عبدالرحمن خاں نے مجھے کہا کہ تم میری سفارش جرنیل ابراموف گورنر زرافشاں کے پاس کردو کہ مجھے شیر علیخاں کے مقابلہ میں مدد دے اور میرا وظیفہ چھ ہزار پونڈ کر دیا جاوے تاکہ میں جی کھول کر شیر علیخاں کے ساتھ نبرد آزمائی کروں۔ اور ایک دفعہ دل کی حسرت نکال لوں۔ جنرل موصوف نے کہا بہت بہتر میں سفارش کرونگا۔ مگر مجھے امید نہیں کہ کچھ فائدہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور عبدالرحمن خاں خون جگر پیکر خاموش ہو رہا۔ بیچارہ اُس وقت گردش زمانہ کا شکار ہو رہا تھا۔ خاموش نہ ہوتا تو اور کیا کرتا۔ وہ ہی مثل "قہر درویش برجان درویش" کی اسپر صاحب[1] صادق تھی

اور وظیفہ بڑھانے کی آرزو

[1] اسی زمانہ کی ایک خبر یہ بھی امیر صاحب سے منسوب کیجاتی ہے کہ جس وقت میں سلطنت ٹرکی روم و روس میں جنگ جاری تھی گورنر جنرل روس نے عبدالرحمن خاں کو کہا کہ اگر تم فوج ہمراہ لیکر ترکوں پر حملہ کرو تو ہم بہت سی فوج ہمراہ کر دیتے ہیں۔ عبدالرحمن خاں نے جواب دیا کہ ترکوں پر جو مسلمان اور میرے ہم مذہب ہیں میں ہرگز فوج کشی نہیں کرونگا انکے علاوہ اور جس عیسائی ملک سے چاہو لڑنے کو آمادہ ہوں۔ ۱۲

عبدالرحمن خاں کا بھائی اسحاق خاں اسکے پاس ہی رہتا تھا۔ مگر اُسکا دماغ بہت کمزور تھا اور عقل بہت کم تھی۔ سادہ لوح سا آدمی تھا۔ اور سمرقند کی گلیوں میں لڑکے اُسکے پیچھے تالیاں بجایا کرتے تھے اور "سادہ لوح خاں" کہتے تھے۔

کابل لینے کی ہوس کبھی نہ چھوڑی۔

اگرچہ عبدالرحمن خاں روسیوں کا وظیفہ خوار تھا مگر اب بھی اُسکی امیدیں خاک میں نہیں ملگئیں تھیں اور وہ حتی المقدور کابل لینے کے لیئے ہاتھ پاؤں مارتا رہتا تھا۔ ۱۸۷۸ء میں اُسکا ایک معتمد کابل میں شیر علیخاں کے ہاتھ آگیا۔ شیر علیخاں نے اُسکو طرح طرح کا عذاب دیا۔ آخرکار اُسنے قبال کر دیا اور کہا کہ عبدالرحمن کی چند افغان سرداروں سے خط و کتابت ہے۔ اور مجھے اُسنے ایک خط عظیم الدین کے نام دیا ہے۔ عبدالرحمن کے خط کا مضمون جو اِس شخص کے پاس سے برآمد ہوا تھا یہ ہے:۔

"چونکہ مجھے اطلاع ہوئی ہے کہ تم کو مجھ سے محبت اور دوستی ہے۔ اسلیئے میں یہ خط تمہارے نام بھیجتا ہوں۔ اگر تم دین اسلام کی اشاعت چاہتے ہو تو بہادر بنو اور علانیہ اپنے دوستوں کو لیکر مجھ سے آملو۔ دنیا چند روزہ ہے اور ہمیشہ ایک طرح پر نہیں رہتی۔ شیر علیخاں تو انگریزوں کا نمکخوار ہے اور عنقریب تمہیں اور مسلمانوں کو خاک سیاہ کر دیگا۔ اگر اِس وقت کوشش نہ کروگے تو پیچھے خدا کو کیا منہ دکھاؤگے۔ تمہیں چاہیئے کہ جوش و خروش سے کوشش کرو تاکہ دنیا اور عاقبت دونوں سنور جائیں۔ شیر علی کی ملازمت میں تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر تم چند دن کے لیئے میری ملازمت کرو تو دنیا میں مرتے اعلے پاؤگے اور عاقبت میں خلد بریں تمہیں ملیگا۔"

یہہ خط دیکھکر شیر علی نے فوراً ایک خط معرفت نائب عالم خاں حاکم بلخ روسی گورنر جنرل کے نام تحریر کیا۔ اُس خط کا مضمون یہہ ہے:۔

"اگرچہ سردار عبدالرحمن ہماری قلمرو سے دور ہے مگر وہ اِس بات کے درپے ہے کہ

تمہاری ہماری دوستی میں فرق آئے اور ہماری سلطنت کے امن میں خلل عظیم واقع ہو۔
اُسنے ایک خط نہایت نامناسب الفاظ میں ہمارے سردار عظیم الدین خاں کے نام لکھا ہے جو ہم بجنسہٖ آپکے ملاحظہ کے لیئے ابلاغ کرتے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ تم اس بات کا قرار واقعی انتظام کروگے تاکہ آئندہ عبدالرحمٰن ایسے لغو خطوط نہ لکھنے پاوے۔ جانبین میں سلسلۂ اتحاد قائم رہے اور دونوں سلطنتوں کے امن میں خلل واقع نہ ہو۔"

امیر شیر علیخاں کی خفگی۔

حاکم بلخ نے روسیوں کو یہ بھی صلاح دی کہ آپ عبدالرحمٰن کو یورپ بھیجدیں تاکہ تمام فتنہ و شر مٹ جاوے۔ پہلے تو روسیوں کی یہ صلاح ہوئی کہ اوسے یورپ کو بھیجدیں لیکن بعد میں یہ صلاح ملتوی ہوگئی اور عبدالرحمٰن سمرقند میں مقیم رہا۔ بہرحال روسی وزیر اعظم نے جنوری ۱۸۷۴ء میں لارڈ آگسٹس لافٹس کو اطلاع دی کہ ہمنے عبدالرحمٰن خاں کو قرار واقعی فہمایش کردی ہے کہ شیر علی کے برخلاف آئندہ کسی قسم کی سازش نہ کرے اور اگر ہماری بات اُسے منظور نہیں ہے تو سمرقند سے رخصت ہوجائے اور اب اگر اُسنے اِس حکم امتناعی کی عدولی کی تو فوراً یہاں سے نکال دیا جاویگا۔ غرض عبدالرحمٰن خاں نے صبر و شکر کرکے دس سال جلاوطنی میں کانٹوں پر لوٹکر گذارے۔ جس وقت وہ پہلے سمرقند میں گیا اُس وقت اُسکی عمر چھبیس سال کی تھی اور وہ خدا کی درگاہ سے کسی وقت ناامید نہ ہوتا تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ وسط ایشیا میں جتنے نامور شخص ہوئے ہیں اُنہوں نے کم و بیش اسی عمر میں عروج پکڑنا شروع کیا ہے۔ مثلاً نادرشاہ چالیس سال کی عمر تک محض قزاق تھا۔ سلطان بابر چالیس برس کی عمر میں دربدر بھٹکتا پھرتا تھا۔ امیر تیمور پینتیس سال کی عمر میں دشمنوں کے نرغہ میں تھا۔ چنگیز خاں نے چوالیس سال کی عمر میں عروج پکڑنا شروع کیا۔

نہو ڈٹی ڈیر کے لیئے میں امیر عبدالرحمٰن خاں کو اسکی روسی جلاوطنی کے آخری زمانہ میں

امیر محمد یعقوب خاں

چھوڑ کر امیر شیر علیخاں کیطرف متوجہ ہوتا ہوں۔ ۱۸۶۹ء میں امیر شیر علیخاں گورنر جنرل کی ملاقات کے لیئے انبالہ میں پہونچا کہ جہاں وائسرائے سے ملاقات کرکے واپس گیا۔ سردار اسمٰعیلخاں کو معہ دیگر دو برادران صالح خاں وغیرہ کے لاہور بھجوا دیا۔ سردار فتح محمد خاں پسر وزیر اکبر خاں کو حاکم ہرات کرکے بھیجدیا اور سردار جلال الدین خاں جو دس ہزار طلایکر شتداریوں میں فوج جمع کرکے ہرات پر بلوہ کرنیکو گیا تھا۔ اور وہاں سے شکست کھاکر راولپنڈی آگیا تھا وہ بھی ہندوستان میں پناہ گزین ہوگیا۔ امیر شیر علیخاں اپنے ولیعہد عبداللہ خاں کو انبالہ ہمراہ لایا تھا۔ اسپر برادر یعقوب خاں کو ناراضگی پیدا ہوئی وہ چار ہزار سوار کے ہمراہ کابل سے بھاگ کر قندہار کو چلا گیا۔ اور وہاں جب کسی نے نہ گھسنے دیا تو ہرات گیا۔ ہرات پر لڑائی ہوئی جہاں سردار فتح محمد خاں برادر سردار جلال الدین خاں پسر وزیر علی اکبر خاں اور اُسکا بیٹا دونوں مارے گئے۔ سردار یعقوب خاں حاکم ہرات ہوگیا۔ امیر شیر علیخاں نے عصمت اللہ خاں غلزئی و میر آخور احمد خاں کو ہرات بھیجکر یعقوب خاں سے قسم فاداری حاصل کی۔ مگر جب وہ کابل آیا تو امیر شیر علیخاں نے اُسے قید کر لیا۔ قاضی خادم خاں ساکن پشاور جو کسی مقدمہ میں انگریز علی تھیں سزا پانے لگا تھا بھاگ کر کابل پہنچا۔ اور امیر شیر علیخاں کا وزیر بنا۔ جب امیر کچھ رائے دریافت کرتا تو وہ روس سے دوستی کی صلاح دیتا اور انگریزوں کی نسبت کہتا کہ بڑے بے وفا ہیں۔ آخر روس سے دوستی پیدا ہوگئی۔ اسی اثنا میں عبداللہ جان ولیعہد مر گیا تو روس کا ایک جرنیل ماتم پرسی کو آیا اور انگریزوں کا سفیر بھی گیا جو علی مسجد سے واپس بھیجا گیا کیونکہ فیض محمد خاں غلزئی جو سردار جلال الدین خاں کا خسر پورہ ہے اور آجکل سوات میں رہتا ہے اُسنے حکم امیر سے اُنہیں آگے نہ گذرنے دیا۔ اسی اثنا میں امیر

امیر شیر علیخاں کا انبالہ میں وائسرائے سے ملنا۔

سردار یعقوب خاں کا باغی ہوکر ہرات پر قابض ہونا

لہ مسٹر عثمانی اقامت آجکل گوجرانوالہ میں ہے اور بڑے قابل ہوشمند اور نیک نیت شہری ہیں ہم انہیں خاندان کا اچھا نمونہ ہیں۔ ۱۲

شیر علیخاں کو ایسی پریشانی لاحق ہوئی کہ اپنے بیٹے سردار یعقوب خاں کو حاکم کابل کر کے خود ترکستان کو بھاگ گیا۔ جہاں پہنچکر قاضی قادر خاں کو سمرقند روس کیطرف بھیجا کہ میں خود گفتگو کرنے کو سمرقند آتا ہوں اگر مجھے مدد دو تو انگریزوں سے جنگ کیجاوے۔ وہاں سے روس نے سردار عبدالرحمن خاں کو نکالکر تاشقند میں بھیجدیا۔ مگر اسی اثنا میں امیر شیر علیخاں مزار شریف میں فوت ہوگیا۔ اس سمرقند سے نکالے جانے کے عوض میں جب امیر عبدالرحمن خاں راولپنڈی کے دربار میں آئے تھے تو انہوں نے سب بارک زئیوں کو پشاور اور راولپنڈی سے نکلوا دیا تھا۔ چنانچہ سنا ہے کہ اب بھی جب کبھی امیر صاحب اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں "ما کہ رفتیم بدل گرفتیم"

امیر شیر علیخاں کا انگریزوں سے بھاگکر سمرقند کو جانا

پہلے تو جب ۱۸۷۱ء میں سردار یعقوب خاں کی اپنے باپ امیر شیر علیخاں سے ان بن ہوگئی تو عبدالرحمن خاں نے اس کھلبلی میں سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ پھر جب امیر شیر علیخاں اور سرکار انگریزی کے تعلقات بگڑ گئے تو امیر عبدالرحمن کا کام ہی بن گیا۔ امیر عبدالرحمن کی جلاوطنی میں مفصلہ ذیل مشہور واقعات پیش آئے کہ جن سے کم و بیش اسکو فائدہ پہونچا۔

۱۸۷۰ء میں روسیوں نے بحیرہ خضر کے کنارہ پر سر اٹھایا اور ترکمانوں کو زیر کیا

۱۸۷۲ء میں روسیوں نے امیر یعقوب بیگ حاکم کاشغر سے عہدنامہ کیا اور شرقی ترکستان کو خودمختار تسلیم کیا۔ ۱۸۷۳ء میں روسیوں اور انگریزوں نے افغانستان کی شمالی حدبندی کی۔ پھر اسی سال روسیوں نے خیوا پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۷۵ء میں روسیوں نے الحاق قوقندیا فرغانہ کیا۔ ۱۸۷۷ء میں امیر یعقوب بیگ کو زہر دیدیا گیا۔ اور اسکا ملک چین کے تصرف میں آیا۔ ۱۸۷۸ء میں روسیوں اور انگریزوں کے درمیان ناچاقی سی ہونے لگی۔ مگر عہدنامہ برلن سے یہہ فتنہ فرو ہوا۔ فروری ۱۸۷۹ء میں امیر شیر علیخاں فوت ہوگیا۔

باب پنجم

مراجعت

امیر شیر علیخاں کی وفات

جس وقت امیر شیر علیخاں کی وفات کی خبر ۱۸۷۹ء میں سردار عبدالرحمن خاں کو پہنچی تو اُسنے کابل جانیکے لیئے ہاتھ پاؤں مارے لیکن روسیوں نے اُسکی اُمیدوں پر آب سرد ڈالدیا اور یہ خشک جواب دیدیا کہ تم مختار ہو جہاں مرضی ہو چلے جاؤ۔ لیکن پھر دوبارہ تمکو یہاں پناہ نہیں ملیگی۔ اگر تمہیں کامیابی نہ ہوئی تو پھر یہاں نہ آنا۔ اس جواب سے سردار عبدالرحمن خاں کا دل شکستہ ہوگیا۔ اور وہ روسی علاقہ ہی میں مقیم رہا۔ اُدھر امیر یعقوب خاں پسر شیر علیخاں انگریزوں سے نہایت محبت سے پیش آرہا تھا اور سفارت انگریزی کے استقبال کے لیئے تیار ہو رہا تھا۔ سینٹ پیٹرسبرگ میں یہ افواہ تھی کہ وزیر اعظم انگلستان لارڈ بیکنس فیلڈ کی پالیسی کی بہت کامیابی ہوئی ہے۔ اور افغانستان گویا علاقہ انگریزی سمجھنا چاہیئے مگر یہ افواہ سراسر افواہ ہی نکلی۔ ۳ ستمبر ۱۸۷۹ء کو افغانوں نے نہایت سفاکی کے ساتھ انگریزی

کابل میں سفیر انگریزی کا قتل ہونا

سفیر سر لوئس کیگنری اور اُسکے ہمراہیوں کو تہ تیغ کیا[1] اور تمام مال اسباب

---

[1] سر لوئس کیگنری انگریزی سفیر کہ جسکے ہمراہ ایک یورپین ڈاکٹر ایک اسسٹنٹ اور کچھ سپاہی و سائیس وغیرہ تھے۔ قلعہ بالاحصار میں مقیم تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک پلٹن جنڈاولوں کی تنخواہ لینے آئی۔ جنکا ایک کرنیل شیعہ تھا۔ یعقوب خاں نے کہا ایک ماہ کی تنخواہ دیجاویگی۔ انہوں نے دو ماہ کی مانگی۔ یعقوب خاں نے فوج کو بالاحصار کو بھیجا کہ سفیر انگریزی سے مانگو۔ جب قلعہ کو گئے۔ تو سفارت نے ڈر کر بندوقیں چلائیں جس سے تمام بلوہ ہو کر لوگ جمع ہوگئے اور بار بار کے حملوں سے گو بہت سے پٹھان کام آئے مگر سفارت کا ایک آدمی زندہ نہ بچا۔ اسپر سر کاونگھیم نے زور دغدغہ ہو کر کابل سے جنگ شروع کی۔ امیر محمد یعقوب خاں نے کہا کہ میں بے قصور ہوں فوج بگڑ گئی تھی۔ مگر انگریزوں نے اُسے قید کر کے ہندوستان کو بھیجدیا۔ اور صدہا آدمی پھانسی دیئے گئے۔ قلعہ بالاحصار اوڑا دیا گیا۔ فوج انگریزی شیرپور میں جو امیر شیر علیخاں نے چھاونی بنائی تھی جا کر مقیم ہوگئی مگر حکومت انگریزی نیس کوس کابل سے آگے نہ بڑھی۔ کوہستان وزیرک ہندوکش وغیرہ مقامات اُنسے باغی رہے اور پھر کابل سے آگے اُنکی حکومت کی روشنی ۴۴

لوٹ لیا۔ جب یہ خبر دار الخلافہ روس میں پہونچی تو ایک اخبار نے عبدالرحمن کو مخاطب کرکے لکھا کہ کیوں تو اب ہمارے جاکر اپنے حقوق پیش نہیں کرتا۔ ۱۸۷۹ء میں تاشقند میں ایک تاجر آخی کا یعقوب خان جو ۴ ستمبر ۱۸۷۹ء میں انگریزوں کے کیمپ میں مقید تھا اب ہندوستان میں بھیج دیا گیا ہے۔ جب یہ خبر تاشقند میں پہنچی تو جنرل کاف مین وہاں موجود تھا مگر اسکے سکرٹری نے عبدالرحمن خاں سے کہا کہ اب تم کابل جاسکتے ہو۔ عبدالرحمن خاں تین دن تک اس معاملہ پر غور کرتا رہا۔ چوتھے دن سکرٹری نے اسے کہا کہ پھر ایسا موقع ہاتھ نہیں آئیگا۔ کبھی کیطرح ہاتھ ملتے رہجاؤگے۔ عبدالرحمن کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی وہ تو خدا سے دعائیں مانگ رہا تھا کہ جلدی وطن کا منہ دیکھنا نصیب ہو چنانچہ توکل بر خدا علاقہ روس سے روانہ ہوا۔ چلتے ہوئے روسیوں نے اسے پانچہزار طلائی قریباً پچیس ہزار روپیہ اور دو سو بندوقیں دیں۔ عبدالرحمن خاں کے پاس دو لاکھ روپیہ اپنا تھا جو اسنے پنشن میں سے بڑی کفایت شعاری کی ساتھ جمع کیا تھا جب وہ

امیر عبدالرحمن خاں نے کابل کو روانہ ہونے کی تیاری کی

---

۴۴ نہ پڑی۔ اسی اثنا میں اخون زادہ ملا شک عالم اور ملا محمد کریم نے لوگوں میں جہاد کا وعظ شروع کیا۔ اور سات افغان عورتوں نے مصلح ہوکر اپنے ہمقوموں کو کہا کہ اگر تم ڈاڑھیاں منڈا دو تو ہم جنگ کو جائینگے اور کافروں کو زندہ نہ چھوڑینگے۔ حال میں جب اسحاق خان باغی ہوا تو انہیں سے پانچ عورتیں امیر عبدالرحمن خاں صاحب کی دربار میں آکر کھڑی ہوگئیں۔ کیونکہ دو فوت ہوچکی تھیں۔ امیر صاحب نے دریافت کیا کہ یہ مردانہ لباس میں مصلح کون عورتیں ہیں۔ لوگوں نے کہا یہ وہ عورتیں ہیں جنہوں نے انگریزوں پر پہلے پہل غزا کی کمر باندھی تھی۔ امیر نے پوچھا کہ یہاں کیونکر آئی ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمکو سرکار اسحاق خاں کے مقابلہ میں جانیکی خدمت دی۔ امیر صاحب نے ایک ایک سرکاری گھوڑا اور دو دو خدمتگار خدمت کو دئے اور اور دو دو روپیہ انعام گھر بھیجنے کو دیا۔ یہ پیرانہ سال عورتیں جب امیر صاحب ترکستان کو گئے تو ہر روز کمر بستہ ہوکر دربار میں آکھڑی ہوتی تھیں۔ یہ قصہ جو بطریق تذکرہ بیان کیا گیا ہے اس سے پتہ لگتا ہے کہ افغانستان کے مرد ہی جنگجو اور نبرد آزما نہیں بلکہ عورتیں بھی ایسی ہیں اور بارہا ان عورتوں نے مردوں کو جنگ اور سخت ریزیاں کرنے پر آمادہ کیا ہے۔

سمرقند سے روانہ ہوا تو اُسکے ساتھ صرف ایک سو ہمراہی تھے جلاوطنوں نے راہ راست اختیار نہ کیا بلکہ
اندراب پنجشیر اور قلات کی راہ سے کابل کو روانہ ہوئے ۱۸۸۰ء میں انگریزوں کو خبر پہنچی کہ عبدالرحمن خان
دیا عبور کرکے علاقہ غور پر قابض ہوگیا ہے اور سلطان مراد خاں حاکم قندز اُس سے ملگیا ہے۔
رفتہ رفتہ تمام سردار عبدالرحمن کے جھنڈے کے تلے جمع ہونے لگے۔ بدخشاں کے تمام امیر
بجز شہزادہ حسن کے اُسکی حمایت پر کھڑے ہوگئے اور ترکستان کا حاکم غلام حیدر خان بخارا
کیطرف فرار ہوگیا۔

گورنمنٹ انگریزی نے امیر عبدالرحمن خاں کو سلطنت پر رہنا چاہی۔

۴ مارچ ۱۸۸۰ء کو لارڈ لٹن گورنر جنرل ہند نے وزیر ہند کو انگلستان میں تار دیا
کہ عبدالرحمن خاں کو جو جائز وارث امیر دوست محمد خاں کا ہے والی کابل بنانا چاہیئے اور
اُس سے بہتر کوئی شخص حکومت کابل کے لائق نظر نہیں آتا۔ اِسکے بعد وائسرائے
نے چاہا کہ ایک ڈیپوٹیشن سرداروں کا عبدالرحمن کے پاس جائے اور اُسکو کہے کہ آکر تخت
سنبھالو۔ لارڈ لٹن کا یہہ منشا تھا کہ جنوبی افغانستان میں ایک شخص بارکزئی کو
جسکا نام شیر علی تھا حاکم بنانا چاہیئے یعنی کابل اور بلخ کی حکومت عبدالرحمن کو ملے
اور قندھار اور ہرات کے بارکزئی سردار شیر علی کو۔ مگر یہہ ارادہ پورا نہ ہوا چنانچہ
یکم اپریل ۱۸۸۰ء کو سر لیپل گریفن نے ایک خط بدیں مضمون عبدالرحمن کے پاس بھیجا
"اب یہہ ہر ایک کو معلوم ہوگیا ہے کہ آپ افغانستان میں تشریف لائے ہیں
اسلیئے خفیہ قاصد کے ہاتھ یہہ خط آپکو بھیجا جاتا ہے تاکہ آپ ہمیں اپنی نیک ضمیر اور ارادوں
سے آگاہ کریں"

یہہ قاصد ۱۴ اپریل کو واپس آیا اور کہنے لگا کہ امیر عبدالرحمن میرے ساتھ نہایت
مہربانی اور گرمجوشی سے پیش آیا ہے اور چار دن تک اُسنے بڑے تکلف سے میری
مہمانی کی ہے مگر اُسنے یہہ جواب دیا ہے کہ میں بارہ سال تک روسیوں کا مہمان رہا ہوں
اور اُنکا نمک کھایا ہے۔ اِسلیئے میں ہرگز ایسی شرائط نہیں کرونگا جس سے میں

نمکحرام سمجھا جاؤں اور لوگ مجھے بدنام کریں اور ناشکرا سمجھیں۔ البتہ میری عین
خواہش ہے کہ میں دونوں طاقتوں سے صلح اور آشتی رکھوں۔ لیکن میں زیادہ تر انگریزوں
سے مسلوک ہوں گا۔ کیونکہ مجھے امید ہے کہ انگریز مجھے ایران کیطرح خود مختار بنانے
میں امداد کرینگے۔ اُس قاصد نے یہہ بھی کہا کہ عبدالرحمن خاں مقام چہارکار یا۔ چاری کار پر
پانچسو آدمیوں کی جمعیت سے شریک مشورہ ہونے کو تیار ہے۔

۳۰۔ اپریل کو پھر سر لیپل گریفن نے ایک خط عبدالرحمن کیطرف تاکیدی لکھا ہے
کہ جلدی آکر کابل سنبھالو۔[1] سر لیپل گریفن کے ۳۰۔ اپریل کے خط کے جواب میں ۱۱ مئی کو
امیر صاحب نے یہہ خط بھیجا:۔

"مشفق من مجھے انگریزوں سے بڑی امیدیں تھیں اور اب بھی ہیں اور میں خوش ہوں
کہ میری امیدیں راست آئی ہیں لیکن تم افغانوں کی طبیعت سے واقف نہیں ہو۔ یہ ایک آدمی
کی بات بہت کم مانتے ہیں۔ تاوقتیکہ اُنکو یقین نہ ہو جائے کہ میں انکے بھلے کی کہتا ہوں۔ میں خدا
کے فضل سے اس بات کا امیدوار ہوں کہ یہ لوگ مکرر آپکی خدمت کریں۔ اگرچہ گورنمنٹ انگلشیہ
انکی خدمت کی محتاج نہیں ہے تاہم یہہ دنیا ایسی ہے کہ ایسے بڑے دل کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

امیر صاحب نے ظاہر کر دیا کہ وہ سلطنت کو قبول کیلئے

اسکے بعد عبدالرحمن خاں نے سر لیپل گریفن کو لکھا کہ میں مفصلہ ذیل امور پر اپنے سرداروں کے
ساتھ بحث کرتا ہوں اور جب آپکا جواب انکی نسبت ہمیں پہونچ جائیگا اُس وقت ہم
کابل کیطرف روانہ ہونگے اور وہ امور یہہ ہیں:۔

---

[1] سر لیپل گریفن نے اس کتاب کے بہت مدت بعد اپنے حالات زندگی بیان کرنے میں جتلایا ہے کہ مندرجہ
بالا مراسلہ میرے پاس سردار محمد ابراہیم خاں۔ نواب محمد افضل خاں اور ڈاکٹر عبدالرحمن کشمیری
لیکر آئے تھے جب میں بیچ خیمے کے گند کر جسکا پہونچا جو کابل سے قریب بست کردہ ہے تو قریب تین لاکھ
آدمیوں کے آگے بڑھکر مجھے سلام کیا اور خدا کا شکر کرکے کہا کہ شکر ہے تو ہمارا سردار پیدا ہو گیا ہے ہم
تم کے پاکر مٹھے ہیں۔ خدا رب العزت میرے حق میں دعائے خیر کی اور آئندہ فتوحات کا وعدہ کیا۔ میں غازیوں
کو سمجھا کر جنگ کرنے کی ممانعت کر دی۔ انگریزوں نے خود بھی طلب کیا کہ کابل پر قبضہ کرینگے۔ ۱۲

(۱) کیا قندہار میری قلمرو میں شامل ہوگا۔ یا اُس سے باہر اور میری قلمرو کے حدود کیا ہونگے۔

(۲) کونسا یورپین سفیر یا کسقدر انگریزی فوج افغانستان میں رہا کریگی؟

(۳) انگریز کونسے دشمن کو پسند کرنا چاہتے ہیں۔؟

(۴) کون سے فوائد انگریز مجھے اور میرے اہل وطن کو پہنچانے چاہتے ہیں؟

یہہ سوال اس قسم کے تھے کہ انسے لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے خیال پیدا ہوئے کوئی تو یہہ کہتا تھا کہ عبدالرحمن دم دلاسے دے رہا ہے۔ کوئی یہہ کہتا تھا کہ وہ اپنے اہل وطن کو انگریزوں کیطرف سے منحرف اور برگشتہ کر رہا ہے کوئی کہتا تھا کہ وہ محمد جان سے خط وکتابت کر رہا ہے جو انگریزوں کا دشمن ہے اور انگریزوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے بعض اہل خیال نے جنرل رابرٹس کو الزام دینے شروع کیئے کہ اُنہوں نے ناحق امیر یعقوب خاں[1] کو نظر بند کرکے ہندوستان روانہ کیا۔ اب عبدالرحمن بخیست ہوگیا ہے۔ اگر یعقوب خاں وہاں رہتا تو

[1] امیر شیر علیخاں کی چار بیویاں تھیں ان سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں۔
پہلی بیوی سے سردار محمد علیخاں اور سردار محمد ابراہیم خاں (کاکہ جسکو چاڑا یعنی گونگا کہتے تھے) پیدا ہوئے دوسری بیوی سے سردار محمد یعقوب خاں سردار محمد ایوب خاں تولد ہوئے تیسری بیوی سے سردار عبداللہ خان جو ولیعہد تھا تولد ہوا۔ اور چوتھی بیوی سے سردار عبدالرحمن خاں پیدا ہوا۔
سابق امیر محمد یعقوب خاں صاحب جو ڈیرہ دون میں مقیم ہیں سرکار انگریزی کیطرف سے پانچہزار روپیہ ماہوار وظیفہ پاتے ہیں اور ملازموں کی تنخواہ اسکے علاوہ ہے اور سردار محمد ایوب خاں صاحب جو راولپنڈی میں مقیم ہیں انہیں پنتالیس ہزار روپیہ ماہوار گورنمنٹ ہند کی طرف سے اپنے اور اپنے مصاحبین وملازمین کے لیئے ملتا ہے۔ جو سردار صاحب کی دلاوری اور میدان مصاف میں جوہر دکھلانے کا نتیجہ ہے سردار محمد ابراہیم خانصاحب جو اٹاوہ میں مقیم ہیں اور انہیں سلہ ہزار روپیہ ماہوار سرکار کی طرف سے ملتا ہے اسکے علاوہ انہیں چار ہزار روپیہ امیر عبدالرحمن خاں صاحب عطا فرماتے ہیں۔ سردار محمد اشرف خاں صاحب سردار محمد شریف خاں حقیقی برادر زادہ امیر شیر علیخاں اب کانپور میں مقیم ہیں ایک شجاع خوش طبع اور سخی سردار ہیں۔ انکے بھائی سردار احمد علیخاں۔ سردار محمد طاہر خاں۔ سردار محمد اسحاق خاں سردار محمد شریف خان بھی انکے ہمراہ ہیں انہیں علاوہ وظائف ملازمین کے سات ہزار روپیہ ماہوار سرکار انگریزی کی ملتا ہے۔ محبوب خان

عبدالرحمن کو اسقدر جسارت نہ ہوتی۔

اس اثنا میں مارکوئیس آف رپن گورنر جنرل کشور ہند مقرر ہوئے۔ یہ آزاد خیالات کی آدمی تھے اور جنگ و جدل کو پسند نہیں کرتے تھے اسواسطے انہوں نے یہ چاہا کہ جہانتک ہوسکے کابل میں جلد امن ہوجانا چاہیئے۔ مگر امیر عبدالرحمن خان نے آمد درست آید پر کاربند ہمارہ نہایت متانت اور سنجیدگی سے کارروائی کرتا تھا۔ اور حتی المقدور تعجیل سے کوسوں بھاگتا تھا۔ آخر کار اسکی تاخیر سے تنگ آکر سیسیل گریفن اور سر ڈینلڈ سٹیوارٹ دونوں عبدالرحمن کی صداقت پر شبہہ کرنے لگے۔ اور وزیر محکمہ خارجیہ نے جنرل میکریگر کے پاس یہ رائے ظاہر کی کہ عبدالرحمن ہمکو دھوکے دے رہا ہے اسکے قول و فعل پر اعتبار کرنا سخت غلطی ہے۔ آخر ایسے سبب کہ حیران کر دیا اور ۲۰ جولائی ۱۸۸۰ء کو

آخر کار عبدالرحمن خان امیر کابل تسلیم ہوگئے

کوہ بند و کش عبور کر کے علاقہ کوہستان میں آگیا اور انگریزوں نے فوراً دربار منعقد کر کے تمام سرکردگان جنگ کو قبل خان محمد امین خان اور سید صاحب کی موجودگی میں عبدالرحمن خان کو امیر کابل تسلیم کر لیا۔ لیفٹیننٹ گریفن نے جو اس وقت سپیچ کی اسکا مطلب یہ ہے

[illegible] عبدالرحمن [illegible] کی امیدوں اور [illegible] عبدالرحمن خان [illegible] گورنمنٹ انگلشیہ کو یہ بات [illegible] اطمینان بخش نہیں ہے کہ [illegible] کرنیوالی خاندان کے [illegible] سردار کو بادشاہ تسلیم کیا جائے [illegible] اور تجربہ کار شخص ہے اسکے ارادے [illegible] پر مبنی ہیں [illegible] خیالات ایسے پاکیزہ رہینگے سرکار انگلشیہ [illegible] اسکی معاون اور مددگار رہیگی۔ اور ہمیں امید ہے کہ وہ ان سرداروں سے کہ جنہوں نے ہماری خدمت کی ہے اچھی طرح سے پیش

آئینگے۔ جنرل مکیگر اپنے روزنامچہ میں لکھتا ہی اور مسٹر ہنسین اسکی تائید کرتا ہے کہ جملہ سردار جو اُس وقت موجود تھے کبیدہ خاطر نظر آتے تھے۔ اور کسی کے چہرہ سے خوشی کے آثار نمودار نہ تھے۔ جب سر لیپل گریفن تقریر کر چکے تو کسی نے ہاں یا نا نہ کی گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ فکر کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں چاہے اُنکے دل میں اُس وقت کچھ ہی گذرتی ہو بہرنہج سر لیپل گریفن نے اس رسم کو پورا کیا اور دوسرے دن مسجد میں خطبہ امیر عبدالرحمن خاں کے نام پر پڑھا گیا۔

میوند کا حادثہ

اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد میوند کے حادثہ کی خبر آئی اور سر فریڈرک رابرٹس جو آب لارڈ رابرٹس آف قندہار ہیں باغیوں کی سرکوبی کے لیئے فوج لیکر روانہ ہوئے اور ۳۰ جولائی کو پولیٹکل ایجنٹ اور امیر عبدالرحمن کے درمیان ایک کانفرنس ہوئی۔ امیر عبدالرحمن خاں دربار کے خیمہ میں پا پیادہ آیا تھا۔ ایک شخص اسکے سر پر ایک بڑا بھاری سرخ چھاتا لگائے ہوئے تھا۔ اور ایک پیادہ پیچھے پیچھے سفید گھوڑا لیئے آتا تھا جسکا ساز و سامان نہایت بیش قیمت تھا مسٹر ہنسین بیان کرتا ہے کہ امیر عبدالرحمن صورت سے نہ تو جوان اور نہ بوڑھا معلوم ہوتا تھا۔ اسکے اعضا بڑے بڑے اور مضبوط تھے مگر کسی طرح غیر موزون یا بےتعلیم نہ تھے۔ اسکے چہرہ سے ایسے آثار نمودار تھے کہ گویا وہ زمانہ کی سختی اور نرمی دونوں سے واقف ہی۔ مگر بحالت مجرمی وہ خوش خلق اور خوش مزاج معلوم ہوتا تھا۔ اُسنے اُس وقت بنگلوں کا کپڑا کی کوٹ پہنا ہوا تھا۔ پاؤں میں اس قسم کے بوٹ تھے جو عموماً سواری کے موقعہ پر کام آتے ہیں اور سر پر استرخانی کلاہ تھی۔ اس وقت سوائے شمشیر کے اور کوئی ہتھیار اُسکے پاس موجود نہ تھا۔

ہنگام گفتگو امیر عبدالرحمن نے میوند کے حادثہ کی نسبت اظہار ملال کیا۔ اور کہا مجھے آجکل روپیہ کی بہت ضرورت ہی سرکار انگریزی کو چاہیئے کہ ایسی امداد فیاضی سے کرے

تاکہ میری ضرورتیں رفع ہو جائیں مگر وہ ہی حالت نہ ہو جو اُس شخص کی ہوئی تھی کہ جو کچھ کپڑا الیکر ایک درزی کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے ایک کوٹ بنا دو۔ مگر درزی نے کہا کہ صرف کوٹ ہی یا پاجامہ بھی؟ اُس شخص نے کہا ہاں پاجامہ بھی۔ پھر درزی نے پوچھا۔ اسکٹ بھی؟ اُس شخص نے کہا ازیں چہ بہتر؟ پھر درزی نے پوچھا گتے؟ تہہ ایک قمیض بھی؟ اُس شخص نے کہا سبحان اللہ قمیض ہو جائے تو پھر کیا چاہیئے! آخر درزی نے سب چیزیں اُسی کپڑے میں سی تیار کر دیں۔ مگر اس شخص کے کام کی ایک بھی تھی۔ سب ایسی چھوٹی تھیں کہ اُسکے بدن پر ٹھیک نہیں آ سکتی تھیں۔ میری مثال اُس درزی کی طرح ہے میں آپکے سب حکام کو پہنانے کو تیار ہوں مگر مجھے اسقدر وسعت حاصل ہونی چاہیئے کہ سب کو خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دے سکوں۔ پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے تمسے شرمندہ ہونا پڑے اور جو کام کیئے جائیں وہ اُن سلے ہوئے کپڑوں کیطرح تمہارے پسند نہ آئیں۔

من طلب

امیر عبدالرحمن نے اِس خط پر صرف روپیہ ہی نہیں مانگا بلکہ یہ بھی کہا کہ مجھے نواب گورنر جنرل ہند کیطرف سے ایک نوشتہ بھی ملنا چاہیئے جو اپنے سرداروں کو دکھاؤں تاکہ انہیں میری بات کا یقین آجائے۔

چند دن کے بعد امیر عبدالرحمن کی اس خواہش کی پوری تعمیل ہو گئی۔ اور ایک مراسلہ حضور گورنر جنرل کیطرف سے اُنکے پاس پہونچ گیا جسمیں امیر عبدالرحمن کو والی کابل تسلیم کیا گیا تھا اور اُنسے وعدہ کیا گیا تھا کہ چونکہ سوائے انگریز کے اور کوئی تمہارا معاون نہیں ہے اسلیئے وہ وقت پر تمہاری امداد کو تیار ہیں اور وہ فی الحال تمہارے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرتے صرف ایک مسلمان ایجنٹ کابل میں سرکار انگلشیہ کیطرف سے متعین رہیگا۔

اِسکے بعد یکم اگست ۱۸۸۰ء کو ایک اور دربار منعقد ہوا اور چند دن اُسکے

بعد انگریز وہاں سے ہندوستان کی طرف رخصت ہو کر چلتے ہوئے انگریزوں نے چھ لاکھ پینسٹھ ہزار روپیہ نقد امیر صاحب کو دیا اور ستمبر میں سلیم پانچ لاکھ نقد دیا قطع نظر اسکے تین رتبے اپ ہی دیگئیں۔

انگریزوں کی مراجعت کابل سے

انگریزوں کے رخصت ہونیکے بعد امیر صاحب بالا حصار میں داخل ہوئے جو میوں نے انسے تاکید کردی تھی کہ یکشنبہ کے دن کابل میں داخل ہونا اور ایک انگوٹھی نیلم کی جسپر عبدالرحمن شاہ ۱۲۹۰ھ کے الفاظ کندہ ہوں تہہ میں کہنا چنانچہ وہیل صاحب نے لکھا ہے کہ امیر صاحب نے ایسا ہی کیا۔

ایک مرتبہ امیر صاحب نے اپنی مراجعت کی حالات اپنے دربار میں بیان کیے تھے جو حسب ذیل ہیں:

"پہلے کچھ عرصہ تک مجھے خبر نہ ہوئی کہ امیر شیر علیخاں برباد ہوگیا ہے۔ مگر جب مجھے خبر ہوئی تو میں نے روسیوں سے درخواست کی کہ مجھے رخصت دیں میں اپنے وطن کو جاتا ہوں گورنر جنرل نے مجھے صلاح دی کہ تم ہندوکش ہی اس پار نہ جانا فرنگیوں نے غازیوں کو جوش دلا رکھا ہے۔ وہ تمہاری جان کے دشمن ہیں۔ غرض میں وہاں سے رخصت ہو کر صرف ایک سو کے قریب آدمیوں کے ہمراہ بے سروسامانی کی حالت میں وطن کو روانہ ہوا میرے ہمراہ خیمہ و خرگاہ کچھ نہ تھے اور عجب طرح کی بیکسی ہماری حالت سے نمودار تھی۔ سرشہر کے قریب ایک منزل اور اس مقام کے حاکم نے مجھے اطلاع دی کہ امیر بخارا آپکے آنے کے منتظر ہیں انہوں نے تم لوگوں کے لیئے مہمانی وغیرہ طیار کرائی ہے اور تمہیں دو چار روز مہمان رکھکر رخصت کرینگے۔ جب ہم سبز شہر کے اندر جانے لگے تو معلوم ہوا کہ دروازہ شہر پناہ کا اندر سے بند ہے۔ ہم تھوڑی دیر انتظار کرکے شہر پناہ کے ساتھ ساتھ نصف میل تک چلے گئے۔ اتنے میں اس فصیل پر سے بیس پچیس آدمیوں نے ہمیں آوازیں دیں۔ یہ وہی میرے ہمراہی تھے جنہوں نے امیر بخارا کی ملازمت اختیار

امیر صاحب کے ملازموں کے عاودت کی کیفیت

کرلی تبھی مینے پوچھا دروازہ کیوں نہیں کھولتے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ امیر بخارا نے
تو تمہاری دعوت کے لیئے بڑی تیاریاں کی تھیں لیکن تمہارے خاوجان محمد خان
اور تمہارے جرنیل نصیر محمد خاں نے اُسکو ڈرا دیا کہ اگر تم شہر میں آئے تو تمام افغان
جو اس وقت بخارا میں ہیں ملازمت چھوڑ کر تمہارے ساتھ ہولیں گے اِسلیئے اُسنے
دروازہ بند کرا دیا ہے۔ لیکن صبر کرو جس وقت دروازہ کھلا ہم اُسیوقت تمہاری
خدمت میں حاضر ہو جائینگے۔ غرض ہم شہر سے چار کوس کے فاصلہ پر ایک میدان
میں آپڑے جہاں گھوڑوں کے لیئے تو بہت گھاس تھی لیکن ہمارے لیئے کوئی خوردنی
شئے دستیاب نہ ہو سکتی تھی۔ لاچار ہم سب گرسنہ سو گئے۔ دوسرے روز کوچ کرکے ایک
روز بستی میں جا قیام کیا جب وہاں سے آگے بڑھے تو راہ میں ایک جگہ دنبوں کا
گلہ نظر آیا۔ بعض آدمیوں نے مجھے ڈرایا کہ امیر بخارا کا لشکر ہمارے تعاقب میں آرہا
ہے ہم بھی تیار ہو گئے کہ بھاگ کر مرنے سے مار کر مرنا اچھا ہے۔ لیکن جب وہ قریب آئے
تو ہمیں سخت ہنسی آئی مینے اُس وقت سمجھا کہ ترکستان کا راہ اچھا نہیں بدخشاں کو
جانا چاہیئے جب سرحد بدخشاں میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ امیر شیر علیخاں مرحوم کا
حکم تھا کہ وہاں میرا کوئی نام نہ لے اور نہ میں اس سرحد میں قدم دھرنے پاؤں
وہاں کے لوگ مجھے مطلق نہیں پہچان سکتے تھے۔ مگر میری جمعیت دیکھکر لڑنے پر آمادہ
ہو گئے مینے اپنے سواروں کو سمجھایا کہ جنگ کرنا اچھا نہیں پھر میں تن تنہا مخالف
لوگوں کو سمجھانیکے لیئے آگے بڑھا۔ جب مینے علیک سلیک کے بعد جنگ کی وجہ پوچھی
تو اُنہوں نے جواب دیا کہ امیر شیر علیخاں کا حکم گورنر ترکستان کیطرف پہنچا ہے کہ عبدالرحمن
کو گذرنے نہ دو کہیں وہ تمہارے ملک پر قبضہ نہ کرلے مینے اُنکو سمجھایا کہ شیر علیخاں تو
مر چکا ہے اور اُسکے بیٹے قید ہو کر چلے گئے ہیں گورنر ترکستان تمہیں غلط خبر دی ہے
اگر عبدالرحمن خاں بادشاہ ہو جائے تو تمہیں کیا عذر ہے۔ اِسپر اُنہیں

خطہ بدخشاں میں
اور سفر

اطمینان ہو گیا اور میرے ہمراہ میرے لشکر میں چلے آئے۔ میرے آدمیوں نے ادب سے مجھے سلام کیا اور وہ حیران ہو گئے جب مینے کہا کہ عبدالرحمن میں ہی ناچیز ہوں تو اُنہوں نے آفرین کی اور کہا کہ شاباش تمہاری جوانمردی پر کہ تم تن تنہا ہمارے ہجوم میں چلے گئے تھے۔ اسکے بعد اُنمیں سے ایک نے آگے بڑھکر کہا تم مجھے پہچانو میں اعظم خاں کا خسر ہوں اور دوسرے نے کہا میں اُسکا خسر ہوں۔ اچھا ہوا ہم نے تم پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ تم ہماری قریبی رشتہ دار ہو پھر سردار اعظم خاں کے حالات دریافت کیئے۔ مینے اُنکے وفات کی خبر بیان کی اور اُنکے آدمی جو وہاں سلوٹ کر آئے تھے پیش کیئے۔ پھر اُنہوں نے مجھے شہر میں ڈیرہ کرا دیا اور سرکاری مکانات مجھے تفویض کیئے گئے اور تمام علاقہ بدخشاں میں سوار بھیجدیئے کہ اب ہمارا سردار آگیا ہے جہاں جہاں شیر علی کے آدمی ہیں وہ نکالدیئے جائیں یا آکر سلام کریں پھر لوگوں نے نذریں اور ضیافتیں کرنی شروع کیں۔ اور قریب ایک لاکھ روپیہ کے نقد۔ دو ہزار گھوڑے اور ہزارہا دنبے جمع ہو گئے۔ دو ماہ تک ہم وہاں ہی مقیم رہے اور تمام بدخشاں پر ہمارا قبضہ ہو گیا۔ جب قطغن میں خبر پہنچی تو میر مراد بیگ ایک لاکھ روپیہ نقد۔ بارہ کنیزیں اور چالیس گھوڑے بطور نذرانہ کے لایا۔ مینے عبداللہ خاں غلزئی کو جسکو کہ اب خطاب سرداری دیا ہے میر مراد بیگ کے ہمراہ قطغن کو بھیجا کہ شیر علیخاں کے آدمی نکالکر اُسکو وہاں کا حاکم بنا دو۔ اور اپنا انتظام کر لو۔ سردار اسحاق خاں اور سرور خاں ہم سے سبز شہر سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ مینے اُنکو ترکستان کیطرف روانہ کیا اور میں بدخشاں کو اسلیئے آیا کہ یہانکے لوگ اچھے ہیں اور اِدھر شیر علیخاں کی زیادہ فوج بھی نہیں کابل بھی اِدھر سے نزدیک ہے جب بہار کے آموں سے گذر سرور خاں اور اسحاق خاں ترکستان میں داخل ہوئے۔ تو اُنہوں نے گورنر ترکستان سے جو روک قوم سے تھا کہا

بدخشاں میں آمد بیگ

سردار اسحاق خاں ترکستان کی طرف بھیجا گیا

تم رعایا ہو اور اعظم خاں کے بیٹے شاہی خاندان سے ہیں۔ تم امیر شیر علیخاں کے ملازم ہو۔ مگر وہ خود مر گیا اور اسکے بیٹے قید ہو گئے ہیں۔ اب بحکم شرع ہمیں حکومت اس ملک کی پہنچتی ہے۔ تم ہمیں اپنے بادشاہ تسلیم کر کے گو۔ زنبے ہو۔ اُسنے اسپر سردار خاں کو قتل کر دیا۔ یہہ خبر سنکر افسران فوج ترکستان سخت برافروختہ ہوئے۔ کیونکہ وہ امیر افضل خاں والد عبدالرحمن خاں کے قدیم نوکر تھے۔ وہ اپنے جرنیل کو قتل کے مارنے پر آمادہ ہوئے۔ صرف ایک سو آدمی کی اردل سمیت بخارا کو بھاگ گیا۔ اور فوج نے اسحاق خاں کی اطاعت منظور کر کے اُسے ترکستان کا حاکم تسلیم کیا۔

باب ششم

حکومت کابل

ڈاکٹر بیلیو سی ایس آئی کمشنر حفظان صحت پنجاب کی تحریر کے بموجب معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کے کابل سے چلے آنے کے بعد امیر عبدالرحمن خاں نے تمام خبر رسانی کا راستہ ہندوستان کیطرف مسدود کر دیا۔ اور امیر شیر علیخاں کے ہواخواہوں کو یا تو مروا دیا یا چُن چُن کر نکلوا دیا۔ ایک اور سرے بیان سے معلوم ہوا ہے کہ تمام عمارات شاہی جو امیر شیر علیخاں کے وقت استعمال میں آتی تھیں یا تو گرائی گئیں یا دوسرے کاموں کے سپرد کی گئیں۔ یہانتک کہ امیر شیر علیخاں کے دربارگاہ کو اصطبل بنا دیا گیا۔ اسکے بعد امیر صاحب نے اپنے عیال و اطفال کو کابل میں بلوایا۔ ۲۲ نومبر ۱۸۸۰ء کو امیر صاحب نے عتیق اللہ خاں کی دختر بلند اختر بی بی حلیمہ سے شادی کی جو اسوقت حرم سرائے کی ملکہ اور سلطانہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان بیگم سے امیر صاحب نے عجیب طرح سے شادی کی۔ کسیکو خبر تک نہ تھی کہ ایسی شادی ہونیوالی ہے اور دفعتاً امیر صاحب کابل سے غائب

سلطانہ سے شادی

ہو گئے۔ اور دو دن تک غائب رہی۔ لوگوں میں یہ افواہ اڑ گئی کہ امیر عبدالرحمن خاں کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ مگر بعد ازاں معلوم ہوا کہ وہ اپنی دلہن کے مکان پر تشریف رکھتے ہیں۔

اس شادی کے بعد امیر صاحب عیش و عشرت میں نہیں پڑ گئے۔ بلکہ بدستور امور سلطنت میں نہایت گرمجوشی سے مشغول رہے امیر صاحب کو مسند پر بیٹھکر کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا۔ انکا تسلط شمال کوہ ہندوکش میں اچھی طرح جم چکا تھا مگر میمنہ کا اوزبک سردار ابھی تک باغی تھا میمنہ رقبہ میں ہرات کے ۱/۳ حصہ کے برابر ہے مگر اسکے گرد بڑی مضبوط دیوار اور خندق ہے میمنہ کے فتح کرنے میں امیر صاحب کو بہت دقت پیش آئی اور بڑی دشواری کے بعد یہ جگہ ۱۸۸۴ء میں فتح ہوئی جب سردار ایوب خاں قندھار پر بلوے کر رہا تھا تو امیر صاحب نے چند روز کابل میں ٹھہکر اور حکومت کابل پروانہ خاں کو سپرد کر کے فوراً قندھار کا قصد کیا۔ وہاں پہنچکر ایک ہی لڑائی ہوئی جسمیں سردار ایوب خاں کو شکست ہو گئی اور کل فوج اور سردار امیر صاحب سے آملے۔ ایک قندھاری مولوی نے فتوے دیا تھا کہ امیر چونکہ انگریزوں کا دوست ہے اس سے غزا روا ہے۔ امیر صاحب نے اسکو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ اور اسکے بیٹے کو کابل میں ہمراہ لے آئے جو اب تک موجود ہے اور دو ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ پاتا ہے۔

سردار ایوب خاں کا قندھار پر شکست کھانا اور ہرات سے نام و نشان

قندھار سے سردار ایوب خاں بھاگ کر ہرات کو گیا تو وہاں کے لوگوں نے شہر کا دروازہ بند کر لیا۔ اور امیر صاحب کی حکومت منظور کی۔ ایوب خاں بھاگ کر ایران کو چلا گیا اور وہاں سے ہندوستان میں لاکر راولپنڈی میں بہت سے ہمراہیوں کے رکھا گیا جو سرکار انگریزی سے وظیفہ پاتا ہے۔

۱۸۸۳ء میں امیر صاحب نے شغنان اور روشان کیطرف توجہ مبذول کی ان دونوں صوبوں اور ریاستوں کا حاکم میر شاہ یوسف علی تھا جو اپنے آپ کو شاہ خوش کی اولاد سے

بتاتا ہنلکہ جسنے بخارا سے آکر ساتویں صدی میں یہاں کے باشندوں کو دین اسلام کی تلقین کی تھی۔ کہتے ہیں کہ جب سکندر ذوالقرنین بغداد فتح کرنیکے ارادہ سے ادھر آیا تو ایک زبردست ساحر نے اُسے مسحور کرکے طلسم بند کردیا تھا کے بعد سکندر کی دختر کو جو پری تھی یہہ حالی معلوم ہوا اور بابل سے کر وہاں آئی ساحر کو قتل کیا اور سکندر کو آزادی دی۔ اس قسم کی روایتیں اور کہانیاں یہاں کے باشندوں میں بہت مشہور ہیں۔ سر ہنری رالنسن بیان کرتے ہیں کہ سکندر کی معشوقہ روشنک یہیں کی رہنے والی تھی۔ غرض یہاں کی عورتیں نہایت حسین اور مہ جبین ہوتی ہیں اور خوقند کے خان یہاں سے خراج میں عورتیں ہی لیا کرتے تھے۔ کپتان وڈ صاحب بیان کرتے ہیں کہ اکثر ان انکے روبرو مراد بیگ والی قندز کو پندرہ دوشیزہ کنیزیں بطور خراج کے دیگئی تھیں شاہ یوسف علی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بڑا شقی القلب اور سنگدل شخص تھا اُسنے اپنی سوتیلی والدہ کو مشک میں بند کرواکے دریا میں ڈلوادیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اُسے سنگسار کردو۔ یہاں غلاموں کی تجارت بہت ہوتی تھی اور اگر کوئی بدبخت اُس کو ناراض کرتا تھا تو فوراً غلام بناکر بیچ ڈالا جاتا تھا۔ ۱۸۳۸ء میں ڈاکٹر البرٹ ریگل روسی سیاح شغنان میں آیا اور شاہ یوسف علی نے اُسکی مہمانداری کی۔ امیر صاحب کو اس بات سے سخت طیش آیا کہ کیوں روسی ڈاکٹر یہاں گھسنے پایا اور ۱۸۴۳ء میں شاہ یوسف علی کو کابل بلاکر قید کرلیا۔ اور گلزار خاں ساکن قندہار کو وہاں کا حاکم بناکر بھیجدیا۔ یہہ وہی شخص تھا جسنے ایک دوسرے روسی سیاح مسٹر اِیغناف کو وہاں آنیکی اجازت نہ دی تھی۔ امیر صاحب کے شغنان پر قابض ہونے سے روسی بہت چیلے کودی۔ اُنہوں نے اس بات پر زور دیا کہ شغنان اور روشان علاقہ روس یعنی فرغانہ سے ملحق ہیں اور انکا خود مختار

روشان و شغنان کا حالت

رہنا واجب ہے۔ اس بات پر بہت دیر تک خط و کتابت ہوتی رہی اور انگریز بھی دخل دیتے رہے۔ مگر آخر کو کچھ بھی نہ ہوا۔ اور دونوں مقام امیر صاحب کے ہی تحت میں رہے۔ اور اگر نظر انصاف سے دیکھا جاوے تو امیر صاحب کی حکومت وہاں کے لوگوں کے لیئے نعمت غیر مترقبہ ہے کیونکہ انہوں نے بردہ فروشی کو یک قلم بند کر دیا ہے۔ ۱۸۹۱ء میں امیر صاحب نے اپنے جرنیل غلام حیدر خاں کو کافرستان کیطرف قدم بڑھانے کو کہا مگر انگریزوں نے ۱۸۹۳ء میں منع کر دیا کہ آپ مداخلت نہ کریں لیکن ۱۸۹۴ء کے سر مارٹیمر ڈیورینڈ کے مشن کے قرارداد کے مطابق کہ جسکا زیادہ ذکر آگے چلکر آئیگا۔ امیر صاحب نے اسی جنرل کو دوبارہ ۱۸۹۶ء میں کافرستان کی مہم سر کرنیکو بھیجا اور کافرستان کو فتح کر کے قلمروئے افغانستان میں شامل کر لیا۔ جب سے امیر عبدالرحمن خاں والی کابل ہوئے ہیں ہمیشہ سرکار انگلشیہ انہیں روپے سے مدد دیتی رہی ہے۔ چنانچہ ایک کتاب میں لکھا ہے کہ جون ۱۸۸۱ء تک مفصلہ ذیل رقوم امیر صاحب کو دیگئیں:-

سرکار انگلشیہ کی امداد سلطنت افغانستان کو

رقم جو کابل میں ماہ اگست ۱۸۸۱ء میں دیگئی۔ مبلغ چھ لاکھ پینسٹھ ہزار روپیہ ۶۶۵۰۰۰

رقم جو لنڈی کوتل میں ستمبر ۱۸۸۱ء " - مبلغ پانچ لاکھ روپیہ۔

رقم جو پشاور میں اکتوبر ۱۸۸۱ء " - مبلغ سات لاکھ روپیہ

رقم جو پشاور میں جنوری ۱۸۸۱ء میں دیگئی۔ مبلغ ایک لاکھ روپیہ

رقم جو فروری ۱۸۸۱ء میں پشاور بھیجی گئی۔ مبلغ پانچ لاکھ روپیہ

رقم جو قندہار میں امیر صاحب کے گماشتہ کو اپریل ۱۸۸۱ء میں دیگئی۔ مبلغ پانچ لاکھ روپیہ

رقم جو پشاور میں جون ۱۸۸۱ء میں دیگئی۔ مبلغ پانچ لاکھ روپیہ

رقم جو قندہار میں اپریل مئی اور جون ۱۸۸۲ء میں دیگئی۔ مبلغ ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ

میزان - چھتیس لاکھ پندرہ ہزار روپیہ

یہہ رقوم صرف ۱۸۸۰ء و ۱۸۸۱ء کو سطح کی دیگئیں[۱] اور اب بھی ہر سال بہت سا روپیہ امیر صاحب کی نذر کیا جاتا ہے۔ لارڈ رپن وائسرائے ہند کے عہد حکومت میں جب روسیوں نے مرو کے معاملہ میں چھیڑ چھاڑ شروع کی اور افغانوں کو خوف پیدا ہوا کہ روسی ہماری گوشمالی پر آمادہ ہیں تو امیر صاحب کے پاس لارڈ رپن نے ایک مراسلہ بھیجا جسکا مضمون یہ تھا کہ آپ مطلق خوف نہ کریں ہم ہر طرح آپکا ساتھ دینے کو تیار ہیں۔ جون ۱۸۸۳ء میں جو خط لارڈ رپن نے امیر صاحب کے نام لکھا اُسکا مضمون یہہ ہے۔ "اِن باتوں کا لحاظ کرکے ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ آپ کو بارہ لاکھ روپیہ سالانہ دیا کریں۔ جو آپ کو ماہ بماہ دیا جاویگا۔ یہہ آپکی فوج کے اخراجات کے لیئے ہے تاکہ آپ شمالی اور مغربی سرحد کو مستحکم کریں اور دشمنوں کے حملہ سے بچائیں۔ اور ہمیں آپکے تجربہ۔ لیاقت اور شجاعت سے یقین کامل ہے

بارہ لاکھ کا وظیفہ مقرر ہوا

[۱] بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۸۵۶ء سے لیکر ۱۸۸۰ء تک حسب مقدار ذیل ماہانہ سرکار انگریزی سے امیر کابل کو دیا ہے:-

سال	نقد روپیہ	غلہ	بندوقیں	توپیں	بارود	سرخ کپڑا	سبز کپڑا	کمخواب
۱۸۵۶ء	پانچ لاکھ	۰	چھ ہزار چقماقی	۰	۰	آٹھ لاکھ	۰	۰
۱۸۵۷ء	ایک لاکھ	۰	پانچ ہزار	۰	۰	دس لاکھ	۰	۰
۱۸۶۵ء	بارہ لاکھ	جرو توپ	دس ہزار	۰	۰	بیس لاکھ	تینتیس سو	۰
۱۸۷۰ء	دو لاکھ	۰	۰	ایکہزار	ایک ہزار دو سو	۰	۰	پچاس ہزار
۱۸۷۲ء	دو لاکھ	۰	ایکہزار	۰	دو سو	۰	ایک لاکھ	۰
۱۸۷۳ء	دس لاکھ	۰	۰	۰	۱۵ ہزار ریفل پانچ ہزار پستول ریفل	۰	۰	۰
۱۸۷۹ء	پچاس ہزار	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰
۱۸۸۱ء	پچاس لاکھ	۰	۰	۰	۰	تین ہزار	۰	۰
۱۸۸۰ء	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

کہ آپ اس روپیہ کو بطرز مناسب استعمال میں لائیں گے۔"

امیر صاحب نے ۱۱ جولائی ۱۸۸۳ء کو مفصلہ ذیل جواب اس مراسلہ کا دیا:۔

بارہ لاکھ کا شکریہ

"میں یہ خوشخبری افغانوں کو سناؤں گا۔ اور وہ سنکر نہایت خوش ہونگے میں دیکھتا ہوں کہ افغان سالہا سال سے مصیبت جھیل رہے تھے۔ باری شکر کا مقام ہے کہ یہ فیاض گورنمنٹ اسکے حال پر مہربان ہوئی ہے۔ اگر خدا کو منظور ہوا تو افغان کبھی راہ دوستی سے منحرف نہیں ہونگے۔ اور جبتک میرے دم میں دم ہے میں بھی سوائے اس عظیم الشان سلطنت کے اور کسی کی دوستی کا دم نہیں بھروں گا میں حق سے دعا مانگتا ہوں کہ اس عالیشان سلطنت کی شان و شوکت میں ترقی ہو۔"

لارڈ رپن کے زمانہ میں امیر صاحب کا ارادہ تھا کہ ہندوستان میں آئیں اور لاٹ صاحب سے ملاقات کریں۔ مگر ایسے اسباب پیدا ہوتے گئے کہ یہ ارادہ پورا نہ ہوا۔ آخر کار لارڈ ڈفرن بہادر کے زمانہ میں یہ ضروری معلوم ہوا کہ امیر صاحب سے دو بدو گفتگو کیجاوے۔ بعض مدبران ملک کا یہ خیال تھا کہ ہم امیر کو ہر سال زر کثیر دیتے ہیں اور ہتھیار اور دیگر آلات حرب بھی بھیجتے ہیں مگر آجتک ہمیں یہ یقین نہیں ہے کہ امیر ہماری دوستی پر قایم ہے امیر کے حرکات اور سکنات ایسے ہیں کہ جن سے دوستی ظاہر نہیں ہوتی۔ بڑا ثبوت اس بات کا یہ ہے کہ امیر نے ان لوگوں سے نہایت سختی سے برتاؤ کیا ہے جو ہمارے مخلص اور دوست تھے۔ ان باتوں کا فیصلہ کرنیکے لیے لارڈ ڈفرن نے مناسب سمجھا کہ ضرور امیر صاحب سے بالمشافہ گفتگو ہونی چاہیے۔ چنانچہ امیر صاحب کو لاٹ صاحب نے اپنے ارادہ سے اطلاع دی اور امیر صاحب نے ہندوستان میں آنا فوراً منظور کر لیا۔ شہر راولپنڈی مقام دربار کے لیئے تجویز کیا گیا۔ اور بڑی دھوم دھام سے تیاریاں شروع ہوئیں۔ کہتے ہیں اگرچہ شان و شوکت میں یہ دربار دہلی کے دربار سے دوسرے درجہ پر تھا مگر اسکی بھی رونق قابل دید تھی صرف ہرج یہ ہوا کہ بارش نے زور ڈالدیا۔ مینہ موسلا دھار برسنے لگا۔

اور اس شدت سے برسا کہ گویا اُس روز برس کر بہر نہ برسیگا۔ اس لیے محل باشر نے چاندماری اور لشکر کے ریویو کا لطف خراب کر دیا۔ لیڈی ڈفرن نے اپنے خطوط میں اس دربار کا تذکرہ اس طرح پر کیا ہے۔ امیر جو ایک خوبصورت تنومند آدمی ہے شوخ نارنجی رنگ کا پیراہن پہنے ہوئے تھا۔ اُسکے پاؤں میں گھٹنوں تک روسی بوٹ تھے۔ اور اُسکے رسالہ کے سوار اُسکے جلو میں تھے۔ امیر اپنے بلاد کو بھی ہمراہ لایا تھا۔ جسنے سرخ مخمل کا جامہ پہنا ہوا تھا۔ اور اُسکی کمر میں ایک کلہاڑی اور ایک پھانسی کی رسّی تھی۔ پھر اس خط میں لیڈی صاحبہ لکھتی ہیں۔ "امیر کی خصلت میں تم سے بیان کرتی ہوں۔ کل صبح وہ تین گھنٹے تک گلدستہ تیار کرتا رہا۔ اور چالیس گلدستہ تیار کیئے۔ اور پھر کہا کہ ہر روز ہمیں گلدستے بھیجے جایا کریں اور یہ وہ شخص ہے کہ جب اپنے ملک میں ہوتا ہے تو لوگوں کے سر کاٹتا ہے اور اُنکو پھانسی پر چڑھاتا ہے۔"

امیر کا لاؤ لشکر اور پھانسی کی رسّی آنا

۶۔ اپریل ۱۸۸۵ء کو لارڈ ڈفرن نے امیر عبدالرحمٰن کی دعوت کی اور لاٹ صاحب موصوف نے امیر صاحب کی صحت کا جام نوش کیا۔ اُس وقت سب حیران رہگئے۔ جبکہ امیر صاحب کھڑے ہوگئے اور ایک اسپیچ دی۔ جسمیں اُنہوں نے انگلستان اور افغانستان کی دوستی کا اظہار کیا۔ انگریزی فوج کی تعریف کی اور امید ظاہر کی کہ افغانستان بھی ہندوستان کی طرح جسکے ساتھ اُسکی بہبودی وابستہ ہے ایک دن سرسبز اور شاداب ہوجائیگا۔

۱۰۔ اپریل ۱۸۸۵ء کو یہہ عظیم الشان دربار منعقد ہوا۔ اس دربار کی رونق کا کیا کہنا۔ چاروں طرف سنہری روپہلی وردیاں آنکھوں کو چوندھیاتی تھیں اور دربار کا خیمہ ایک بقعہ نور نظر آتا تھا۔ اس دربار میں علاوہ وائسرائے بہادر لارڈ ڈفرن کے امیر عبدالرحمٰن خان۔ ڈیوک آف کناٹ سر فریڈرک رابرٹس کمانڈر انچیف ہند۔ صاحب لفٹنٹ گورنر پنجاب۔ لفٹنٹ گورنر صاحب ممالک مغربی و شمالی اور سات

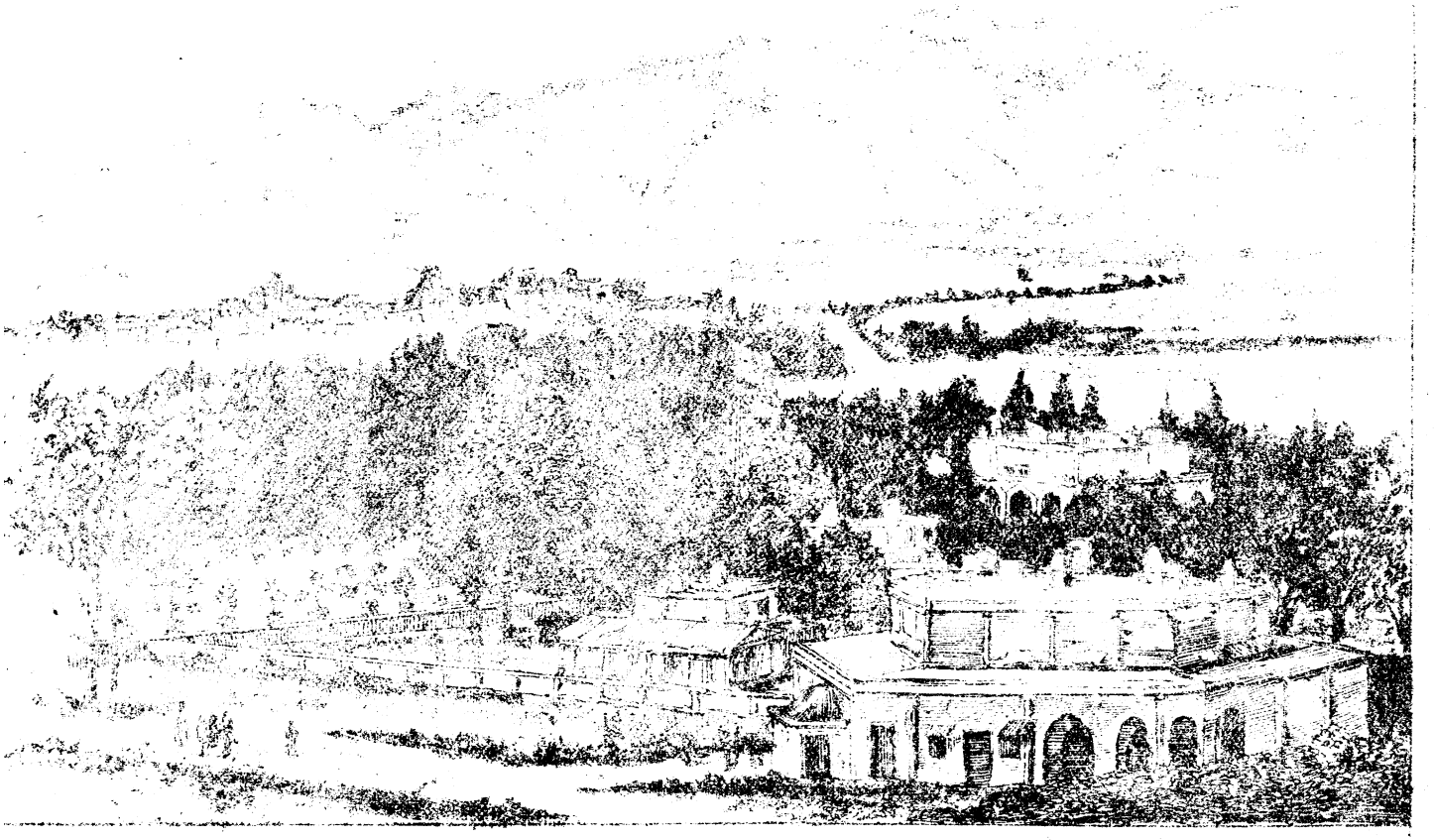

راجگان پنجاب موجود تھے۔ مہاراجہ صاحب پٹیالہ نے اُس وقت جو رنگین و ستار زیب سر کی ہوئی تھی اُسمیں یاقوت اور الماس کی لڑیاں لٹک رہی تھیں نواب صاحب بہاولپور کے سر پر جو تاج تھا اُسمیں بڑے بڑے ہیرے جڑے ہوئے تھے اور مہاراجہ صاحب نابھہ تو اُس وقت صلیبی لڑائیوں کا ایک نائٹ معلوم ہوتا تھا جب تحفہ تحائف پیش ہو چکے تو امیر صاحب نے درخواست کی کہ مجھے چند الفاظ کہنے کی اجازت دیجاوے۔ وائسرائے نے منظور کیا اور امیر صاحب نے فارسی میں مفصلہ ذیل تقریر کی:-

امیر صاحب کی تقریر

"میں اُس نوازش اور توجہ کا نہایت مشکور ہوں جو وائسرائے اور ملکہ معظم نے میرے حال پر کی ہے اور اس نوازش کے عوض میں میں اپنی فوج اور لوگوں کے ساتھ جو خدمت سرکار دولتمدار چاہے کرنے کو تیار ہوں اور چونکہ سرکار نے وعدہ کیا ہے کہ اگر کوئی غنیم افغانستان پر چڑھ آیا تو اُسکے دفع کرنے میں مدد کریگی اسلیئے ہمارا بھی فرض ہے کہ استقلال کے ساتھ ہمیشہ سرکار عالی وقار کے ساتھ وفاداری کریں۔"

جسوقت امیر صاحب تقریر کر رہے تھے تو عجیب لطف ہوا منجملہ اُن تحائف کے جو امیر صاحب کو دیئے گئے تھے۔ ایک کل کی انگریزی بولنے والی چڑیا بھی تھی جو خود بخود اس وقت بولنے لگ پڑی۔ مگر اُسکی سُریلی آواز نے امیر صاحب کی فصاحت میں خلل اندازی نہیں کی۔ بلکہ اُسکی رونق کو دوبالا کر دیا۔ غرض امیر صاحب کی تقریر پر خوب تالیاں پٹی گئیں اور اُنکے اظہار دوستی پر ادنے اعلے خوش ہوئے۔

راولپنڈی میں امیر صاحب نے اعلے درجہ کی لیاقت اور سنجیدگی ظاہر کی بلکہ ایک دفعہ جبکہ ایک معاملہ میں لاٹ صاحب نے دیر تک جانا چاہا اور پوچھا کہ آپکی رائے اور تجویز کیا ہے تو امیر صاحب نے جواب دیا کہ یہ مناسب سوال نہیں ہے۔ مگر لارڈ

دانت ہندوستان پر ہی اور وہ اسکو سونے کی چڑیا سمجھتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں کہ جسطرح ہوسکے یہ ملک انکے قبضہ میں آجائے مگر تاوقتیکہ وہ افغانستان کے درمیان سے نہ گذریں وہ ہندوستان کو کسی طرح نہیں لے سکتے۔ پس وہ یہ حکمت عملی کرنا چاہتے ہیں

افغانستان کے حق میں اس کی دوستی بہتر ہے یا انگریزوں کی؟

بندوق کے وہی نشانہ ہونگے اور انگریزوں کی گولہ باری سے انکی ہزارہا جانیں ضائع ہوجائینگی اور اگر وہ شکست کھاکر لڑنے سے منہ موڑیں گے تو روسی بلا تامل انکو مار دینگے پس پہلا شرہ روس کے ساتھ دوستی کرنے کا ہوگا یہ بیان کیا گیا۔ دوم اگر وہ خود ہی اپنی فوج کی حفاظت اور امن کی غرض سے افغانوں کے تہیا نہ لیں تو پھر انکے لئے ضرور ہوگا کہ ہر ایک شہر و قلعہ میں اپنی تھوڑی تھوڑی فوج چھوڑ جاویں۔ کیونکہ افغان بھی مسلح ہونگے جب یہ صورت ہوگی تو انکو اس فوج اور حملہ آور فوج اور کمک وغیرہ کے لئے سامان کی نہایت ضرورت ہوگی۔ اس وقت اگر افغان روسیوں کو خوراک وغیرہ اشیاء نہ دیں تو وہ انکا ضرور دشمن سمجھیں گے اور ہرگز دوست خیال نہیں کرینگے جب روسی انکے ملک میں داخل ہوگئے تو پھر انگریزوں سے دشمنی ہونے میں کیا شک باقی رہا۔ اس وقت یہی سمجھا جائیگا کہ افغان لوگ سیدھی کو خود لائے اور انکی رہنمائی کی۔ اس صورت میں سامان رسد رسانی بھی ضرور مہیا کرنا پڑے گا۔ جس سے تھوڑے ہی عرصہ میں کابل کے اندر اناج کا تخم باقی نہیں رہیگا۔ اور اگر کچھ ہوگا بھی تو وہ سب روسیوں کے کام میں ہوگا۔ لوگ بھوک کے مارے شہر چھوڑ کر بھاگ جاوینگے۔ افغانوں کے ویران اور برباد ہوجانے سے روسیوں کی مطلب براری نہایت آسانی سے ہوجاویگی پس اگر خدانخواستہ روسی شہر کابل میں داخل ہی ہوگئے تو انکے زن و مرد پر انکا دست تصرف ضرور پڑے گا۔ اور جہاں کہیں روسیوں کا کیمپ ہوگا وہاں زنا بے شبہ ہوگا۔ افغان لوگ ایسے غیرتمند ہیں کہ اگر وہ اپنی محترم عورت کو غیر مرد کے ساتھ گفتگو کرتے دیکھ لیں گے تو بلا تامل اسی وقت انکو قتل کر دینگے۔ اگرچہ عیسائی مذہب میں اسکی کچھ پروا نہیں۔ کیونکہ انکی عورتیں مردوں پر حاکم ہیں اور وہ مرد غیر کے ساتھ جب انکی خواہش ہو بلا خوف باتیں کرسکتی ہیں۔ پٹھان لوگ اپنی عورت تو بجائے خود رہی اگر کوئی غیر شخص مذہب اسلام کے خلاف کوئی امر کرتے ہوئے انکو نظر آجاوے تو وہ اسی وقت اسکو جان سے مار دیتے ہیں۔ اگر روسی رعایا کے حاکم و فوج سے کسی واقعہ پر باز پرس کرینگے کہ ہمارے سپاہی کو کیوں نے مار دیا تو بعد تحقیقات (دیکھو صفحہ ۷۱)

کہ پہلے تو ہمیں کہینگے کہ ہمارا افغانستان سے کچھ تنازع نہیں ہمیں صرف راستہ دیدو تاکہ ہم گذر کر ہندوستان پر حملہ کریں۔ پھر وہ یہہ کہیں گے کہ ہماری اطمینان کے لیئے افغان نہیں والیں کیونکہ ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم پر پیچھے سے حملہ آور نہ ہوں۔ اب جائے غور ہے کہ اگر افغانوں نے

حکم جواب دیگا کہ یہاں خدا کے نافرمان کو قتل کرنا جرم نہیں سمجھتے جب لڑائی یہاں پہونچی تو روسی دشمنی سے مبدل ہو جاویگی اور ہنگامہ برپا ہو جاویگا پس بدیں صورت پٹھانوں کی دوستی روسیوں کے ساتھہ رہنی جبکا مقصد ہندوستان کا فتح کرنا ہی بہت محال اور ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ روس کا عندیہ ہماری رعایا اور فوج کو برباد کرنیکا ہے جس وقت ملک تباہ ہوگیا تو خواہ وہ دوست ہو خواہ وہ دشمن سب بیکار محض ہے۔ امیر شیر علیخاں بڑا ناعاقبت اندیش تھا جسنے اس راستہ پر چلکر خود کو اور اپنی رعیت کو مصیبت میں ڈال لیا تھا۔

افغان صدق دل سے برٹش گورنمنٹ کے دوست ہیں کیونکہ انگریزوں کا روسیوں پر حملہ کرنیکا ہرگز ارادہ نہیں۔ روسیوں کو افغان لوگ اپنا دشمن برباد کنندہ خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہندوستان کو فتح کرنیکا خیال نہیں چھوڑتے۔ اگر روسی کہیں کہ ہم ہندوستان کو افغانستان کے پہاڑی فارس کے راستہ سے جاوینگے بلکہ افغانستان کے ساتھہ انکا کچھہ سروکار نہیں۔ مگر پھر بھی یہ خیال رہے کہ روسیوں کی یہہ حرکت بھی افغانستان کے لیئے بہرصورت مضر ہے مفید نہیں ہے جبتک برٹش افغانوں کی محافظ اور دوست ہی ہم روسیوں کے برے ارادہ سے بچ نہیں سکتے روسی کسطرح پٹھانوں کے ساتھہ موافق ہوسکتے ہیں جبکہ وہ انکا ملک چھوڑکر فارس کے راستہ سے انکے دوست پر حملہ کرنیکے لیئے جاتے ہیں روسی خواہ کچھہ ہی اس معاملہ میں کہیں وہ سب پٹھانوں کے لیئے دھوکا اور فریب ہے۔ پٹھانوں کو چاہیئے کہ وہ روسیوں کو اپنی سرحد کے پاس سے ہوکر فارس میں داخل ہونے سے روکیں کیونکہ وہ ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور انکا مطلب صرف یہہ ہے کہ سرحد پر قبضہ کرلیں اور پھر افغانستان میں سے گذر کر ہندوستان میں جانیکے لیئے صاف اور سیدھی سڑک نکال لیں۔ یہہ تو صاف ظاہر ہے کہ جب انہوں نے افغانستان پر بھی حملہ کیا تو پھر ممکن ہے کہ وہ پٹھانوں کو اس اور چین سے رہنے دینگے پس اسمیں بہتر ہے کہ آج ہی انکے ساتھہ لڑکر انکی حرکات کو روکا جاوے تاکہ وہ کل ہم پر قابو پاکر ہمکو برباد نہ کردیں۔ دیکھو تو جب یعقوب خان جانتا تھا کہ اسکی رعایا عیسائیوں کو اپنے ملک میں

(دیکھو صفحہ ۸۰)

چکلے سے روسیوں کی بات مان لی تو اُن جیسا نامرد اور بزدل کوئی نہیں۔ وہ عورتوں سے بدتر ہوگئے اور باپ دادا کے نام کو بٹہ لگا دیا اور روسیوں کے دل کی مراد بر آئی۔ لیکن اگر افغان یہہ کہیں گے کہ ہم تنہا رہنیں حوالہ کرتے۔ تو روسی کہیں گے

رکھنا پسند نہیں کرتی۔ تو وہ کیوں انگریزی رزیڈنٹ کو اپنے ساتھہ لیگیا۔ اُسنے کیوں نہیں انگریزوں سے مسلمان رزیڈنٹ مانگا اور صفت میں انگریزی رزیڈنٹ کو قتل کروا دیا۔ جس سے دونوں قوموں کے درمیان جنگ کی آگ بھڑک گئی۔ آخر کار خود آگ میں جا پہنسا۔ یہہ بیوفائی اُسنے اپنے باپ سے میراث میں پائی تھی۔ اُسنے جو کچھہ کیا وہ اُسکی رعایا کے لیئے جسکو وہ بے مدد چھوڑ گیا تھا ذرا بھی مفید اور کارآمد نہ تھا۔ اُسکی رعایا کو خود جنگ کا خیال آیا اور وہ بغاوت کرکے لڑی اگرچہ اُسکے سر پر کوئی لایق افسر اور سربراہ نہ تھا۔ پھر بھی رعایا نے خود ہی جس کسی نے اُسکی کمان لینی چاہی مثلاً فقیر غازی نے اُسی کو اپنا کمانڈر منظور کر لیا جب یہہ شخص میرے پاس آیا اور مینے اُسکا حسب نسب دریافت کیا تو یہہ ہرات کے ایک بڑے کمینہ خاندان کا نکلا جب ایسے آدمی انگریزوں کی فوج کے مقابلہ پر آئے تو جو کچھہ نتیجہ نکلا وہ سب کو معلوم ہے۔ ہزارہا آدمی قتل ہوئے۔ کابل۔ غزنی۔ قندہار کے درمیان بغاوت کی آگ بھڑک اُٹھی اگر اُس وقت میں خود درمیان آکر انگریزوں کے ساتھہ دوستی پیدا کرکے اپنے لوگوں کو بہتری کا راستہ نہ دکھلاتا تو یہہ آگ کبھی فرو نہ ہوتی۔ اب میں بخدیہ کے ہنگامہ اور جنرل لسٹن کی خودرائی کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر جنرل موصوف فوجکی مدد منظور کرتا تو میں اُسکو کابل سے ہرگز نہ جانے دیتا تھا۔ روسی کبھی اُسپر حملہ نہ کرتے اور اگر وہ حملہ بھی کرتے تو کامیاب نہ ہوتے اور بخدیہ ہاتھہ سے نہ جاتا اور جمشیدی وغیرہ فوجیں جنمیں بیس ہزار جنگی آدمی ہیں روسیوں کے ساتھہ ملجانے کی ترغیب میں نہ آجاتے جب میری فوج نے دیکھا کہ روسی غالب آگئے تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ باغیوں نے جاکر روسیوں سے کہدیا کہ ملک خالی ہے تم آجاؤ تو روسی اُسیوقت حوصلہ کے ساتھہ آگئے اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ افغان فوج کو جنرل لسٹن کی بے وقوفانہ رائے کے باعث زک اُٹھانی پڑی۔ جنرل کو یہہ سمجھہ لینا چاہیئے تھا کہ روسیوں کی دوستی افغانوں کے لیئے کسیطرح مفید نہیں۔ جنگ وہ ہندوستان پر حملہ کرنیکا ارادہ نہ چھوڑ دیں۔ اُنپر کیا منحصر ہے جو فوج افغانستان

اچھا اگر تم ہمارے دوست ہو تو ہمکو اس جنگ میں مدد دو چنانچہ وہ ہر قوم سے ہمارے جوان اور رہوار آدمی چن کر انگریزوں کے مقابلہ میں لیجائیں گے انگریز بھی ایسا نرم لقمہ نہیں ہیں کہ انہیں کوئی بہ آسانی نگل جائے۔ اس وقت روسیوں کا کچھ نہیں

ہیں گذرے اور پٹھانوں پر آفت لادی وہ اُسکی سخت دشمن ہے مثلاً فارس والے اگر چینیوں کے ساتھ لڑنے کے واسطے افغانستان میں سے گذریں یا چینی افغانستان کے راستہ سے فارس پر جاویں جسطرح یہ سب اُسکے دشمن ہیں اُسی طرح انگریز بھی اگر افغانستان سے ہوکر روسیوں پر حملہ کرنیکی خاطر ترکستان کو جاویں تو وہ بھی اُسکے دشمن ہیں پس اس صورت میں کچھ فرق نہیں خواہ عیسائی ہوں یا روسی سب ایک سے ہمارے دشمن ہیں حقیقت میں اُس سے بڑھکر پٹھانوں کا کوئی دشمن نہیں جو انکو پائمال کرکے انکے ملک سے گذرنا چاہے جب یہ صورت ہے تو دانشمند اور ہوشیار افغانوں کو مناسب ہے کہ کبھی روسیوں کی دوستی کا دم نہ بھریں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ افغان لوگ نادان ہیں وہ اپنے فایدہ کو نہیں سمجھتے وہ سراسر غلطی پر ہے افغان اپنے فایدہ کے سوچنے سمجھنے کے لیئے پوری پوری قابلیت اور لیاقت رکھتے ہیں کیونکہ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو یہ کب ہو سکتا تھا کہ وہ مجھکو بلاتے اور انگریزوں کے ساتھ لڑنیکے موقع پر میری رائے کو کام میں لاتے۔ میں انکے ملک میں گیا اور انکی افسری کی اور انکو بتا دیا کہ انکے واسطے کونسی بات بہتر اور فایدہ مند ہے اور آیندہ انکا فایدہ انگریزوں کے ساتھ مخالفت کہنے میں نہیں بلکہ موافقت اور موالفت کہنے میں ہے۔ انہوں نے خود بھی انگریزوں کی دوستی میں بہت سے مفاد دیکھے ہیں اور ابھی آیندہ دیکھیں گے جنرل المسٹن اپنے اعلےٰ عہدہ کے لیئے ہوشیار اور دانا تھا لیکن وہ اس بڑے کام کی لیاقت نہیں رکھتا تھا جو اسکو سپرد کیا گیا تھا۔ فی الحقیقت وہ لوگ بہت ہی کم عقل ناقص الفہم ہوتے ہیں جو معاملات کی موجودہ حالت کو قیاسی جانتے ہیں اور دشمنوں کو دوست سمجھ لیتے ہیں۔ اگر روسیوں کی یقین ہو کہ وہ افغانوں اور انکے دوستوں کو مار سکتے ہیں تو وہ کبھی کسی طرح قائل اور رنگ نہ کریں۔ ہمیں خدا کی قسم ہے کہ ہم کبھی آسانی سے مغلوب نہیں ہونگے اور روسی کی حکومت کو ہرگز نہیں مانیں گے۔ اُس وقت جب میں قندھار کو فتح کیا اور جب میرے پاس

جائیگا ہمارے جوان نکحق نشانہ تیر قضا ہونگے۔ اگر یہ بیچارے آگے بڑھیں گے تو انگریز انکی خبر لیں گے اور اگر پس پا ہونگے تو روسیوں کے ہاتھ سے جیتے نہ بچیں گے۔ وہی حالہ ہوگا کہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ اسکے علاوہ اور سخت قباحت یہ ہوگی کہ ہر دیہہ اور ہر قریہ میں روسی سپاہی موجود ہونگے اور انکے احراجات کیلئے تمام پیداوار مشکل کافی ہوگی۔ ان باتوں کے علاوہ ایک اور بھی سخت مصیبت ہوگی۔ ہماری شریعت کے مطابق عورت کو ہمیشہ اپنے خاوند کی اطاعت اور وفاداری لازم ہے اور اگر وہ غیر مرد کے ساتھ ہم بغل دیکھی جائے تو خاوند کو اختیار ہے کہ اسے ذلت اور رسوائی کے ساتھ قتل کردے لیکن عیسائیوں میں یہ بات نہیں ہے انمیں عورت کا رتبہ مرد سے بڑھکر ہے مطلب اس سے یہ ہے کہ جہاں کہیں روسی خیمہ زن ہونگے وہاں زنا بھی ہوگا۔ افغان اس قماش کے آدمی ہیں کہ اگر کسی غیر مرد کو عورت کے تھا

---

* مرد چکدرہ کے رئیسان کے لوگوں کی چٹھی آئی کہ روسی سرحد کے بہت نزدیک آتے جاتے ہیں اور انکا ارادہ اس ملک کے لینے کا ہے چونکہ ہمارا کوئی سردار نہیں ہے ملک ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ آپ مہربانی کرکے ہمارے سردار بنجاویں۔ میں نے یہ چٹھی انگریزوں کے پاس بھیجدی۔ انہوں نے مجھکو اسمیں دخل دینے سے منع کیا۔ اگر اس وقت انگریز مجھکو نہ روکتے اور قندہار سے جانے دیتے تو میں ہرات کا جھگڑا بالکل مٹا دیتا اور مرو پر فوج کشی کرکے اسپر قبضہ کرلیتا۔ ترکمانوں کو ٹھنڈا کرکے محفوظ کرلیتا۔ اس وقت روسی اور افغانستانی فوجوں کو پنجدہ پر بالمقابل لانیکا بہت عمدہ موقع تھا مگر یہ موقع برٹش افسروں کی غلطی اور نافہمی کے باعث ہاتھ سے جاتا رہا کہ انہوں نے مجھکو جنگ سے روکدیا۔ اب میں ان باتوں کا کہلم کہلا ذکر اسلیئے کرتا ہوں تاکہ کابل کا انگریزی سفیر انکو سن لے اور اپنی گورنمنٹ کو کہے۔ بعد ازیں اگر کوئی برٹش افسر یا مدبر جو روسیوں کے ساتھ دوستی پیدا کرنی چاہے اور افغانوں کو موجودہ حالت سے بچانیکے خیال میں محو ہوگیا ہو اور انکو انگریزوں کی دوستی چھوڑنیکی ترغیب دیکر یہ کہے کہ افغان آخر کار روسیوں کے دوست ہوجاوینگے تو مدبران انگلینڈ کو ہرگز ایسی بات کا یقین نہ کرنا چاہیئے اور کبھی اسکے اس پر خیال کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ *

دیکھ لیں تو اسکو بھی زندہ نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ وہ روسی سپاہی اور افغانی عورت دونوں کو قتل کرینگے جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں میں تلوار چل جائیگی اور ہزاروں بیگناہ خاک و خون میں تڑپتے نظر آئینگے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم روسیوں کے دم جھانسوں کو خیال میں نہیں لاتے۔ اور انگریزی گورنمنٹ کو اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ امیر کی اس گفتگو پر وہ مشیر آمنا و صدقنا کہکر خاموش ہوگیا۔

اسی مضمون کو سیر لیپل گریفن نے ولایت کے ایک رسالہ میں اسطرح لکھا تھا۔

"امیر روسیوں کے حالات سے بخوبی واقف ہیں ہرگز اُنپر بھروسہ نہ کرینگے۔ انکا خاص منشا یہ ہے کہ روسی کبھی اُنکے ملک میں دست اندازی نہ کرنے پاویں۔ وہ یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ انگریز ہمارے دوست ہیں اور یہاں افغانستان کے لینے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اس لیے کہ انگریزوں نے دور تبت اس ملک کو اپنی سلطنت میں شامل کرکے چھوڑ دیا مگر بااینہمہ یہ نہیں چاہتے کہ انگریز اُنکے ملک میں کوئی دست اندازی کریں اور یہ بھی احسان نہیں مانتے کہ انگریز اُنکے ساتھ زر کثیر سے سلوک کرتے ہیں اور نہ اُنکو یہ خیال ہے کہ اسکے مقابلے میں گورنمنٹ کی کوئی معقول خدمت انجام دیں بلکہ وہ اپنی سلطنت بالکل آزادی کے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں اور اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی اُنکے ملک کے اندرونی معاملات میں دخل دے۔ بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم خودمختاری کے ساتھ اپنے ملک میں جو چاہیں وہ کریں کوئی اس باب میں ہمسے تعرض نہ کرے۔ بالفرض اگر کبھی اس درمیان انگریزوں میں لڑائی ہوئی تو وہ اُس فریق کے طرفدار ہونگے جس سے اُنکو یہ بھروسہ ہوگا کہ اُسکے فتح پانے سے ہماری سلطنت کی آزادی قایم رہیگی"۔

امیر صاحب جب کابل پہنچکر فرمانروا ہوئے تو اُنھوں نے یہ پالیسی اختیار کی کہ والی کابل کو خودمختار اور مطلق العنان ہونا چاہیئے۔ اور جو بات اُنکے منہ سے نکلے وہی قانون سمجھا جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے اس پالیسی کو عمل میں لانیکے لیے پوری پوری

امیر صاحب نہیں چاہتے کہ کوئی سلطنت انکے اندرونی پالیسی میں دخل دیں۔

کوشش کی۔ اور اسمیں اُنکو کامیابی بھی ہوئی۔ بڑے بڑے مغرور سردارو کی امیر صاحب نے خوب خبر لی اور باغیوں کی تو ایسی سخت گوشمالی کی کہ انہیں چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ امیر صاحب نے نہ صرف امیر شیر علیخاں کے ہواخواہوں کو بلکہ انکو بھی کہ جو گزشتہ ہنگاموں میں انگریزوں کے طرفدار تھے چُن چُن کر کابل اور افغانستان کی حدود سے نکال دیا۔ اور سینکڑوں افغان جلاوطن ہوکر انگریزوں کے ٹکڑوں پر آپڑے۔ اگست ۱۸۸۲ء میں انگریزوں نے امیر صاحب کو کہا کہ تم اپنے افغانوں کو واپس کیوں نہیں بلا لیتے۔ اسکے جواب میں امیر صاحب نے لکھا کہ مولا اپنے پتوں بھاری ہے ہم میں اتنی توفیق نہیں ہے کہ ان لوگوں کے لیئے تین لاکھ روپیہ سالانہ صرف کریں۔ اگر آپ انہیں ہمارے پاس بھیجدینگے تو میں سب کو مروا دونگا۔ وہیلر صاحب نے جو امیر صاحب کی سوانح عمری لکھی ہے اسمیں اس بارہ میں بھی قلم فرسائی کیگئی ہے کہ امیر عبدالرحمن خاں نے امیر ہوکر کتنے آدمیوں کو مروایا ہے۔ بقول اسکے انکی فہرست لکھنی ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ سینکڑوں کو زہر دلوا دیا۔ سینکڑوں کو پھانسی چڑھایا اور سینکڑوں اُسکے حکم سے گلا گھونٹکر مارگئے۔ امیر صاحب کہا کرتے تھے کہ آجکل کابل میں ایک بلا ہے جو رات کو باہر نکلا کرتی ہے اور جو بدنیت شخص اُسکے مقابل میں آئیگا جان سلامت نہ لیجائیگا۔ بقول وہیلر صاحب جسپر امیر صاحب کا شبہہ ہوا وہ جان سلامت نہ لیگیا۔ ایک دن جولائی میں پانچ سرکردہ افغان راہ میں جارہے تھے کہ دفعتاً کسی نے اُنکو گرفتار کرلیا۔ پھر یہی خبر آئی کہ وہ ترکستان میں قتل کیئے گئے۔ سیف الدین خاں جو داؤد شاہ کا دوست تھا وہ بھی امیر صاحب کے ہاتھ سے نہ بچا۔ یہ وہی داؤد شاہ ہے جو انگریزوں کا دوست رہا اور جس نے میجر کیوگیگنری کے بچانے میں بہت کوشش کی اور خود بھی زخمی ہوا تھا سیف الدین خاں کو امیر نے پکڑ کر قید کرلیا اور طرح طرح کے عذاب دیئے حتےٰ کہ بیچارے نے عاجز ہوکر دو روپیہ جو داؤد شاہ نے

افغان سردارو کے امیر صاحب کا سلوک

اُسکے پاس امانت رکھا ہوا تھا۔ امیر صاحب کے حوالے کر دیا۔ نواب جبار خاں کے بیٹوں علی مراد خاں اور شاہ مراد خاں کو پکڑ کر امیر صاحب نے کاٹھ مروا دیا۔ اور اُنکی بہت کچھ اذیت دیکر مبلغ تین لاکھ روپیہ نقد اور جائیداد غیر منقولہ اُنسے چھین لی۔ اُس وقت امیر صاحب کے ایک ہوا خواہ نے علیحدہ ہو کر کہا کہ امیر کیا ہے ایک بھوکا باز ہے جو ہر وقت گوشت کی تلاش میں رہتا ہے۔

محمد جان وروک جسکے باعث جنرل رابرٹس کو جنگ افغانستان میں بہت تکلیف ہوئی تھی۔ امیر صاحب کا کسی وجہ سے مورد عتاب ہو گیا۔ اور آناً فاناً قتل کر دیا گیا پروفیسر ڈارمسٹیٹر کا بیان ہے کہ لوگ محمد جان کے قتل سے ناراض ہوئے۔ اور جلال آباد میں کسی نے گیت بنا کر گائے کہ امیر نے فریب سے محمد جان کو قتل کر دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن امیر صاحب بازار میں سے گذر رہے تھے اور کوئی شخص یہ گیت گا رہا تھا۔ امیر نے سنا اور رتھی کہڑا کر کے اُس شخص کو بلایا اور بجائے سزا دینے کے اُس سے بحث کرنے لگا کہ میں نے فریب سے اُسکو قتل نہیں کرایا بلکہ وہ مستحق ہی ایسی سزا کا تھا۔

شنواریوں کی سرکوبی

۱۸۸۳ء میں شنواریوں کی سرکوبی کے لیئے امیر صاحب نے لشکر روانہ کیا پہلے تو امیر صاحب نے چاہا کہ اُنسے نرمی سے برتاؤ کرے۔ مگر بقول شخصے جیسا کہ سانپ اور بچھو نرمی کو نہیں مانتا اسی طرح شنواری بھی شرارت سے باز نہیں آتے۔ اُنہوں نے امیر صاحب کو کچھ نہ سمجھا جسپر جرنیل غلام حیدر خاں فوج لیکر اُنکی گوشمالی کو روانہ ہوا پہلے تو اُنہوں نے امیر صاحب کے ایک جرنیل کو مار ہٹایا جسپر امیر نے حکم دیا کہ اُس جرنیل کو زنجیروں سے مسلسل کر کے کابل میں لاؤ تاکہ اوروں کو عبرت ہو۔ آخر ۱۸۸۴ء میں جرنیل غلام حیدر نے اُنکو شکست دی اور مغلوب کر لیا۔ پھر ۱۸۸۵ء میں جب امیر کا افسر مالگذاری جمع کرنے گیا تو اُنہوں نے فتنہ برپا کیا اور امیر صاحب کے معتمد کو قتل کر دیا۔ آخر ۱۸۸۸ء میں امیر صاحب نے اُنہیں

بالکل مطیع کر لیا۔ اور یہانتک دبایا کہ پھر انہیں سر اُٹھانیکی ہمت نہ رہی ۱۸۸۶ء
میں ایک غلزئی سردار شیر جان نے سر اُٹھایا اور اپنے آپکو امیر شیر علی ظاہر کیا۔ غلزیوں کی گوشمالی
امیر صاحب نے فوراً اُسکو گرفتار کر کے ایک تنگ و تاریک قید خانہ میں قید کر دیا
اسکے بعد عصمت اللہ کو جو غلزیوں کا سردار تھا اور سردار ایوب خاں سے سازش کرنے
کا گرفتار کر کے اکتوبر ۱۸۸۳ء میں پھانسی پر چڑھا دیا۔

۱۸۸۶ء میں ملا عبدالکریم نے جو ملا مشک عالم کا بیٹا تھا میر افضل اور شاہ خان
میر افضل کی مدد سے بغاوت کا جھنڈا کھڑا کیا۔ اس بغاوت کی وجہ یہ تھی کہ امیر شیر علی خاں
نے ملا مشک عالم اور اسکے رشتہ داروں کے نام نہاد کچھ اراضی بطور جاگیر اور معافی کی دی غلزیوں کی شورش
ہوئی تھی جب امیر عبدالرحمن خاں کا دور دورہ ہوا تو اُنہوں نے وہ معافی ضبط کر لی اور کامیابی
ملا عبدالکریم کو سخت طیش آیا اور اُسنے بغاوت کر کے بہت سے غلزیوں کو اپنے ساتھ
ملا لیا۔ پھر باغیوں نے حملہ کر کے امیر کے ایک سردار سے جسکا نام سید علی مرزا تھا
ایکسو چالیس شتر۔ اسّی گھوڑے اور مبلغ تیس ہزار روپیہ نقد چھین لیا۔ مارچ ۱۸۸۶ء
میں ملا عبدالکریم نے ایک اشتہار دیا کہ بارہ ہزار آدمی اس وقت میرے جھنڈے
تلے مرنے اور جان دینے کو تیار ہیں۔ میں تمہارا خلیفہ ہوں اور جو لڑائی میں نے
عبدالرحمن خاں سے چھیڑی ہے وہ جہاد ہے۔ کیونکہ امیر کافر ہے اور کافروں کا دوست
ہے۔ بلوچستان کی انتظامی رپورٹ بابت ۱۸۸۵ء سے واضح ہوتا ہے کہ امیر
صاحب نے سرہنگ سکندر خاں کو باغیوں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا اور حکم دیا
کہ اُنسے تہیار چھین لیے جاویں۔ مارچ ۱۸۸۶ء میں سرہنگ مذکور نے یہ کام شروع
اور اپنی فہرباغیوں کے سردار کے پاس بھیجی اور اُنسے کہلا بھیجا کہ تم صلح کر لو مگر اُنکے
سر پر جنون سوار تھا وہ کب کسکی سنتے تھے۔ اُنہوں نے چاروں طرف فتنہ و فساد کی
آگ مشتعل کر دی اور شاہ خان کو امیر مشتہر کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اُنہوں نے

ایک معتبر آدمی روسیوں کے پاس مرو میں امداد کے لیئے روانہ کیا۔ اندنوں امیر صاحب کی صحت اچھی نہیں تھی پھر بھی انہوں نے جرنیل کو کہلا بھیجا کہ اس آگ کو بہت جلد بجھاؤ ورنہ میں خود میدان میں آؤنگا۔ ۶ جون ۱۸۸۱ء کو چند رجمنٹیں بھی بگڑ گئیں اور معاملہ ہر طرف سے خوفناک نظر آنے لگا۔ لیکن اس موقع پر جو واقعی نازک تھا امیر صاحب کا استقلال اور جنرل غلام حیدر خاں کی شجاعت بہت کام آئی۔ خاصکر کے جنرل غلام حیدر خاں کی بہادری اور لیاقت نے ڈوبتی ہوئی ناؤ کو سنبھال لیا۔ اور ۷ جولائی ۱۸۸۱ء کو اُنہوں نے باغیوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ جب باغیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور جرنیل موصوف مظفر و منصور کابل میں داخل ہوا تو امیر صاحب نے سر دربار اُسکی بہت کچھ تعریف کی اور دست خاص سے اُسے ایک تمغہ مکلل بجواہر پہنایا۔ بہرحال باغیوں کا ہوا وہ ناگفتہ بہ ہے فیض محمد برادر ملا عمر خاں کو ایسی ایسی تکلیفیں اور عذاب دیئے گئے کہ شاید ہی دشمنوں کو نصیب ہونگے۔ آخر بیچارے نے تنگ آکر کل حال کہہ سنایا جسپر اُسکی ریش ایک ایک بال کرکے علانیہ نوچی گئی اور ہر بن مو سے خون کے فوارے جاری ہوگئے۔ پھر اُس بدبخت کے سر پر گرم گرم کڑکڑاتا ہوا تیل ڈالدیا گیا اور وہ ہیزم خشک کی طرح جل کر مر گیا۔ ملا عبد الکریم جان بچاکر بھاگا اور پھر اُسکا کچھ پتہ نہ لگا۔ کہ کہاں روپوش ہوگیا۔ ملا مشک عالم کی قبر کھودی گئی اور اُسکی لاش بازاروں میں گھسیٹی گئی اور قبر پر گدھوں کا ہل چلایا گیا۔ تیمور شاہ ایک فوجی افسر جسنے ہرات میں باغیوں کی اعانت کی تھی گرفتار ہوکر کابل آیا اور سر بازار سنگسار کیا گیا۔

باغیوں کی سرکوبی ۹

سردار ایوب خاں کی دوسری کوشش

۱۸۸۱ء میں سردار ایوب خاں نے ایک مرتبہ کابل پر قبضہ کرنیکی کوشش کی اور اگست کے مہینہ میں طہران سے بھاگ کر سرحد افغانستان پر نمودار ہوا۔ مگر امیر صاحب کی عنایت سے غافل نہ تھے جو ہیں اُسنے علاقہ غور میں قدم رکھا اُسکے دشمن اُسکے پیچھے پڑ گئے۔

آخر بیچارہ بے نیل و مرام جنگل و بیابان کیطرف بھاگ گیا۔

اسحاق خاں کی بغاوت

اسحاق خاں کی بغاوت جو امیر صاحب کا چچا زاد بھائی اور افغانی ترکستان کا حاکم تھا۔ واقعی باعث خوف و خطر تھی۔ وہ امیر اعظم خاں کا لڑکا تھا۔ اُسکی والدہ آرمینیا کے ایک عیسائی سوداگر کی لڑکی تھی[1]۔ مگر اسحاق خاں خود پکا مسلمان تھا اِس شخص کو شہوپرستی کا شوق نہ تھا۔ بلکہ بُرا کہلانا فخر سمجھتا تھا۔ امیر عبدالرحمن خاں کے ہمراہ اسحاق خاں ہی بہت عرصہ تک روسیوں کا نشخوار سمرقند میں رہکا تھا۔ اور جب امیر صاحب کابل میں انگریزوں کی ملاقات کو گئے تو جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے اسحاق خاں گورنر بلخ ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ جب عبدالرحمن خاں والی کابل ہوئے تو اسحاق خاں نے خط لکھا کہ جیسا تمہارا باپ امیر تھا ویسا ہی میرا باپ بھی تھا۔ تمکو میرے حقوق فراموش نہیں کرنے چاہئیں۔ بلکہ تمہیں یاد ہے کہ اصل حاکم میرا ہی باپ تھا اور جملہ امور اہم میں تمہارا باپ بغیر اسکے مشورہ کے کوئی کام نہ کرتا تھا۔ جب یہ پیغام امیر صاحب کے پاس پہنچا تو پہلے اُنہوں نے دانستہ اغماض کیا اور اسحاق خاں کو طرح دیتے رہے۔ امیر صاحب جانتے تھے کہ اِس وقت فتنہ نے چاروں طرف سے سر اُٹھایا ہوا ہے۔ اُس وقت اسحاق خاں کو دندان شکن جواب دینا گویا زیادہ فساد بڑھانا ہے۔ آخر جب فتنہ و فساد فرو ہوا اور سرحدی کمیشن واپس چلی گئی تو امیر صاحب نے اسحاق خاں کو کابل میں طلب کیا کہ آکر حساب کتاب سمجھائے۔ اسحاق خاں خود تو نہ آیا۔ مگر اپنے ایک ماتحت افسر کو بھیجدیا کہ جسکو دیکھکر امیر صاحب سخت ناراض ہوئے اور رسید دم

[1] میں نے ایک شخص سے سُنا ہے کہ شادی کے وقت شرط ہو چکی تھی کہ اگر اِس شادی سے لڑکا پیدا ہوگا تو مسلمان کیا جاویگا۔ اور اگر لڑکی پیدا ہوگی تو عیسائی کیجاویگی۔ امیر صاحب اسحاق خاں کی بغاوت تک اسحاق کے ارمنی ماموں کو پنشن دیا کرتے تھے۔

قتل کرا دیا۔ جب اسحاق خاں کو خبر ہوئی کہ میرا آدمی مارا گیا ہے تو اُسنے علم بغاوت بلند کیا۔ اسحاق خاں کی فوج بھی باقاعدہ تھی اور اُن بندوقوں سے مسلح تھی جو انگریزوں نے پنجدہ کے ہنگامہ کے وقت امیر صاحب کو دی تھیں علاوہ بریں سلطان مراد سگ اُسکی رو پر نہا لگر فتح وظفر خدا کے ہاتھ ہے وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ ۔

غرض امیر صاحب نے فوراً جرنیل غلام حیدر خاں کو جو سرد و گرم چشیدہ اور کار آزمودہ جرنیل ہے اور جسکی ہمت سے بغاوت غلزئی فرو ہوئی تھی بسمع عبداللہ خاں حاکم بدخشاں کی فوج ترکستان کے مقابلہ کے لیئے بھیجا۔ ۱۹ ستمبر ۱۸۸۸ء کو بمقام غزنی چار دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اسحاق خاں کی فوج نے خوب ہی حق نمک ادا کی مردانگی آدا کیا بلکہ ایک جرنیل نے عبداللہ خاں کی فوج کے چھکے چھڑا دیئے اور قریب تھے کہ میدان اُنکے ہاتھ رہے کہ غلام حیدر خاں نے نہایت شجاعت کے ساتھ مردہ دلوں میں جان ڈالدی اور دشمنوں کی نکی تمام کردی۔ اسحاق خان جان بچا کر کی علاقہ کی کیطرف بھاگ گیا فتحیابوں نے اُسکا مال اسباب خیمے اور توپ خانہ لوٹ لیا جب عبداللہ خاں کو شکست ہوئی تو کابل میں کسی نے پرچہ جوڑ دیا کہ امیر صاحب کا لشکر پس پا ہو گیا ہے سپہ امیر صاحب نے گھبرا کر فوراً انگریزوں کی مدد کے لیئے لکھا مگر جب غلام حیدر خاں کی لیاقت سے ہوا بدلگئی تو امیر صاحب کو اطمینان حاصل ہوا اور کابل شہزادہ حبیب اللہ خاں کے سپرد کر کے ماہ نومبر ۱۸۸۸ء میں خود بنفس نفیس مزار شریف کو تشریف لیگئے اور ۱۸۸۹ء تک وہیں رہے اس اثناء میں انہوں نے باغیوں کی جب سرکوبی کی اور شتہ لوگوں کو سخت سخت سزائیں دیں چنانچہ جب ان سختیوں کی خبر انگریزوں کو پہونچی تو انہوں نے امیر صاحب کو لکھا کہ آپکی سختی سے سیول کے لیئے مداخلت کا بہانہ ٹھہرے گی۔ آپ اعتدال سے تجاوز کر رہے ہیں۔

جنگ اور فتح

۱۸۹۰ء میں مسٹر بریڈلا متوفی نے پارلیمنٹ میں بھی پھر ذکر چھیڑا تھا کہ غلاں

مزار شریف کو امیر کابل نے جو ہمارا وظیفہ خوار ہے سخت اور خوفناک سزائیں دی ہیں۔

۲۶ دسمبر ۱۸۸۱ء کو امیر صاحب مزار شریف میں فوج کا معائنہ کر رہے تھے کہ ناگہاں ایک سپاہی نے اُنپر حملہ کیا اور قریب تھا کہ قتل کر دے مگر یہ بال بال بچے اور سپاہی وہیں ہمنذر میں ہو گیا۔ اس حادثہ کے بارہ ماہ بعد امیر صاحب ایک آرام چوکی پر بیٹھے ہوئے چرٹ پی رہے تھے کہ ایک سپاہی نے اُنکے روبرو سے گذرا اور جب امیر صاحب کے مقابل سے ہو کر جانے لگا تو ایک سپاہی نے امیر صاحب پر گولی چلائی۔ مگر امیر صاحب سے ابھی خداوند کریم کو اور بہت سا کام لینا تھا۔ وہ اس موقع پر بھی بچ گئے اور گولی ایک محافظ کو مارتی ہوئی اور ایک مگس ران لڑکے کو زخمی کرتی ہوئی نکل گئی یہ واقعہ ڈاکٹر اگرے نے جو امیر صاحب کا معالج تھا اس طرح بیان کیا ہے۔ امیر صاحب اُس وقت برابر آرام چوکی میں بیٹھے ہوئے چرٹ پیا کئے اور مطلق ہراساں نہ ہوئے بلکہ اپنی جگہ سے حرکت تک نہ کی۔ اور جب لوگوں نے قاتل کو پکڑ کر مارنا چاہا تو ہاتھ سے اشارہ کیا اسے نہ مارو۔ مگر پیشتر اسکے کہ لوگ امیر صاحب کے حکم کو سمجھتے مجرم کی تکا بوٹی ہو چکی تھی۔ اس سے یہ نہ دریافت ہوئی کہ اس شخص کا مدعا معلوم نہ ہوا اور یہ بھی نہ کھلا کہ اسکے دلمیں کیا کاوش تھی۔ یا اسکے ساتھ کون لوگ شریک سازش تھے۔ بہرحال امیر صاحب نے اُس رجمنٹ کے افسروں کو سخت سزا دی۔

قاتل کے ہاتھ سے بال بال بچے

۵ ستمبر ۱۸۸۹ء کو امیر صاحب کا پیارا بیٹا محمد عمر خاں پیدا ہوا یہ شہزادہ خاص ملکہ عزیز کے بطن سے ہے جو شاہی نسل سے ہیں اور امیر صاحب کی نہایت چاہتی بیوی ہیں اور باقی شہزادے کنیزوں کے بطن سے ہیں۔ انہیں ایام میں روسی ترکستان کے حاکم نے امیر صاحب کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر آپ کو کچھ عذر نہ ہو تو آپکی سرحد کے پاس ہماری فوج کے پانچ سو آدمی قواعد کیا کریں

امیر صاحب نے جواب دیا کہ نہیں ہمیں کچھ بھی عذر نہیں ہے مگر جہاں آپکے پانچ سو آدمی تواعد کیا کرینگے۔ اور اُسکے عین مقابل میں ہماری پانچہزار آدمی تواعد کیا کرینگے۔ ۳ جون ۱۸۸۹ء میں امیر صاحب مزار شریف سے روانہ ہوئے اور ۱۲ جولائی کو بخیر کابل میں پہونچگئے۔ اُس وقت امیر صاحب کے ساتھ آٹھہ ہزار پیدل چار ہزار سوار چھہ فیلڈ بٹریاں یعنی وہ توپخانہ جو فیلڈ بٹریوں میں رہتا ہے اور دو ہیوی توپوں کے توپخانے تھے۔

شورش ہزارہ جات

سنہ ۱۸۹۱ء میں ہزارہ میں شورش ہوئی جو کم و بیش ۱۸۹۳ء تک رہی۔ جب ڈیورینڈ صاحب سفارت پر کابل پہنچے تو وہاں بالکل امن تھا۔

باب ہفتم

امیر صاحب کے عہد کے بعض اور تاریخی واقعات

امیر صاحب کے زمانہ کا مشہور واقع افغانستان کی شمالی سرحد کی حد بندی ہے۔ یہہ وہ معاملہ تھا جسپر بہت دیر تک روس اور انگلستان کے مابین ڈور کا ہیلی رہی۔ ۱۸۷۳ء میں جب امیر شیر علیخاں افغانستان پر حکمران تھا تو روس اور انگلستان نے یہہ قرار دیا تھا کہ دریائے آمو (آکسس) افغانستان کی حد تصور ہونا چاہیئے یعنی شمال مشرقی کیطرف پامیر سے لیکر جنوب مغرب کیطرف خواجہ سالار تک اس خط کے ایک انجام پر جو جنگل اندکوہی کے شمال مغرب میں ہے خود مختار ترکمانوں کا علاقہ تسلیم کیا گیا تھا۔ لیکن امیر عبدالرحمن کے عہد حکومت میں جب روسیوں نے ۱۸۸۴ء میں ترکمانوں کی حمایت منظور کرلی تو حد بندی کے معاملہ پر غور کرنیکے لیئے

حد بندی افغانستان

ایک کمیشن کا تقرر ضروری سمجھا گیا۔ جولائی ۱۸۸۴ء میں جنرل سر پیٹر لمسڈن اس اہم کام کو سرانجام دینے کے لئے منتخب ہوئے۔ اور روسیوں نے جنرل ولیونوی کو مقرر کیا۔ امیر عبدالرحمٰن خاں صاحب سے درخواست کیگئی کہ تم بھی کوئی اپنا افسر اس معاملہ کے تصفیہ کے لئے مقرر کرو۔ سر پیٹر لمسڈن نے اپنی تقرر کے بعد ایک خط امیر صاحب کو لکھا اور اسکا جواب امیر صاحب نے یہ دیا۔

کمشن بندی

"مجھے امید ہے کہ تم روسیوں سے اس تنازع کی نسبت نہایت شجاعت اور دلاوری سے تصفیہ کروگے اور تم اطمینان رکھو کہ میں نے انہیں کوئی بھی نوشتہ یا تحریر ایسی نہیں دی جو انکے لئے افغانوں کی اراضی پر قبضہ کرنیکا بہانہ متصور ہو۔ میں اپنے حقوق حاصل کرنیکے لئے اسقدر مستعد ہوں کہ جب تک افغانوں میں ہمت اور جان ہے روسیوں کی یہ مجال نہیں ہے کہ چپہ بھر زمین ہماری سرحد سے لے سکیں گے۔

لیکن ابھی انگلستان اور روس کے مدبران ملک اس معاملہ پر بحث ہی کر رہے تھے کہ افغان سپاہی پنجدہ میں آگئے اور روسی پل خاتون میں جو ہری رود پر واقعہ ہے آپہنچے۔ نومبر ۱۸۸۴ء کے اخیر میں سر پیٹر لمسڈن بھی پنجدہ میں آپہنچا۔ لیکن یہاں آکر اسنے سوائے گرگون دیکھا۔ روسیوں کے کرنیل علی خانوف اور افغانوں کے جرنیل غیاث الدین میں نوبت سخت سست الفاظ تک پہونچگئی تھی۔ علی خانوف نے افغانی جرنیل کو کاذب کہا۔ اور اسنے جواب دیا کہ تمہاری سلطنت بیشک بڑی ہے لیکن تم سارقوں اور چوروں کی طرح کارروائی کرتے ہو۔ انہیں ایام میں امیر صاحب نے ایک خط سر پیٹر لمسڈن کے نام لکھا جسکا مضمون یہ تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ روسی ہمیں جل دینا چاہتے ہیں۔ مجھے خوف ہے کہ اگر وہ اسی طرح ہمیں لیت ولعل میں رکھیں گے تو پہاڑ سے کا موسم آجائیگا اور برف باری کے باعث ہم ہرات سے اپنی فوج کی مدد نہیں کر سکیں گے

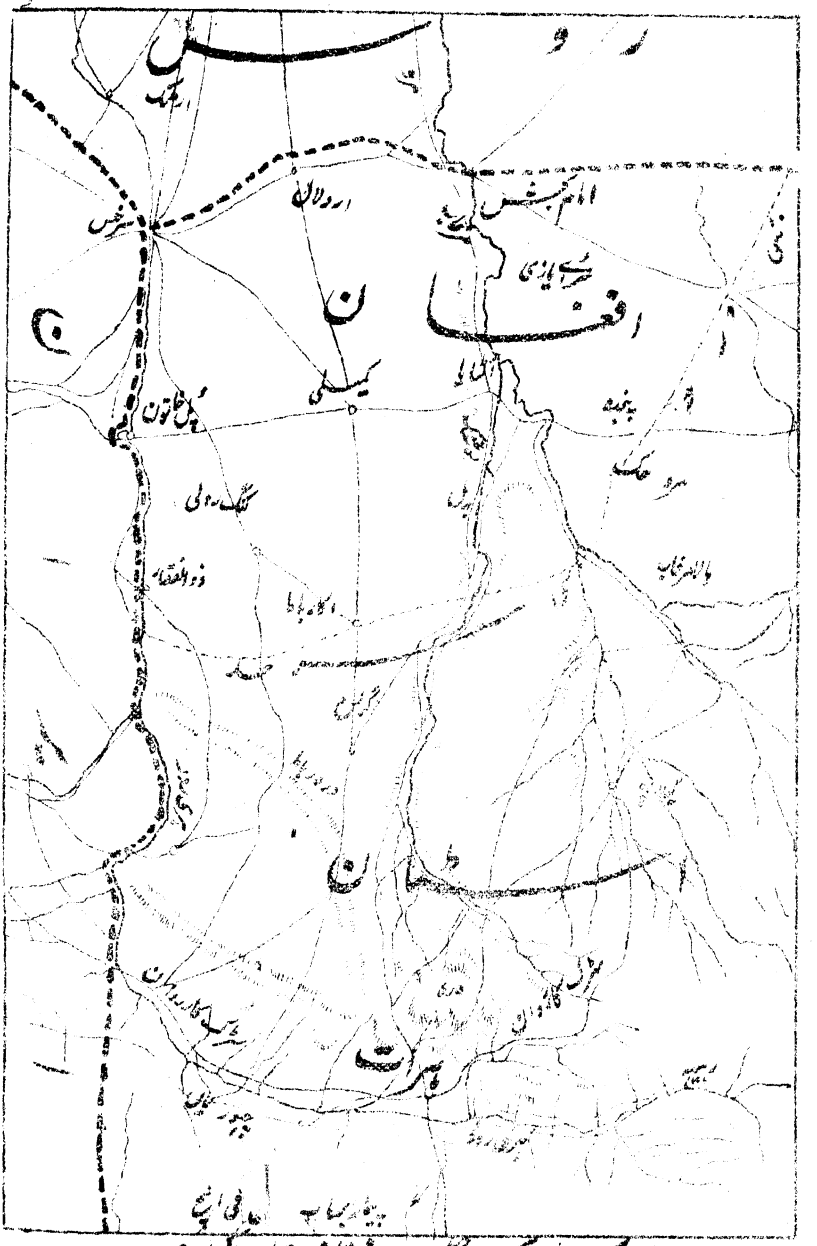

روسیوں کے دعوے کے بعد حدبندی افغانستان کی ہوی۔

اگر جلدی تصفیہ نہ ہوا تو ہم کافی فوج بھیجدینگے تاکہ وقت ضرورت روسی فوج کا مقابلہ کرسکے۔ سر پیٹر لمسڈن نے امیر صاحب کو جواب میں لکھا کہ موجودہ حالت میں زیادہ فوج بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مجھے یقین نہیں ہے کہ جب سے روسیوں کو منع کردیا ہے تو پھر وہ علاقہ افغانستان میں دخلت کرنے کی کوشش کرینگے۔ اگر کوئی وقت پیش آئے تو میرا مشورہ لیا جاوے۔ کیونکہ میں قریب ہی خیمہ زن ہوں۔

۱۹ دسمبر ۱۸۸۴ء کو سر پیٹر لمسڈن نے ولایت کو تار دیا کہ امیر روسیوں کا پل خاتون پر قابض رہنا ہرگز منظور نہیں کرتا۔ غرض جب سر پیٹر لمسڈن کی ملاقات روسی کمشنر سے بمقام ٹفلس ہوئی تو اُسنے اصرار کیا کہ کافی شہادت سے ثابت ہے کہ پنجدہ علاقہ افغانستان کا جزو ہے۔ ۳۰ مارچ ۱۸۸۵ء کو بقول سر پیٹر لمسڈن کے روسی افغانوں پر حملہ کرنے کو بڑھے۔ اس وقت افغانوں کی جمعیت چار ہزار کے قریب تھی اور اُنکے پاس صرف آٹھ توپیں تھیں۔ مگر خرابی یہ ہوئی کہ رات کی بارش کے باعث اُنکا بارود نمناک ہوگیا تھا۔ جو اُنہوں نے جیبوں میں ڈالا ہوا تھا۔ اور روسیوں کے مقابلہ میں اُنہیں زک اُٹھانی پڑی۔ آدھ گھنٹہ میں افغانوں کے پانچسو آدمی مارے گئے۔ اور روسیوں کا صرف ایک ترکمان افسر کام آیا دس ترکمان قتل ہوئے اور بیس زخمی ہوئے۔ ۱۰ اپریل ۱۸۸۵ء کو ارل آف گرینول نے سر پیٹر لمسڈن کو بذریعہ تار برقی مطلع کیا کہ اب اگر افغان سر نہ اُٹھائیں تو روسیوں نے ہمیں اطمینان دلایا ہے کہ وہ حملہ نہ کرینگے

پنجدہ میں روسیوں اور افغانوں کی لڑائی۔

امیر صاحب راولپنڈی کے دربار کے موقع پر آئے ہوئے تھے کہ اُنہیں پنجدہ کے حیرتناک واقعہ کی اطلاع ملی۔ اِس واردات کو سنکر ذرہ بھی اُنکی خاطر پریشان نہ ہوئی۔ امیر صاحب نے کہا کہ مجھے ترکمانوں کی وفاداری پر مطلق اعتبار نہیں ہے اگر وہ اسلام کے پیرو ہیں تو اُنکو چاہیئے کہ اپنی بیویاں اور بچے افغانستان میں

بھیجدیں۔ جبتک کہ وہ ایسا نہ کرینگے مجھے انکی وفاداری پر شک رہیگا۔ پھر امیر نے بیان کیا کہ اگرچہ میں روسیوں کو آگے قدم نہیں بڑھانے دونگا۔ لیکن میں اس بات پر زور نہیں دیتا کہ ضرور پنجدہ ہماری سرحد میں واقع ہے۔ امیر کی یہ رائے تھی کہ اگر مروچک حد مقرر ہوجاوے تو وہ اس سے زیادہ محفوظ ہے۔

پنجدہ روسیوں کے قبضہ میں گیا اور مروچک سرحد مقرر ہوئی

آخرکار ۱۴ مئی ۱۸۸۵ء کو یہ عہدنامہ مرتب ہوا اور پنجدہ روسیوں کے قبضہ میں آگیا۔ لیکن اُنہوں نے ذوالفقار خالی کردیا۔ اور مروچک سرحد مقرر کی گئی۔ جب یہ معاملہ اسطرح پر طے ہوگیا تو امیر نے ایک لمبا چوڑا خط لارڈ ڈفرن کے نام لکھا جسمیں انگریزی گورنمنٹ کا شکریہ ادا کیا اور اس تصفیہ پر اطمینان ظاہر کیا اور یہ بھی لکھا کہ اس قرارنامہ کی ایک صدقہ نقل جسپر روسیوں اور انگریزوں دونوں کے دستخط ہوں انہیں بھی بھیجی جائے۔ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیئے کہ امیر صاحب کو پنجدہ کے سانحہ کا افسوس نہ ہوا۔ جبتک کہ وہ راولپنڈی میں تھے اُنہوں نے چندان ملال ظاہر نہ کیا۔ لیکن جب وہ کابل میں واپس آئے تو اپنے خیالات اس طرح پر ظاہر کیئے۔

"افسوس ہے کہ مشہور سر لمسڈن نے اسلیئے روسیوں کیساتھ ہمارا جنگ نہ دیا۔ کہ اسکے دلمیں یہ بیوقوفی سمائی تھی کہ تا وقتیکہ روسیوں اور افغانوں میں جنگ نہ ہوئے وہ ہمارے دوست نہیں ہوسکتے"

افسوس ہے کہ امیر صاحب نے جو اپنا کمشنر حد کے تصفیہ کیلئے مقرر کیا تھا وہ اس کام کے لایق نہ تھا۔ قاضی سعیدالدین بیشک ایک فاضل شخص تھا۔ مگر معاملات ملکی میں اُسے بہت کم دخل تھا۔ اسلیئے معاملہ نے بہت طول کھینچا اور خاطر خواہ تصفیہ جلدی نہ ہوسکا۔

جون ۱۸۹۲ء میں ایک روسی افسر نے جو پنجدہ کے چارج میں تھا قلعہ پنجدہ پر کچھ فساد کرنا چاہا۔ مگر حکام اعلےٰ نے معاملہ کو رفع دفع کردیا اور اُس افسر کو قرار واقعی سزا دی

کی گئی۔ پھر پچھلے سال امیر کے مگر دنواح میں فساد کی آگ بھڑکنے لگی جسکے واقعات ترکستان
گزٹ میں اس طرح پر شائع ہوئے کہ ۴ جولائی کو کرنیل یانوف کے پاس شکائتیں
پہنچیں کہ افغان ہمیں ستاتے ہیں۔ ۴ جولائی کو ۱۰ بجے صبح کے کرنیل صاحب سوئمش
گئے تاکہ انتظام کرکے فساد کو رفع کریں جب وہاں پہونچے تو افغانی اہلکار و امن کو
میں سویا ہوا تھا۔ روسی افسر نے ترجمان کو بھیجا کہ جاکر کپتان غلام حیدر خاں کو بلا لائے
غلام حیدر خاں ٹی پی کے بعد مسلح ہوکر آیا۔ کرنیل یانوف نے اُسے کہا کہ بموجب
عہدنامہ ۱۸۷۳ء کے یہ جگہ ہماری ہے۔ تم لوگوں کو شورش نہیں مچانی چاہیے۔ سپہ
اُسنے جواب دیا کہ میں سوائے امیر کے اور کسی کو نہیں جانتا۔ پھر کرنیل نے اپنے آدمیوں
کو کہا کہ افغانوں سے ہتھیار چھین لو۔ مگر لڑائی ہو پڑی اور کپتان اور پانچ آدمی
مارے گئے۔ لیکن جو رپورٹ گلگت میں پہونچی وہ اس طرح پر ہے کہ شمس الدین حاکم سوئمش
اپنے خیمہ میں سویا ہوا تھا کہ کرنیل یانوف وہاں گیا اور اُس سے تکرار کرنے لگا۔ اُسنے
جواب دیا کہ میں امیر کے حکم کا نوکر ہوں۔ پھر روسی افسر نے ایک طمانچہ اُسکے منہ پر مارا
اور افغان سردار نے غصہ میں آکر پستول روسی کرنیل کیطرف جھونک دیا لیکن گولی
خالی گئی اور پاس کا سپاہی زخمی ہوا۔ پھر لڑائی ہو پڑی۔ اور شمس الدین اور چھ
دیگر کام آئے۔ اس قسم کے واقعات لگاتار ہوتے رہے۔ آخر ۱۱ مارچ ۱۸۹۵ء کی تحریر
نے ان فسادوں اور جھگڑوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور امن کی صورت قائم ہوگئی۔

سوئمش کا واقعہ

انگریزوں کیطرف سے ایک مسلمان افسر بلور ایجنٹ انگریزی کے امیر صاحب کے دربار
میں رہتا ہے اس موقعہ پر اسقدر لکھنا بہت ضروری ہے کہ امیر صاحب کے دربار میں
آجتک تین سفیر ہندوستان کی جانب سے رہ چکے ہیں۔ اور چوتھا اب گیا ہے نہیں
پہلے نواب محمد افضل خاں۔ دوسرے لفٹنٹ کرنل راجہ عطاالہ خاں اور تیسرے کرنیل
اکرم خاں تھے۔ مگر یہ تینوں فوجی افسر تھے کہ جنہوں نے اس خدمت سے پہلے کوئی

سفیر انگریزی دربار کابل میں

پولیٹیکل خدمت انجام نہیں دی تھی۔ غنیمت ہے کہ گورنمنٹ کو سمجھ آگئی ہے اور اسنے ایک سوال افسر کو اس دفعہ مقرر کیا ہے۔ مگر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سفیر انگریزی سرحدی باشندہ اور حالات افغانستان کا واقف ہونا چاہیئے جب لارڈ لینسڈون بہادر وایسرائے ہند ہوئے تو مناسب معلوم ہوا کہ ایک سفارت کابل کو بھیجی جاوے۔ کیونکہ اس اثنا میں چند باتیں ایسی پیش آنے لگی تھیں کہ جن سے ناچاقی کا احتمال تھا۔ مثلاً امیر صاحب نے باجوڑ وغیرہ کے معاملات میں دست اندازی شروع کردی تھی جو انگریزوں کو کسی طرح منظور نہ تھی۔ لارڈ لینسڈون نے لارڈ رابرٹس کو اس سفارت کے لیئے منتخب کیا۔ لیکن امیر صاحب نے لکھ بھیجا کہ آجکل میں ہزارجات کی شورش کے استیصال میں مصروف ہوں۔ سفارت کی استقبال کے لیئے تیار نہیں ہو سکتا اور اگر راہ میں بھی کچھ نقصان ہو گیا تو میں ذمہ وار نہیں ہونگا۔ چنانچہ وہ سفارت ملتوی رہی اور دوسرے سال جنرل رابرٹس ولایت کو چلے گئے کیونکہ انکی میعاد ملازمت ختم ہو چکی تھی۔

انگریزی سفارت کی منظوری

بعض لوگوں کا یہہ خیال ہے کہ امیر صاحب نے اس سفارت کو دانستہ ٹالدیا تھا کسی طرح جنرل رابرٹس کا قدم دوبارہ افغانستان میں نہ آئے۔ لیکن سر لیپل گریفن نے جو بہت لوگوں سے زیادہ معاملات افغانستان کے واقف ہیں اس زمانہ میں گورنمنٹ کو صلاح دی تھی کہ جنرل رابرٹس کی سفارت بھیجنا بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ اس سے روس بھی کابل کیطرف متوجہ ہو جائیگا اور امیر صاحب جو دوطرفہ بازی کھیل رہے ہیں وہ اسکے خلاف ہے لیکن اصلیت یہہ ہے کہ جنرل رابرٹس بمعیت دس ہزار فوج کے افغانستان کے مشن پر جانے کو آمادہ تھے اور جیسا ہر شخص سمجھ سکتا ہے امیر صاحب افغانستان میں غیر ملک کی اتنی فوج کسی طرح دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

۱۸۹۱ء میں ایک اور واقعہ پیش آیا جس سے ہندوستان میں اندیشہ پیدا ہو گیا کہ انگریزوں اور افغانوں میں بگڑ جائیگی۔ امیر کی رعایا کے چند کاشتکار جو دریائے ہلمند کے کنارہ پر آباد تھے نقل مکان کر کے بستان میں چلے آئے۔ اس تبدیل مکان کی وجہ یہ تھی کہ امیر صاحب کے کارندے معاملہ نہایت سختی سے تحصیل کرتے تھے۔ گورنر قندہار نے اُنکا تعاقب تو نہ کیا مگر اُن لوگوں کے جو قراولی چاگہ واقع بلوچستان میں رہتے تھے ناکردہ گناہ پکڑ کر قید کر لیا۔ اس سے انگریزوں کو سخت غصہ آیا۔ کیونکہ چاگہ اُنکے خیال کے بموجب افغانستان سے باہر بلوچستان کے علاقہ میں واقعہ ہے اُنہوں نے امیر صاحب کیطرف ایک مراسلہ بھیجا جسکے الفاظ بہت سخت تھے۔ لیکن اگر چشم انصاف سے دیکھا جائے تو امیر صاحب کو بھی انگریزوں سے بہت سی شکایتیں تھیں۔ انگریزوں نے خوجک کی پہاڑیوں اور رینوچمن کے اطراف میں ریل جاری کر دی تھی اور اُنکا ارادہ تھا کہ قندہار تک اس سلسلہ کو جاری کر دیں۔ اور امیر صاحب اس بات کے سخت مخالف تھے پہلی ریل گاڑی خوجک کے زیر زمین راستہ سے ماہ ستمبر ۱۸۹۱ء میں جاری ہوئی[۱] ایک دن امیر صاحب نے اپنے مصاحبوں سے کہا کہ دیکھو یہ انگریز دوستی کا دم بھرتے ہیں حالانکہ خوجک کا زیر زمین راستہ مثل ایک چاقو کے ہے جو اُنہوں نے

سرحد افغان اور بلوچستان کا جھگڑا

---

[۱] اس عجیب نظیر سے امیر صاحب کی خاص قسم کی طبیعت کا پتہ ملتا ہے۔ جب باوجود اُنکے انکار کے انگریزوں نے پرانے چمن سے سات میل آگے جدید چمن تک ریلوے لائن بڑھا لی تو امیر صاحب کو یہ امر بہت شاق گذرا مگر اتنی سی بات کے لیئے وہ انگریزوں سے بگاڑ نہیں کر سکتے تھے تاہم اپنی ناراضگی اور غصہ کے اظہار کے لیئے امیر صاحب نے اپنے لازموں کو تاکید کی کہ جب تک قندہار کے لیئے جدید چمن تک ریل کے ذریعہ پہنچی ہوئی اسوئے سوداگر سے ہرگز منتوکہ نہ کریں چنانچہ کئی برس تک انگریزی مال پرانے چمن سے گدھوں پر لادا جاتا رہا اور وہاں سے ازسرنو چمن کی راہ سے قندہار کو لادیں واقعی ایسی باتوں سے انکی عجیب قسم کی مستقل اور ذی الطبیعت پتہ لگتا ہے

میرے دل میں گھر کر لیا ہے۔ نیوچین کی نسبت امیر نے نہایت زور شور سے کہا کہ انکے قلمرو میں واقع ہے حالانکہ انگریزوں کے پیمانہ کے بموجب امیر صاحب کی سرحد سے دس میل اور ہٹ کر ہے۔ انگلستان کے مدبروں کا یہ خیال تھا کہ اگر افغانستان کی سرحد تک ریل جاری ہوگئی تو برٹش انڈیا اور جنوبی افغانستان کے درمیان تجارت خوب رونق حاصل کریگی۔ لیکن امیر صاحب نے حکم نافذ دیدیا کہ کوئی شخص اس ریل پر سوار نہ ہو اور حسب معمول قافلے اونٹوں پر اسباب لاد کر بھیجا کریں۔ اس بات سے یہہ گمان نہیں کرنا چاہئیے کہ امیر صاحب ہمیشہ خودسری اور بے پروائی سے انگریزوں کے ساتھ برتاؤ کرتے رہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ امیر صاحب پرلے درجہ کے رمز شناس ہیں جب موقع دیکھتے ہیں ویسا ہی کام کرتے ہیں۔

خبط شکل

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ امیر صاحب نے اپنے گماشتہ کی معرفت انگلستان میں آرڈر دیا کہ ہاچکس کی توپیں اور بندوقیں انکے واسطے تیار کرکے بھیجی جائیں۔ سوداگروں نے یہہ جانکر کہ وہ ملکہ معظمہ کے دوست ہیں فوراً انکے حکم کی تعمیل کی۔ لیکن جب یہہ خوفناک آلات حرب کراچی بندر میں آپہونچے اور امیر صاحب کا گماشتہ انہیں کابل بھیجنے لگا تو شملہ سے لاٹ صاحب نے حکم دیا کہ توپیں نہ بھیجی جائیں اور کابل کو ہرگز نہ جانے پاویں چنانچہ وہ وہیں رکگئیں جب امیر صاحب کو خبر ہوئی تو ناراض تو وہ ضرور ہوئے ہونگے۔ مگر غصہ کو ضبط کرکے کہا کہ بیشک انگریز حق بجانب ہیں۔

امیر صاحب کی توپیں ہندوستان میں روکی گئیں۔

۱۸۹۳ء میں امیر صاحب نے انگریزوں کو اطلاع دی کہ اب میں تیار ہوں سفارت بیشک آجائے۔ لارڈ لینسڈون نے محکمہ خارجیہ کے سکرٹری سر مارٹیمر ڈیورنڈ کو اس کام کے لیے پسند کیا یہہ شخص واقعی اس سفارت کے قابل تھا۔ امیر

سر مارٹیمر ڈیورینڈ

صاحب کے مزاج سے بوجہ اُس تعلق کے جو اُسے کئی سال سے صیغہ خارجہ میں امیر صاحب کے معاملات سے رہا تھا بخوبی واقف تھا اور فارسی بھی بخوبی بول سکتا تھا۔ پہلی بات عقلمندی کی سر مارٹیمر ڈیورینڈ سے یہ ہوئی کہ اُسنے کہدیا کہ میں تو امیر صاحب کا مہمان[1] ہوں۔ میں فوج کی بھیڑ بھاڑ کابل کو نہیں جانا چاہتا چنانچہ سفیر مذکور کی اس دانائی اور فراست نے اُسکی وقعت کو امیر کی نگاہوں میں دوبالا کر دیا۔ اور اُنہوں نے اُسکی حد سے زیادہ تواضع اور خاطر کی۔ ۱۹ ستمبر ۱۸۹۳ء کو سر مارٹیمر ڈیورینڈ پشاور سے روانہ ہوئے۔ سرحد کابل پر جرنیل غلام حیدر سفارت کے استقبال کے لیئے موجود تھا یہ سفارت مندرجہ ذیل ممبران پر مشتمل تھی:-

سر مارٹیمر ڈیورینڈ کی سفارت افغانستان

(۱) سر مورٹیمر ڈیورینڈ صاحب۔

(۲) کرنیل ایلس صاحب۔

(۳) کپتان میکموہن صاحب۔

(۴) کپتان سمتھ صاحب۔

(۵) کپتان میئرز صاحب۔

(۶) مسٹر کلارک صاحب۔

(۷) سرجن میجر فن صاحب۔

اِن لوگوں کے علاوہ بنگال لانسرز نمبر ۲ سے بارہ افغان بطور اردلیوں کے ہمراہ تھے۔ اور اسیقدر ہندوستانی کلرک اور ترجمان تھے۔ غرض کل جمعیت ملاکر کوئی تین سو آدمیوں کی بھیڑ بھاڑ تھی۔ اس قافلہ کے ساتھ دو سو اونٹ

[1] یہ ایک اچھی پولیٹیکل طرح تھی۔ وزیر ہند سر مارٹیمر کو افغانستان میں جاکر سلامت واپس آنیکا اسقدر شک تھا کہ اُسنے زندگی کو بیمہ کرنیکی کمپنیوں میں اپنی زندگی کا بیمہ کرادیا تھا۔

اسیقدر خچریں اور پچاس گھوڑے بھی تھے۔ جلال آباد میں سفیر اُسی مکان میں اُتارا گیا جو امیر صاحب اپنے لیئے بنوا رہے تھے۔ جب سفارت کابل کے گردونواح میں پہنچی تو مسٹر پین جواب سر سالٹر پین ہیں امیر صاحب کیطرف سے سفیر کے خیر مقدم کے لیئے آئے۔ ۴۔ اکتوبر کو یہ لوگ کابل میں داخل ہوئے اور کابل کے توپ خانہ سے اُنکی سلامی ہوئی۔ مہمانوں کے لیئے شہزادہ حبیب اللہ خاں کا مکان آراستہ کیا گیا تھا جو خاصکر کے قابل دید تھا۔ خوابگاہ میں جو پلنگ بچھا ہوا تھا اُسپر سونیکا کام آنکھوں کو چوندھیاتا تھا۔ اور اس پلنگ کے گدیلے مخمل و کمخواب کے تھے۔ پردۂ آسمانی ساٹن کے اور قریب اُسکے ایک پیانو باجا رکھا ہوا تھا۔

سفارت انگریزی اور امیر صاحب

دوسرے دن سفیر انگریزی امیر کابل کی ملاقات کے لیئے گیا۔ امیر صاحب نے بڑے تپاک سے مصافحہ کیا اور ہنگام گفتگو بیان کیا کہ ہم نہایت خوش ہیں کہ ایسا جلیل القدر شخص جو سرکار انگریزی کا معتمد الیہ ہے ہمارے ملک میں سفیر بنکر آیا ہے۔ اور بڑی خوشی کا مقام یہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ فارسی زبان میں گفتگو کرسکتا ہے۔ پھر امیر صاحب سر مارٹیمر ڈیورینڈ سے مختلف مضامین پر بحث کرتے رہے مثلاً مرض نقرس پر جسکا امیر صاحب کو عارضہ ہے۔ تحکمہ ریل پر اور اپنے سیر یورپ کے ارادہ پر۔

دوسرے دن سفیر اور اُنکے ہمراہیوں کو امیر صاحب کے نئے محل کی سیر کرائی گئی اور وہ اُسکی آرایش اور سجاوٹ دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ اِس محل میں امیر تیمور کی تصویر بھی آویزاں تھی۔

۱۳۔ نومبر کو عظیم الشان دربار ہوا۔ اِس دربار کی کیفیت اسطرح پر ایک اخبار میں درج تھی۔

"سر مارٹیمر اور اُنکے ہمراہیوں کا استقبال مکان دربار پر امیر صاحب کے دونوں

شہزادوں حبیب اللہ خاں اور نصر اللہ خاں نے کیا۔ اور کمرہ دربار میں انہیں لیجاکر بٹھایا۔ سفیر کے مقابل میں امیر صاحب کے فوجی اور رسول افسروں کے لیئے چوکیاں بچھی ہوئی تھیں۔ علاوہ دیگر اشخاص کے اس وقت جنرل جان محمد حاکم توپخانہ۔ جنرل میر محمد اور خان ہلا موجود تھے۔ امیر صاحب کے تخت کے پائے میں شیر کی کھال بچھی ہوئی تھی۔ جب امیر صاحب تشریف لائے تو تمام اہل دربار سر قد استادہ ہوگئے۔ آتے ہی انہوں نے تمام انگریزوں سے مصافحہ کیا اور تخت پر بیٹھ گئے۔"

قصہ مختصر جب سر مارٹیمر ڈیورینڈ وہاں سے رخصت ہوئے تو تمام کام نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بھگتا کر آئے۔ گورنمنٹ انگلشیہ کا منشا پورا ہوگیا۔ یقین کی کشیدگی رفع ہوگئی اور پھر سلسلۂ دوستی مستحکم ہوگیا۔ امیر صاحب نے وعدہ کیا کہ آئندہ میں چترال۔ باجور۔ سوات اور آفریدیوں کے معاملات میں دخل نہیں دونگا۔ اور انگریزوں نے انکے وظیفہ کو ڈیوڑھا کردیا یعنی بجائے بارہ لاکھ روپیہ سالانہ دینے کے اٹھارہ لاکھ سالانہ مقرر کیا۔[1] اور امیر صاحب کو کافرستان فتح کرنیکا بھی حق حاصل ہوگیا۔ تکمیل معاہدہ

۲۳ جنوری ۱۸۹۴ء کو مارکوئس آف لینسڈون نے جو اسپیچ رخصتانہ کی اسمیں سر مارٹیمر ڈیورینڈ کے حسن انتظام کی بہت تعریف کی اور کہا کہ تمہاری سفارت میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی ہے۔

اکتوبر ۱۸۹۳ء میں سر مارٹیمر ڈیورینڈ نے جو معاہدہ کابل میں کیا وہ ایک پارلیمنٹ کے کاغذ سے حسب ذیل نقل کیا جاتا ہے:۔

چونکہ دربارۂ سرحد افغانستان کے کچھ گفتگو پیش آئی ہے جسکا تعلق ہندوستان سے

[1] ۱۸۹۶ء کی دوسری سہ ماہی میں معلوم ہوا ہے کہ سرحد داخان کی حفاظت کے لیئے امیر صاحب کو پچاس ہزار روپیہ سالانہ سرکار انگریزی سے دینا منظور کیا ہے۔

ہے اور ہز ہائینس امیر کابل اور گورنمنٹ انڈیا ان باتوں کا فیصلہ دوستانہ طریقہ سے کرکے دوستانہ سمجھوتہ قایم کرنا چاہتی ہے اور ہر دو مقامات کی حد مقرر کرنا چاہتی ہے تاکہ بائے آیندہ کوئی اختلاف رائے ہر دو گورنمنٹوں میں نہ ہو بنا حسب ذیل وجوہ قرار دیئے گئے۔

شرائط مابین

اول۔ مشرقی اور جنوبی سرحد عملداری ہز ہائینس کی دامان سے سرحد فارس تک حسب لین نقشہ منسلکہ ہوگی۔

دوم۔ گورنمنٹ انڈیا کسی وقت میں اس عملداری میں داخلت نکریگی جو حدود افغانستان میں ہوگی اور ہز ہائینس امیر کسی وقت میں اس عملداری میں مداخلت نہ کرینگے جو اس حد کے باہر جانب ہندوستان ہوگی۔

سوم۔ برٹش گورنمنٹ تسلیم کرتی ہے کہ ہز ہائینس امیر اسمار پر قابض رہیں اور اسکے اس جانب وادی چندک تک انکو اختیار رہے۔ اور ہز ہائینس اس بات کو منظور کرتے ہیں کہ کسی وقت میں وادی سوات سے کسی طرحکی مداخلت نہ کرینگے۔ اور سوات باجوہ چترال۔ اردئی۔ یا وادی بشغل سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے اور برٹش گورنمنٹ رضامند ہے کہ ہز ہائینس کو پیرل کا حصہ دیدے جو اس نقشہ سے مفصل طور پر ظاہر ہوگا۔ جو ہز ہائینس کو دیا گیا ہے اور ہز ہائنس نے وزیری اور داوار کے ملک اور چارگاہ سے قطع تعلق کیا ہے۔

چہارم۔ سرحدی لین بعد کو مشرح طور سے قرار دیجائیگی جسکی کارروائی برٹش اور افغانی کمشنروں کے ذریعہ سے ہوگی اور اسکا منشا دیہ ہوگا کہ باہم سمجھوتہ سے ایک سرحد قایم کیجائے۔ اسکے بارہ میں حتی الامکان لین موافق نقشہ منسلکہ کے ہوگی اور استحقاق مواضع حوالی سرحد کا بھی لحاظ رکھا جائیگا۔

پنجم گفتگو سے جن کے بارہ میں امیر اس اعتراض کو واپس لیتے ہیں جو جارید برٹش

کمپو قائم کرنے پر تھا اور برٹش گورنمنٹ کو اپنا وہ استحقاق واپس دیتے ہیں جو سرکار اور تلیری کے پانی کا خرید کیا تھا۔

ششم۔ چوئی خواجہ عمران کی شاخ پہاڑی واقع متصل شاہ کوتل سے جو برٹش عملداری میں رہیگا سرحدی لین ایسی سمت سے جائیگی تاکہ مرغ چمن شراوک کا چشمہ افغانستان کے لئے چھوٹ جائے اور یہ سرحد جدید چمن کے قلعہ اور افغانی بیرونی تہانہ کے قریب سے گذریگی جو کہ لشکر ڈانڈ کے مشہور ہے۔ وہاں سے مابین ریلوے اسٹیشن اور سپلالی بلاک کے گذریگی اور جنوبی جانب جائیگی۔ وہاں سے خواجہ عمران کی پہاڑی سے شریک ہوگی۔ گورجہ کا تھانہ برٹش عملداری میں ہوگا اور شراوک کو جو سڑک گئی ہے وہ مغربی جانب رہیگی۔ اسکے جنوب میں گورجہ واقع افغانستان ہوگا۔ اس سڑک کے نصف میل تک برٹش گورنمنٹ کوئی مداخلت نہ کریگی۔

معاہدہ مذکور گورنمنٹ انڈیا اور امیر افغانستان ایک قابل تسکین فیصلہ خیال کرتے ہیں جسمیں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے جو کہ حال میں مابین گورنمنٹ ہند اور امیر افغانستان کے پیش آیا تھا اور تفصیل کے بارہ میں گورنمنٹ ہند اور امیر افغانستان وعدہ کرتے ہیں کہ اسکا فیصلہ دوستانہ طریقہ سے وہ اختیار کرینگے جو سرحد قائم کرنے پر مقرر ہوں تاکہ برائے آئندہ کوئی شک و شبہ اور باعث غلط فہمی ہر دو گورنمنٹوں میں نہ پیدا ہو۔

ہفتم۔ چونکہ یقین کامل ہے کہ ہز ہائینس امیر برٹش گورنمنٹ کی طرف سے نہایت نیک اور اس خیال سے کہ افغانستان آزاد اور مضبوط ہو گورنمنٹ آف انڈیا سامان جنگی کے طلب کرنے میں ہرگز مداخلت نہ کریگی۔ بلکہ اسبارہ میں گورنمنٹ آف انڈیا خود امیر کی مدد کریگی۔ علاوہ ازیں اس لحاظ سے کہ ہز ہائینس امیر نے دوستانہ طریقہ سے اس فیصلہ کو

منظور کیا ہے۔ گورنمنٹ انڈیا نے علاوہ اس بارہ لاکھ کے جو ہز ہائینس کو ملتے ہیں چھ لاکھ روپیہ اور زیادہ کر دیئے ہیں ؛

جس وقت ہندوستان کے اخبار نویسوں کو معلوم ہوا کہ امیر صاحب کے وظیفہ میں اسقدر اضافہ ہو گیا ہے تو اُنمیں سے بعض نے وہ واویلا کی کہ توبہ۔ اُنہوں نے اس بات پر زور دیا کہ کیوں سرکار انگلشیہ ہندوستانیوں کا گلا کاٹ کر افغانوں کا پیٹ پال رہی ہے۔ اگر خدانخواستہ روسیوں نے ہندوستان کا رُخ کیا تو یہہ لوگ ہرگز ہماری مدد نہیں کرینگے۔ سرکار کو اُنکے چکموں میں نہیں آنا چاہیئے۔ یہہ بڑے مطلب پرست ہیں۔ سرکار کو چاہیئے کہ ہندوستانیوں کے حال پر رحم کرے۔ اور جو روپیہ کہ وہ نہایت عرقریزی سے پیدا کرتے ہیں مفت خوروں کی نذر نہ کرے۔ ہم لوگ نان شبینہ کو محتاج ہیں اور افغان پلاؤ دسر کے گوشت پلاؤ اوڑاتے ہیں۔ کیوں نہیں سرکار افغانستان کو علاقہ انگریزی بنالیتی اور ہر روز کے مخمصہ کا تصفیہ کر دیتی۔ کئی بار انگریزوں نے افغانوں کو آزمایا ہے۔ یہہ اُنکے ہتھکنڈوں سے بخوبی واقف ہیں۔ پھر خدا جانے اُنکی سمجھ کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ اس معاملہ کی تہہ کو نہیں پہنچتے اور فتح کر کے بھی کابل کو اپنے قبضہ میں نہیں رکھتے۔ مگر یہ ایک کوتہ اندیش گروہ کے خیالات ہیں۔ جو لوگ اصل حالات سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ انگریز ایسے بیوقوف نہیں کہ یہ سب مفت دیں۔ روسیوں کا دست مدت سے ہندوستان پر ہے۔ ایک نہ ایک دن ضرور آئیگا کہ وہ ہندوستان کیطرف بڑھیں۔ مگر اس طرف آنیکے لیئے ضروری ہے کہ وہ افغانستان کو موافق کریں یا فتح کر لیں۔ سرکار انگلشیہ کی پالیسی یہ ہے کہ افغانستان کو ایسا طاقتور بنا دے کہ روسی اُسکو فتح نہ کر سکیں[1]۔ افغانستان کوئی زرخیز ملک نہیں ہے

[1] اخبار پایونیر نے ایک لیڈنگ آرٹیکل میں امیر صاحب کے وظیفہ کی زیادتی کو ثابت کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ سر ریٹمر ڈیورنڈ کی معرفت جو امیر کا وظیفہ ۱۲ لاکھ سے بڑھا کر ۱۸ لاکھ کر دیا گیا اُسکی نسبت (دیکھو صفحہ ۹۷)

اُسکی آمدنی اُسکے اخراجات کے لیئے مشکل سے کفایت کرتی ہے۔ اُسکا فوج کو ناکارہ ہونے کے لیئے کسیطرح مفید نہیں ہے۔ قطع نظر اِسکے افغان ایسی ٹیٹری واسامی ہیں کہ اُنکو تابع رکھنا بڑا کٹھن کام ہے۔ وہ اپنے ہمقوم اور ہم مذہب ہی کو اپنا بادشاہ تسلیم کرسکتے ہیں۔ اُسکے بغیر وہ کسی افلاطون کو بھی کچھ نہیں جانتے۔ اِس لیئے سرکار انگریزی بہت اچھی پالیسی چل رہی ہے۔ جو اُسکے گرانقدر ذاتی تجربہ پر مبنی ہے۔ میر صاحب کو بیشک ایک کثیر رقم زر دیجاتی ہے اور علاوہ اِسکے اسلحہ وغیرہ سے بھی مدد دیگئی ہے۔ تاکہ وہ اپنی سلطنت کو ایسا مضبوط کرلیں کہ روس سہولیت سے ہندوستان کیطرف رُخ نہ کرسکے لیکن امیر صاحب اِس وظیفہ کا ایک حصہ ہندوستان کے شمال مغربی سرحد کی اقوام کو بھی دیتے ہیں۔ تاکہ وہ سرحد پر امن قائم رکھیں۔ بہت کم ناظرین کو معلوم ہوگا کہ یہہ سرحد کا وظیفہ کوئی انگریزوں کی ایجاد نہیں

افغان خیرخواہ بادشاہ پسند نہیں کرتے

کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ جہانتک نظر غور سے دیکھا جاتا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امیر کے وظیفہ میں ضرور زیادتی ہونا چاہیئے تھی۔ ہندوستان اور افغانی سرحد کے معاملات میں بہت سی جنگیں کوہستانیوں کی گوشمالی کے لیئے کرنی پڑتی ہیں اور اُنمیں بہت کچھ صرف ہوجاتا تھا۔ اُسکے سامنے یہہ ۶ لاکھ کا اضافہ کچھ بھی نہیں ہے۔ یقیناً یہ لڑائیاں اب بند ہوجائینگی۔ پہاڑی قومیں جو حملے کیا کرتی تھیں اُنکے بندوبست کو سرحد پر چوکیاں اپنے بٹھانی ہونگی۔ جنگ کے سامان کی ٹوٹ پھوٹ نہ ہوگی جو اِدہر اُدہر مارا مارا پھرتا تھا۔ علاوہ ایک دوسری نظر سے بھی اِس معاملہ کو دیکھ لینا چاہیئے۔ جب پہلے ہی ۱۸۸۰ء میں امیر صاحب کو ایک لاکھ روپیہ ماہواری ملنا شروع ہوا تو روپیہ ۲۰ پنس کا تھا۔ اب جبکہ ۱۶ پنس کا رہگیا ہے تو دیکھنا چاہیئے کہ کابل کے خزانہ پر اسکا کیا اثر ہوگا۔ امیر صاحب کو ہر وقت اپنی فوج تیار رکھنا پڑتی ہے اور ہتھیار اور سامان جنگ کی درستی میں اُنکا بہت کچھ خرچ ہوجاتا ہے اور وہ سب سامان اُنکو بورپ سے انگریز ہی سستے داموں خریدنا ہوتا ہے۔ اُنہیں بھی سب لوگوں کی طرح یہاں ایک پونڈ کے سولہ یا سترہ روپے دینے پڑتے ہیں۔ پس اُنکے یہ چھ لاکھ جو زیادہ ہوئے ہیں اُس حالت میں کچھ بھی حقیقت نہ رکھیں گے۔ جب اِس ہزار ہندسی (دیکھو صفحہ ۹۰)

بلکہ شاہان مغلیہ بھی اِن آزاد اقوام کو جو افغانستان اور ہندوستان کے مابین سکونت رکھتی ہیں دیا کرتے تھے۔ فیرر صاحب کی تاریخ افغانستان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نادر شاہ نے مہم ہند کا قصد کیا اور اِس علاقہ سے گذرنے لگا تو عسکر پٹھانوں نے درخت کاٹ کاٹ کر دروں کے راستے بند کر دیئے۔ اور چوٹیوں پر سے نادر کی فوج پر اسقدر پتھر پھینکے کہ نادر ایسے شخص کو اِن سے مصالحت کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اور جب نادر نے انہیں انکا حق دیکر راضی کر لیا تو یہ اُسکی فوج میں شریک ہو گئے۔ اِس سے ظاہر ہے ہندوستان کے امن کے لیئے اِن افغانی قبیلوں کو کچھ دینا ضروری ہے اور وہ امیر صاحب اُس روپیہ سے اُنہیں ہی تقسیم کرتے ہیں۔

سرحدی آزاد قوموں کے وظائف

باب ہشتم

کچھ اور پولٹیکل چالیں اور کامیابیاں

بہت کم لوگ ہندوستان میں جانتے ہیں کہ امیر عبدالرحمن خان صاحب شطرنج بہت عمدہ کھیلتے ہیں۔ لیکن یہہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ پولٹیکل شطرنج بازی میں انہیں اور بھی بڑھکر حاصل ہے۔ یہانتک کہ اِس میدان کے کھلاڑیوں میں انہیں وہ رتبہ حاصل ہے جو شطرنج کے کھلاڑیوں میں ابو زید کا مشہور ہے۔

یورپ میں خرچ کرنے پڑیں گے۔ ہمیں یہہ ہی سمجھ رکھنا چاہیئے کہ امیر بیچارے نے خود اس اضافہ کی درخواست نہیں کی تھی کیونکہ مشرقی رئیس ایسی گفتگو کو معیوب سمجھتے ہیں ++

بلکہ انکی نسبت یہہ کہنا بھی ناموزوں نہیں کہ ع

ابوزید را اسپ و فرزین دہد

۵ مئی ۱۸۹۶ء کو بروز عید الفطر امیر عبدالرحمن خاں صاحب نے کابل میں ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا کہ جسمیں تمام ملک کے وکیل اور قوموں کے سرگروہ اور سردار شریک تھے اور اسمیں ملا عاوم صاحب نے اپنے ہاتھ سے ایک بیش قیمت تمغہ مکلل بجواہر امیر صاحب کے سینہ پر چسپاں کیا۔ یہہ تمغہ اس رقم سے تیار کیا گیا تھا جو تمام افغانستان کے رئیسوں نے اپنی رضا و رغبت سے امیر صاحب کے خطاب "ضیاء الملت والدین" اختیار کرنے کی خوشی کے موقعہ پر ملک کیطرف سے چندہ کرکے انہیں ہدیہ کرنا مناسب سمجھے تھے۔ دراصل یہہ کارروائی نتیجہ امیر صاحب کی گہری پولیٹکل لیاقت کی ایک عملی چال کا ہے۔ جو وہ حال میں چلے ہیں۔ جو لوگ کہ افغانستان کی تاریخ سے کسیقدر واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس بدنصیب ملک کی خرابی کا بڑا باعث یہی رہا ہے کہ بادشاہ وقت کے بعد خاندان شاہی کے تمام متوسل تخت گیری کی فکر میں ہوجاتے ہیں اور جابجا بغاوتیں اور فتنے پیدا کرکے سلطنت کو ایک مسلسل بدامنی کی حالت میں مبتلا رکھتے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھکر شاہی خاندان کے متوسل کبھی کبھی تخت سلطنت حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہوجاتے ہیں کہ جیسا کہ انہیں اوراق میں امیر شیر علی خاں کے زمانہ حکومت کے ابتدائی اور آخری واقعات سے ظاہر ہے۔ اسکے علاوہ افغانستان کے زیرک اور مردم شناس بادشاہ فایاب سے پہلا فرض یہ ہونا چاہیئے کہ اسملک کے جاہل مگر مذہبی سرگرم رعایا کے تعصبات مذہبی کو غیر مسلم قوموں کے خلاف ہمیشہ بھڑکائے رکھنے اور اپنے حقوق شاہی کے نگاہ اور محفوظ رکھنے کے لیئے احکام شرعی کی پابندی کی تاکید کرتا رہے۔ کیونکہ دین اسلام میں اولی الامر یعنے بادشاہ وقت کی اطاعت

خطاب ضیاء الملت والدین اختیار کرنا

۱۹

اور حفاظت مذہب کے لیئے کافروں سے مقابلہ کرنے کے متعلق بکثرت احکام موجود ہیں
امیر عبدالرحمن خاں ایسا شخص نہیں ہے جو ایسی باتوں سے فایدہ اُٹھانے میں تامل کرے
امیر صاحب کو یہ بات ابتدا سے ذہن نشین ہو چکی ہے کہ قوم یا قوم کے سرگروہوں کی
رضامندی حاصل کرنے یا کم از کم ایسا ظاہر کرنے سے بہت سے پولیٹکل خدشات رفع ہو جاتے ہیں
چنانچہ اُنہوں نے روسی ترکستان سے لوٹ کر تخت افغانستان انگریزوں کے ہاتھ سے
کارروائی کی تھی اور جواب دینے میں بڑا انتظار کرایا تھا۔ بلکہ جواب میں یہ بھی کہدیا
تھا کہ میں تنہا کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ جبتک میرے اہل قوم جو میرے گرد جمع
ہو گئے ہیں کسی امر پر متفق نہ ہو جائیں۔

ان سب امور کو مدنظر رکھکر حال میں امیر صاحب نے اپنی اعلیٰ قابلیت کا ثبوت دیا
ہے۔ اور تمام اہل افغانستان کے خورد و کلاں وضیع و شریف سے ایک عہدنامہ پر دستخط
کرائے ہیں کہ جسکے مطابق وہ پابند ہو گئے ہیں۔ کہ سوائے امیر عبدالرحمن خاں کی آل اولاد
کے سردار پائندہ خاں کی نسل کے اور کسی سردار کی اطاعت نہ منظور کرینگے۔ امیر
صاحب کو خطاب ضیاء الملت والدین سے یاد کرینگے اور اُنکی جان نثاری و وفاداری
سے کبھی سرتابی نہ کرینگے۔ اپنے ملک سے ایک چپہ زمین جب تک دم میں دم ہے کسیکو
لینے نہ دینگے۔ اور ہر آٹھ آدمیوں میں سے ایک کو حفاظت ملک کے لیئے سپہگری کی
واسطے وقف کر دینگے۔ ظاہر کیا گیا ہے کہ انمیں سے چار شرائط عہدنامہ کے بااکراہ
و ترغیب خود بخود اعیان و اکابر فرقہ محمدزئی نے مرتب کر کے امیر صاحب کی خدمت
میں پیش کی تھیں۔ اور جب امیر صاحب نے اپنی رعایا کے دوسرے فرقوں سے دریافت
کیا کہ انہیں بھی ان باتوں سے اتفاق ہے تو سب نے انپر اتفاق ظاہر کیا۔ اس
پانچویں شرط انپر اور اضافہ کر دی۔[1]

امیر صاحب کی املاک کے افغان کسی کال کا علاقہ نہیں منظور کرینگے۔

[1] یہ پانچوں شرائط بجنسہ حسب ذیل ہیں۔ شرط اول یہ تھا کہ چونکہ اس سلطنت میں احکام دین و قواعد شرع متین کی حمایت اور انپر عملدرآمد بجولی تمام ہوتا ہے اور طریقہ

(دیکھو صفحہ ۱۰۱)

دینداری اور شرائط اسلامی سے تمام مسلمان رعایا بوجہ احسن فائدہ اُٹھاتی ہے۔ مساجد و معابد جو کہنہ اور منہدم ہو گئے تھے از سر نو انکی تعمیر و آبادی ہوئی علماء خطاب و موزنین وغیرہ ہر قسم کی نعمتیں و رعایتیں وغیرہ ہمیں بطفیل شاہی میسر ہیں۔ اسکے علاوہ قوانین مملکت داری روز بروز بہتر اور خوبتر ہوتے جاتے ہیں۔ اور آلات حربیہ اور دیگر اسباب و لوازمات بھی ضرورت وقت کے مطابق ہمارے لیئے مہیا ہوئے ہیں لہذا ہم نے بالاتفاق مناسب جانا کہ آپکے نام نامی کے ساتھ امیر المومنین ضیاء الملۃ والدین کا خطاب پڑھا جائے۔ چنانچہ ان الفاظ مبارک کو قطعہ نشان میں درست کرا کے حضور میں پیش کرنیکے لیئے ہم لائے ہیں۔

فقرہ دوم:۔ یہ تھا کہ چونکہ زمانہ سابق میں ہماری سلطنت اور سلطنتہائے غیر کے درمیان حد بندی مشخص نہ تھی اور نہ کوئی اس قسم کی دستاویز تھی جس سے اپنی اور غیر کی سلطنت میں امتیاز ہو سکے۔ اسلیئے اپنے ملک کی نگرانی ہمیشہ نہایت مخدوش حالت میں رہا کرتی تھی۔ اب چونکہ حضور والا کی سعی و توجہ سے چاروں طرف کی حد بندی ہو چکی ہے تو گویا کہ ہمارے مکان کی چار دیواری کھینچی گئی ہے۔ اور اس چار دیواری کے اندر ہماری دولت دین ننگ و ناموس وغیرہ محفوظ ہو گیا ہے۔ اسلیئے ہم تمام رعایا اُس بے پایان احسان شاہی کے بھی نہایت ممنون اور خدائے تعالیٰ کے نہایت شکر گذار ہیں اور اپنی زمین سرحد کو جان کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔ ایک ایک اینٹ کے ٹکڑے پر ہمارا سر لگا ہوا ہے۔ اور کسی زمانہ میں بھی ہم اپنے حق میں سے ایک ذرہ کسی دوسرے کو نہ لینے دینگے۔

حد بندی مملکت

فقرہ سوم:۔ یہ تھا کہ اس حکمرانی کے زمانہ کثیر میں عنایات و توجہات شاہی سے (جو اقوال و افعال سے ہم پر صادر ہوتے رہے ہیں) ہماری دولت و ملت کو بے انتہا فائدہ پہنچا ہے۔ نیک اور لایق آدمیوں کو علی قدر مراتب رتبے اور نعمتیں بخشی گئیں۔ اور شریر النفس لوگ جو موجب اختلال امور مملکت داری تھے وہ ہمارے درمیان سے دور کر دیئے گئے۔ اسکے علاوہ وہ باتیں جو ہم نے دینی اور دنیوی کاموں میں چھوڑ دی تھیں اب ہم اپنی جان کے ساتھ انہیں وابستہ سمجھنے لگے ہیں۔ غرضیکہ ان انتظامات سے ہم اپنی بہتری کا موجب خیال کرتے ہیں (دیکھو صفحہ ۱۰۲)

امیر کے عہد کی برکتیں ۴

بقیہ از صفحہ ۱۰۱

اور ہم اپنے بادشاہ پر جان نثاری سے کبھی ہرگز دریغ نہ کرینگے اور نہ کبھی اطاعت اور فرمانبرداری سے سرتابی کرینگے۔

فقرہ چہارم۔ یہ تھا کہ اس عرصہ دراز حکمرانی میں حضور والا کی طرف سے رعیت گستری اور رعیت پروری میں کسی قسم کی فروگذاشت نہیں ہوئی۔ اور ہم اپنے ملک کی اس امانت داری کو حضور کے تہہ پوری اطمینان اور منت پذیری کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں۔ لہذا ہم تمام رعایائے افغانستان عہد و پیمان واثق کرتے ہیں کہ حضور کو اس ملک کا صاحب تاج اور تخت اور خود کو رعیت خدمتگذار اور دین و دولت کا فدائی جانتے رہیں گے اور اولاد و احفاد حضور کو بھی ہملوگ اسی عہدہ و منزلت پر تسلیم کرکے جس پر کہ حضور کی طرف سے وہ معین ہونگے۔ ہمیشہ انکے رتبہ و درجہ کے مطابق انکی اطاعت اور خدمتگذاری کیا کرینگے۔ اور اگر کوئی شخص اقوام افغانستان سے خواہ وہ قوم محمد زئی سے ہوں یا غیر آں طائفہ داخلی سے ہو یا خارجی سے ہو گمراہ ہو کر خیال بغاوت بھی دلمیں لائیگا تو ہم سب دین و ملت کے حکم کے مطابق اسے باغی جانکر اسکی سزائے جانی و مالی کو اپنا فرض عین سمجھیں گے اور ان تمام اقوال و عہد و پیمان کی بابت ہم خداوند تعالیٰ اور اسکے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ضامن دیتے ہیں اور اس عہدنامہ کو بمراد منظوری و قبولیت حضور میں پیش کرتے ہیں۔

باغی کی سزا

فقرہ پنجم (اضافہ شدہ) یہ تھا کہ چونکہ استحکام سرحد ملک ہماری احکام دین کے مطابق واجبات سے ہے لہذا اب جبکہ ہماری سلطنت کی حدود مشخص و مرتب ہوگئیں تو انکی حفاظت کے لیئے کافی سپاہ بھی لازم ہے۔ پس ہر گھر کے ۸ مرد میں کاری میں سے ایک شخص کو علیحدہ اور فکر معاش سے سبکدوش کرکے وقت ضرورت کے آنے تک مشق قواعد نظامی اور کسب فنون سپاہگری میں مصروف کیجئے گے تاکہ جس وقت ضرورت پیش آوے یہ تمام آدمی اپنے ملک کی حفاظت کے کام آسکیں۔

والنٹیر فوج

چونکہ ان لوگوں کی تجویز بھی آخر بینی اور دور اندیشی پر مبنی تھی۔ لہذا انکے اتفاق و اخلاص سے بھی ہم خوشنود ہوئے۔ اور چونکہ معاہدہ مذکرہ بالا کے تمام خطوط و عرائض جمیع ولایت ملحدوس کے باشندوں کی طرف سے (دیکھو صفحہ ۱۰۳)

معلوم ہوا ہے کہ امیر صاحب نے یہہ شرائط عہدنامہ کے سوا بہت سی آیات قرآنی اور حدیثات تائیدی کے ایک تین بالشت چوڑے اور سوا گز لمبے اشتہار

جشن فتح کابل

۲۴ ماہ اسد ۱۲۸۸ شمسی مطابق ۱۰ ربیع الاول ۱۳۲۷ ہجری تک تمام و کمال جمع ہوگئیں اسلئے روز مذکور کو مبارک و سعید سمجھکر مجھے حکم دیا کہ ہر سال اس تاریخ میں ایک شبانروز تمام مملکت افغانستان کے اندر جشن و بزم چراغان کیجائے اور خوشی منائی جائے اور اس جشن و خوشی کا نام جشن متفقہ رکھا گیا ہے۔ ۱۲

لہ اسکی زیادہ تفصیلی کیفیت ۱۱ ستمبر ۱۹۰۹ء کے پیسہ اخبار سے نقل کیجاتی ہے۔ وہو ہذا:۔

بقرعید کے دنوں میں کابل میں ایک عظیم الشان تقریب یاد گار واقع پیش آیا کہ جو جناب امیر عبدالرحمن خان صاحب کی ذہانت اور قابلیت کی ایک عجیب مثال ہے۔ یعنی عید کے روز ایک عالیشان دربار منعقد کیا گیا۔ اور اسمیں ایک بیش قیمت تمغہ مکلل بجواہرات امیر صاحب کے زیب سینہ کیا گیا۔ جو ملا علوم صاحب نے پہنایا۔ تمام فلک کے رؤسا نے اپنی خوشی سے ایک قسم روپے کی فراہم کرکے یہہ تمغہ تیار کرکے اپنی طرف سے امیر صاحب کو نذر کیا۔ مت میں مدیر کیا ہوا۔ امیر صاحب کو خطاب "ضیاء الملت والدین امیر المومنین امیر عبدالرحمن خان والی افغانستان" کا دیا گیا ہے اسی موقع کی یادگار میں امیر صاحب نے جو سکہ لگایا ہے اسپر بھی یہی کتبہ درج کیا گیا ہے اور اس موقع پر کئی لاکھ کاپیاں ایک اشتہار کی چھاپ کر شائع کی گئیں۔ یہ اشتہار تخمیناً تین بالشت چوڑا اور سوا گز لمبا سفید کاغذ پر چھپا ہوا ہے جسکے چوگرد تین انگل طلائی بیل ہے۔ اسپر بہت سی آیات قرآنی کے بعد مندرجہ ذیل مطلب کی چار شرائط درج ہیں۔ جنکے نیچے تمام قلمرو افغانستان کے ملایان۔ نمبرداران۔ رئیسان و رعایا کے دستخط کرائے جارہے ہیں اور وہ لوگ خدا و رسول کو گواہ اور ضامن رکھکر ان شرائط پر دستخط کررہے ہیں۔

جشن قبول خطاب کی تفصیل

اول:۔ یہ کہ جو خطاب ہم لوگوں نے امیر صاحب کو دیا ہے ہم ہمیشہ انہیں اسی سے مخاطب کریں گے۔

دوم:۔ جو حکم امیر صاحب مطابق شریعت اسلام کے صادر کیا کرینگے۔ ہم اسکی اطاعت کرینگے۔

سوم:۔ کفار ہندوستان و انجار اجس طرف سے کہ ہمارے ملک پر یلغار کریں گے ہم

پر چھاپ کر کہ جسکے گرد سنہری بیل ہو اُسکی کئی لاکھ کاپیاں اپنی قلمرو میں شایع کی ہیں۔ اِن اشتہارات کو سواروں نے تمام ملک میں پہنچا کر ہر ایک شہر کے لوگوں سے دستخط لیے ہیں

لوگ اُن سے غراکرینگے۔

چھارم ۔ ہم امیر عبدالرحمن خاں کو اور اُنکی نسل سے جو لوگ جانشین ہوں اُنکو بادشاہ سمجھیں گے۔ اولاد سنڑ پائندہ خاں سے اور کسی کو بادشاہ نہ سمجھیں گے۔

اِن اشتہارات پر سوار تمام ملک میں پھرا کر دستخط کرا رہے ہیں اور لوگ بڑی خوشی سے دستخط کر رہے ہیں۔ کیونکہ جسقدر آسایش اور امن رعایائے افغانستان کو امیر عبدالرحمن خاں کے زمانے میں میسر ہوا ہے کبھی نہیں ہوا۔

اسکے بعد عید رمضان کے روز امیر صاحب نے باغ بالا میں نماز گذاری۔ قریب ہزار کے عمل فعل موجود تھا۔ سردار حبیب اللہ خاں اور نصراللہ خاں نے شہر کابل میں نماز گذاری۔ جنکے پیچھے قریباً ایک لاکھ مسلمانوں نے نماز ادا کی۔ اور امیر صاحب کے تخت و بخت کیلئے دعا مانگی۔ بعد ادائے نماز امیر صاحب کے اعزاز میں کابل میں ۱۰۵ توپیں سر ہوئیں۔ اِدھر شہزادگان نے سلام خانے میں ہزاروں روپے کی شیرینی تقسیم کی۔ سب فوجوں کے منصبداروں اور خان و خوانین کو انواع و اقسام کا کھانا دیا گیا۔ کھانے سے فارغ ہوکر دونوں شہزادے مع تمام خوانین اور افسروں کے امیر صاحب کی خدمت میں باغ بالا میں عید مبارک کہنے کے لیئے حاضر ہوئے۔ امیر صاحب کو سب نے مبارکباد دی۔ اور امیر صاحب نے بجواب اسکے "جوڑ پرسانی" کرکے مبارکباد دی۔ اور شیرینی اور قند تقسیم ہوکر لوگ کابل کو رخصت ہوئے۔ دوسرے روز امیر صاحب کیمپ میں سوار ہوکر قلعہ ہاشم خاں میں جہاں حرم سرائے عالیہ تشریف رکھتے ہیں۔ تشریف لیگئے۔ آٹھ روز مہمان رہے۔ بعد اسکے کابل میں تشریف لاکر سردار نصراللہ خاں کے مہمان رہے۔ دوسرے روز سردار حبیب اللہ خان کے مہمان ہوئے۔ ہزاروں آدمیوں کو کھانا اور شیرینی دیگئی۔ پھر امیر صاحب بہلنے گھوڑے پر سوار ہوکر ارگ کا ملاحظہ کیا اور انقار خانہ میں تشریف فرما ہوئے۔ یہاں سے بوستان سرائے۔ گلستان سرائے۔ (دیکھو صفحہ ۱۰۵)

سردار نصراللہ خاں

امیر صاحب نے خطاب ضیاء الملت اختیار کرنے کی یادگار میں ایک نیا سکہ بھی مضروب کیا ہے۔ کہ جسپر ایک طرف یہ خطاب اور دوسری طرف کابل کی مسجد منقش ہے +

انگلستان سے براہ راست تعلق +

امیر صاحب کی ایک بہت بڑی آرزو یہ ہے کہ سلطنت افغانستان کو ہر نوع خود مختار کرنے میں کامیابی حاصل ہو۔ اسلیئے وہ اپنا تعلق بجائے وائسرائے ہند سے رکھنے کے براہ راست حضور ملکہ معظمہ انگلستان سے رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ خود بادشاہ ہیں اور اپنے سے کمتر پایہ کے وائسرائے سے تعلق رکھنا انہیں گوارا نہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس امر کا فیصلہ کرنے کے لیئے لنڈن کا سفر مناسب سمجھا اگر آمد سمجھا ئے اپنے منجھلے بیٹے شہزادہ نصر اللہ خاں کو سمیت معتمل خدم حشم کے لندن کو روانہ کیا لنڈن کے اخبارات اور رعایا اور حکام نے بڑی گرمجوشی سے انہیں مرحبا کہا اور انہیں ہر طرح خوش کرنے کی کوشش کی۔ اور شہزادہ نصر اللہ خان نے بھی ایسی قابلیت سے ہر امر کا برتاؤ کیا کہ لوگ انکی تدبیر اور دانش کو بلا ساختہ "الولد سر لابیہ" کہکر تعبیر کرتے تھے۔

پرنس نصر اللہ خاں لندن میں +

۲۵ جون کو شہر لنڈن کیطرف سے گلڈ ہال میں انکو مرحبا کہنے کے لیئے لنڈن کے لارڈ میر نے ایک عظیم الشان جلسہ کیا۔ اور ایک مرحبائی ایڈریس لنڈن کارپوریشن کیطرف سے ایک پر تکلف طلائی صندوقچہ میں رکھکر شہزادہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ غرض اس نوجوان شاہی مہمان کی شاہانہ مدارات میں کوئی دقیقہ اوٹھا نہیں رکھا گیا تھا۔ امیر صاحب نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ اثنائے سفر میں شہزادہ نصر اللہ خاں سے ایسی مدارات کیجاوے جسطرح کہ

اور مہمان خانہ جدید کی جسپر اب بہت خرچ ہوا ہے سیر کی پھر بگھی پر سوار ہو کر باغ بالا کو تشریف لیگئے۔ شیخ محمد حسن جدید الاسلام کا بیان ہے کہ میں نے ایسی حالت میں امیر صاحب کو آٹھ سال کے بعد سنگہ ترکستان سے آتے ہوئے اب گھوڑے پر سوار دیکھا کیونکہ وجہ بیماری کے آپ گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتے تھے +

کسی دوسرے تاجدار مہمان سے کیجاتی ہے۔ اور اُسے شاہی القاب و آداب سے مخاطب کیا جاوے۔ چنانچہ تمام ولایت کے اخبارات انہیں برابر "ہز ہائینس دی پرنس" کہکر پکارتے رہے ہیں۔ امیر صاحب نے اپنی طرف سے شہزادہ کے سفر کے لیئے اخلاقاً سفر کا فیاضی سے تخمینہ کیا تھا۔ اور شہزادہ صاحب نے اس امر کے ثبوت میں لنڈن میں فیاضی کے ساتھ کوئیلم صاحب کی مسلم انسٹیٹیوٹ اور لائبریز صاحب کی مسجد کے لیئے چندے دیئے۔ تاہم مہمانداری اور سفر کے اخراجات گورنمنٹ انگریزی کے ذمہ تھے۔

شہزادہ نصر اللہ خاں نے اپنے ایام انگلستان میں حضور ملکہ معظمہ قیصرہ ہند سے برابر ملاقات کی۔ اور پرنس آف ویلز اور شاہی خاندان کے دیگر ارکین نے اُنکی اسقدر خاطر و مدارات کی کہ اخبارات میں شائع ہونے لگا کہ پرنس آف ویلز شاہزادہ کے ساتھ نماز میں شریک ہوتے ہیں۔ اور صاحب وزیر اعظم انگلستان اور سکرٹری آف سٹیٹ ہند جب ملاقات کو جاتے ہیں تو انہیں گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ شہزادہ صاحب نے انگلستان کے کئی مقامات کی سیر کی۔ اور مختلف کلیں کارخانے صنعت و حرفت کو دیکھے۔ توقع کیجاتی ہے کہ ان جزئی تجربات سے کابل میں بہت جلد فائدہ اُٹھایا جاویگا۔ بلکہ برقی روشنی جاری کرنے کا معاملہ تو خیال کیا جاتا ہے کہ ابھی سے امیر صاحب کے زیر تجویز ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے امیر صاحب نے ہنوز تک اپنا ولیعہد نامزد نہیں کیا تھا۔ اسلیئے بعض لوگ امیر صاحب کے شہزادہ حبیب اللہ خاں کے سفر انگلستان پر روانہ نہ کرنے کو بھی اسی حکمت عملی سے منسوب کرتے ہیں۔ انکا خیال ہے کہ شہزادہ حبیب اللہ خاں کو جو درجہ امیر صاحب کا بڑا بیٹا ہونیکا حاصل ہے اور اسکے مطابق وہ امور ریاست بھی قابلیت سے انجام دے رہے ہیں۔ اگر امیر صاحب انہیں کو سفارت انگلستان کے لیئے بھی نامزد کرتے تو اُنکے دعاوی ولیعہدی کے بہت مضبوط

پرنس کے شاہی مدارات

ہو جاتے۔ اور شاید حرم سرائے میں ناخوشی کا خیال پیدا ہوتا۔

شہزادہ حبیب اللہ خاں کی زبان میں کیسقدر لکنت ہے بچپن میں انہیں ہر
خورانی کی کوشش کیگئی تھی کہ جسکا یہ اثر ابھی باقی ہے۔ شہزادہ نصر اللہ خاں
اپنے بڑے بھائی کی طرح جسیم نہیں۔ اور نہ اُسکی طرح ڈاڑھی منڈواتے ہیں۔
ہر چند کہ جناب امیر صاحب کی خدمت میں حضور ملکہ معظمہ نے دعوت انگلستان
کے لیئے ایک دستخطی چٹھی آنریبل مسٹر کرزن کے ہاتھ لکھکر روانہ کی تھی جو ۱۸۹۵ء
میں کابل میں گئے تھے لیکن در اصل سفر انگلستان کے ارادہ کا اظہار شروع میں
امیر صاحب کی طرف سے ہوا تھا۔ کیونکہ جیسا کہ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے۔ انکا مدت
سے خیال ہے کہ افغانستان کے تعلقات براہ راست انگلستان سے ہو جاویں
اور روسی ہندوستان کی وساطت کا سلسلہ بیچ میں سے اُٹھ جاوے اسی
ارادہ کی تکمیل کے لیئے وہ خود انگلستان جاکر تصفیہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یا تو بوجہ
علالت طبع اور یا باندیشہ کسر شان جیسا کہ اُس زمانہ میں عام خیال تھا امیر صاحب
خود تو عازم انگلستان نہ ہوئے۔ مگر شہزادہ نصر اللہ خاں کے سفر کا ایک ضروری
مقصد یہ بھی قرار دیدیا کہ وہ ہز میجسٹی ملکہ انگلستان و قیصرہ ہند سے امیر صاحب کی طرف
کے نام سے خواہش ظاہر کریں کہ جسطرح دیگر دول مختار کے سفیر دربار برطانیہ
میں مقرر ہیں ویسے ہی افغانستان کے سفیر کو بھی دربار سینٹ جیمس میں تعینات
ہونے کی عزت بخشی جاوے۔ بہر حال شہزادہ صاحب نے ایک نہایت بیش قیمت[1]
طلائی صندوقچہ میں امیر صاحب کا مراسلہ ملکہ معظمہ کی حضور میں پیش کیا مگر افسوس

افغان سفیر دربار سینٹ جیمس میں

[1] جولائی ۱۸۹۵ء کے لیڈیز پکٹوریل نامی اخبار سے اُس صندوقچہ کی تصویر لیگئی ہے اور وہیں سے اس بیش قیمت صندوقچہ کے کچھ حالات لیئے جاتے ہیں۔ امیر صاحب کے ایجنٹ مسٹر ٹی اے مارٹن نے انگلستان کے کارخانہ الکنگٹن اور کمپنی لمیٹڈ سے اپنی تحفہ ہدیہ کو تین ہفتہ
(دیکھو صفحہ ۱۰۰)

ہے کہ ہرچند کہ انگلستان میں انکی عزت اور توقیر میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا گیا تھا۔ مگر امیر صاحب کی اس آرزو کو پورا کرنے میں تامل کیا گیا۔ اور بالواسطہ امیر صاحب کو جتلایا گیا کہ براہ راست انگلستان سے تعلق پیدا ہوجانے سے جو عزت یا درجہ سلطنت افغانستان کو حاصل ہوگا وہ ابھی انگلستان کو اسکو دینا منظور نہیں ہے اس وقت امیر صاحب کے تعلقات بجائے گورنمنٹ ہند سے جاری رہنے کے گورنمنٹ انگلستان سے قایم کرنے کے متعلق مسٹر ای کے رابنسن نے رسالہ فارٹنائٹلی ریویو میں ایک بہت اچھا مضمون لکھا تھا۔ اسکا خلاصہ یہ تھا کہ جب سے لارڈ لینسڈون وائسرائے ہند نے امیر صاحب کے افغان ترکستان کی بغاوت کو انواع و اقسام کے ظلم کے ساتھ فرو کرنے پر اعتراض کیا تھا امیر صاحب گورنمنٹ ہند سے ناراض ہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ بجائے ایک ایسے چھوٹے نائب السلطنت سے تعلقات دوستانہ رکھنے کے اپنے سے بڑے شہنشاہ سے رکھیں۔ یہہ انکی مدت کی آرزو ہے۔ اور اپنی سلطنت کو خود مختار بنانے کے لیئے اس آرزو کے بر آنے کے وہ بہت خواہشمند ہیں

افغانستان خود مختار سلطنت بنجائے

---

(۱) بیش قیمت جواہر

کے اندر تیار کرایا کہ جس سے بڑا اور بیش قیمت صندوقچہ ہدیہ کے لیئے کبھی تیار نہیں ہوا۔ اسکا طول ۱۹۔ انچہ۔ عرض ½۱۳۔ انچہ۔ اور ارتفاع ½۱۴ انچہ اور شکل میں مستقیل مثمن ہے۔ خالص سونے کا کثرت سے قیمتی جواہرات سے آمودہ ہے۔ چار کونوں پر چار نیم ستارے ہیں۔ صرف انمیں سے ہر ایک میں ۱۰۸ خوبصورتی سے کاٹے ہوئے جواہر نصب ہیں۔ اور سرے پر جو چہہ ہلال نظر آتے ہیں انمیں سے ہر ایک میں ۲۴۰ ہیرے لگے ہوئے ہیں۔ سب سے اوپر افغانستان کا اول درجہ کا گوشہ کا والا جواہر نگار ستارہ نصب ہے جسکا قطر ½۴ انچہ ہے صرف اس ستارہ کے گرد ۱۲۰ بیش قیمت ہیرے جڑے ہوئے ہیں اور انکے مرکز میں جو بہت بڑا بے عیب ہیرا۔ تین چوتھائی انچہ چوڑا ہے صرف اسکی قیمت لنڈن کے جوہری ڈیڑھ ہزار پونڈ بتلاتے ہیں صرف اس تحفہ پر امیر صاحب کا چھہ ہزار پونڈ یا ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ خرچ آیا تھا۔

جبکہ سر سالٹر انین نے شملہ میں پہنچکر امیر صاحب کے ارادہ سے اطلاع دی تو مسٹر ہیٹر ڈیورینڈ کابل پہنچے اور ملکہ معظمہ کیجانب سے امیر صاحب کی خدمت میں دعوت کا پیغام پہنچایا۔ امیر صاحب نے اس کامیابی کو اپنی کوشش کا پھلا پھل تسلیم کیا اور اپنے بیٹے کو مکمل ہدایات دیں کہ لنڈن میں افغان سفارت قایم کرنے پر پورا زور دے مگر اسمیں اسکو کامیابی نہوئی اور وہ لنڈن سے ناخوش واپس آیا مسٹر رابنسن کی رائے میں افغانستان کو بھی لنڈن میں سفارت قایم کرنیکا ویسا ہی حق حاصل ہے جیسا کہ ایران کو ہے۔ اور اب چونکہ سلطنت افغانستان بہت وسیع ہوگئی ہے اسکے سوائے کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس سے یہ رعایت مرعی رکھی جائیگی

امیر صاحب کے تحائف بخدمت قیصرہ ہند

جب شہزادہ نصر اللہ خاں ولایت سے واپس آئے تو اس سے عمدہ برتاؤ کرنے کی شکرگذاری میں امیر صاحب نے حضور ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی خدمت میں بہت بیش قیمت تحائف کئی لاکھ روپیہ قیمت کے ارسال کئے۔ اسکے جواب میں انگلستان سے امیر صاحب کی خدمت میں ایک ایسی شاہی گاڑی کہ جسپر حضور ملکہ معظمہ شاہی جلوس کے موقعوں پر سوار ہوکر نکلا کرتی ہیں اور شاہی خاندان کی تصویروں کا مجموعہ اور چائے نوشی کا نقرئی سامان پہنچا۔ امیر صاحب کا مقولہ ہمیشہ "سب سے اعلے" رہا ہے اور تحائف دینے میں بھی وہ ہمیشہ اسکو مدنظر رکھتے ہیں۔

وہ بڑے بڑے پولیٹیکل کام جو امیر عبدالرحمن خاں کی زندگی میں پورے ہوئے کافرستان کا سر کرنا بھی انمیں سے ایک اہم کام ہے۔ یہہ ملک جو وسط ایشیا میں سینکڑوں برس سے ایسا محفوظ چلا آیا ہے کہ کوئی مسلمان سلطان یا فاتح وہاں نہیں گھسا اور نہ کسی نے اس قوم کو فتح کیا ہے۔ آخر اسکی قسمت میں امیر عبدالرحمن خاں کے ہاتھ سے فتح ہوکر سلطنت افغانستان کا ایک صوبہ بننا لکھا تھا جب اوائل ۱۸۹۶ء میں ہندوستان اور انگلستان میں امیر صاحب کے اس ارادہ کی خبر

پہنچی تو عیسائیوں اور بعض ہندؤں نے اسپر بڑی ناراضگی ظاہر کی کہ کافروں کو فتح کرکے کیوں جبراً مسلمان کیا جاتا ہے۔ انگلستان کی عیسائی گورنمنٹ خود اس جرم کا ذریعہ سمجھی جائے گی۔ وہ بیچارے بے شرم اور امن پسند لوگ ہیں جو ظالم افغانوں سے دبک کر ایک کونے میں اپنے سنگلاخ اور دشوار گذار ملک میں پڑے ہیں۔

فتح کافرستان پر امیر صاحب سے ناراضگی

انگلستان میں ایک سوسائٹی دنیا کی قدیم قوموں کی نسلوں کے معدوم نہ ہونے دینے کی ذمہ دار ہے۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ کافر لوگوں پر امیر صاحب نے مہم کی ہے۔ اور یہ ایک نہایت قدیم قوم اس خط ملک میں زمانہ دراز سے آباد ہے کہ جسنے اپنا مذہب اور رسم و رواج تبدیل نہیں کیئے۔ اسکے علاوہ بعض محققوں کا یہ بھی خیال ہے کہ سیاہ پوش کافر اسی نسل سے نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کہ جس سے انگریز ہیں۔ کیونکہ کافرستان کے باشندے بھی بہت صاف سفید رنگ کے ہوتے ہیں اور انکی آنکھیں بھی نیلگون انیگلو سکسن اقوام کی طرح ہیں تو ان لوگوں نے گورنمنٹ ہندوستان کو بہت سخت سست کہا کہ کیوں امیر عبدالرحمن کو ان کافروں پر مہم بھیجکر انھیں فتح کرنے اور مسلمان کرنے کی اجازت دیگئی ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ معاملہ ڈیورینڈ مشن کے مطابق کسی قسم کی دست اندازی نہیں کرسکتی تھی۔ اور ساتھ ہی امیر صاحب کی غرض اس مہم سے کافرستان کا فتح کرنا اور وہانکے باشندوں کو جبراً مسلمان کرنا نہیں تھا۔ جنوری ۱۸۹۶ء میں سر لٹرپائین نے بیان کیا کہ امیر صاحب کی غرض اس مہم سے صرف یہ ہے کہ چونکہ خط کافرستان بڑا سرسبز اور زرخیز ہے۔ امیر صاحب اسے افغانستان کے لیئے تجارت کے واسطے کھولنا چاہتے ہیں۔ اور وہاں کے لوگوں کا اہل افغانستان سے ربط و ضبط بڑھانا چاہتے ہیں۔ اور اس کام کے لیئے کچھ کافر افغانستان کے بعض مواضع کے ملکوں

امیر صاحب کے وجوہات فتح کافرستان کے متعلق

میں تقسیم کیئے گئے ہیں کہ وہیں انہیں کاشتکاری کے طریقے سکھلائیں اور دین اسلام کی بھی تعلیم دیں۔ تاکہ یہہ لوگ اپنی ہمقوموں میں جاکر مثال قائم کریں۔

اسکے علاوہ امیر صاحب کے ایک دوسرے ملازم یورپین لیڈی ڈاکٹر مس ہملٹن نے اخبار لنڈن ٹائمز میں ایک چٹھی امیر صاحب کے کافرستان فتح کرنے کے ارادوں کے متعلق چھپائی تھی اس دلچسپ چٹھی کا اکثر حصہ نقل کرنا مناسب ہے۔ وہو ہذا:- امیر صاحب کہتے تھے کہ شاید تمکو تعجب ہوا ہوگا کہ میں نے اس حملہ کافرستان کے لیئے موسم سرما کیوں مقرر کیا۔ اس کارروائی کے عملمیں لانے کی بہت سی وجہیں تھیں اگر میں موسم گرما میں کافرستان پر چڑھائی کرنیکا حکم دیا ہوتا تو اس زمانہ میں جبکہ راستے کھلے ہوتے ہیں اُنکے اور میرے افغانی سپاہیوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد کام آجاتی اور بہت سے لوگ روس کو بھاگ جاتے جہاں اُنکے ساتھ بڑی مہربانی کا برتاؤ کیا جاتا۔ آخر میں وہ فوج روس میں داخل کرلیئے جاتے اور اس طرح قدم کے لیئے رہبروں کی ایک جماعت ملجاتی۔ جنکے ذریعہ سے روسیوں کو کافرستان کے فتح کرنے میں مدد ملتی اور اس وقت بھی یہ ممکن تھا کہ گورنمنٹ روس اور کافروں کے درمیان کوئی عہدنامہ ہوجاتا اور اگر اس عہدنامہ کے ذریعہ سے اُن کافروں کو منجانب روس اس بات کی مدد ملتی کہ وہ اپنے ملک کو دوبارہ فتح کرلیں تو اسکے معاوضہ میں وہ اپنے آپکو روسیوں کی حمایت میں سپرد کردیتے اور پولیٹکل طریقہ کے موافق یہ کارروائی بمنزلہ اسکے ہوتی کہ روسیوں کی اطاعت قبول کرلیں میں خود اس بہادر اور قدیمی گو نہایت ہی مفلس قوم کا بڑا معترف ہوں اور میری خواہش سے زیادہ یہ تھی کہ جہانتک ممکن ہو اس قوم کے لوگ بہت کم ہلاک اور برباد ہونے پائیں میں جانتا ہوں کہ اُنکو اپنی وفادار عقیدتمند رعایا میں داخل کرلینا

کیونکہ وہ نہایت عمدہ سپاہی بن سکتے ہیں جو اپنی جانوں کو عزیز نہ کرینگے اور مرتے دم تک وفاداری کا دم بھرتے جائیں گے اور اُنمیں ایسے ذی علم لوگ بھی پیدا ہوجائیں گے جو میرے کل ملک کو مدد پہنچائیں گے اور اس غرض سے کہ کچھ عرصہ تک وہ میری ہی آنکھوں کے سامنے رہیں اور بغاوت نہ کرنے پائیں جس سے میں اُنپر سختی کرنے کو مجبور ہوجاؤں۔ مینے اقرار کیا ہے کہ یغمان کے گرد و پیش کا ملک جسکے ایک حصہ پر اس وقت ہزارہ فرقہ کے لوگوں کا قبضہ پایا جاتا ہے اُنکے حوالہ کردوں یہاں پہاڑ اور دریا کثرت سے موجود ہیں جن سے وہ بہت خوش رہینگے اور جنکے وہ ہمیشہ عادی رہتے آئے ہیں اور اس مقام کی آب و ہوا بھی کافرستان ہی کے مشابہ پائی جاتی ہے۔ اِن لوگوں کے لیئے یہ بات دشوار ہے کہ مفید مقام پر اور کابل ایسے ایک گنجان شہر میں رہ سکیں اور وہاں کی بدبو کو برداشت کرسکیں اور یہاں ہزارہ فرقہ کے جو لوگ آباد ہیں اُنکی نسبت میرا ارادہ یہہ ہوگیا ہے کہ اُنکا اصلی ملک جو غزنی کے قریب واقع ہے پھر اُنکے حوالہ کردیا جائے کیونکہ اُسکے لیئے وہ کئی مرتبہ عرضیاں دیچکے ہیں اور وہ ملک خالی پڑا ہوا ہے اور اس طور پر یہہ تبدیلی انتظام سب کی خوشی کا باعث ہوگی۔ یغمان میں یہہ نئے لوگ جاکر آباد ہونگے اُنکی نسبت میرا ارادہ ہے کہ اُنکو بحیثیت ایک جداگانہ فرقہ کے آباد رکھوں۔ اُنمیں سے بارہ ہزار آدمیوں کے قریب تو میں اپنی فوج کے سپاہیوں کے طور پر بھرتی کرلونگا اور اُنکے اطفال کو مکتبوں میں تعلیم دیجائیگی تاکہ آخر کار وہ کچہریوں وغیرہ میں ملازم ہوسکیں۔ اِسکے سوا اور کسی طرح پر اُنکے امور میں دست اندازی نہ ہوگی نہ تو اُنکی عورتیں اور نہ بچے لونڈی غلام کے طور پر فروخت کیئے جائینگے۔ گو اُنکی قیمت کیسی ہی گراں کیوں نہ لگائی جائے لیکن اگر وہ خود میری دوسری رعایا کے لوگوں سے شادی بیاہ کرنا چاہینگے

خود کاشتکاروں کی اسمیں بہتری ہے

تو شریعت اسلامیہ کے مطابق اُنکی شادی بیاہ ہونے میں مانع نہ ہوگا۔
اصل یہ ہے کہ یہاں میں اُنکو اسی طرح کی آزادی رہے گی جیسی اُنکے خاص
وطن میں اُنکو حاصل تھی اور جس ملک کو اُنہوں نے خالی کیا ہے۔ اسپر قرب وجوار
کے افغانی جرگے قابض ہوجائیں گے۔ جنکو فوجی خدمات کے معاوضہ میں اراضی
دیجائے گی۔ کولوم میں ایک چھاؤنی علاوہ میگزینوں کے قائم کردیگا۔ وہاں تیاری
اسلحہ کا بھی ایک چھوٹا سا کارخانہ جاری کیا جائیگا۔ کیونکہ قرب وجوار میں درخت
بہت کثرت سے موجود ہیں جنکی لکڑی کارخانہ مذکور کے ایندھن میں کام
آسکتی ہے۔ کافرستان کی دوسری جانب افغان اور پامیر کے سامنے مناسب
قلعجات تعمیر کیے جائیں گے۔ تاکہ جو فوج اسکے کہ یہ مقام کمزور خیال کیا جائے وہ
اس قابل ہوجائیگا کہ دلیر سے دلیر غنیم کا اچھی طرح سے مقابلہ کرسکیگا۔ لیکن فتح
کافرستان سے بہت بڑا فائدہ افغانستان کو یہ حاصل ہوگا کہ جلال آباد
کابل پنج شیر بوزبان وغیرہ سے پامیر اور بدخشاں جانیکا بہت ہی سیدھا
راستہ کافرستان میں ہوکر نکل آئیگا بعض صورتوں میں تو نصف مسافت
کی کفایت ہوجائے گی۔ اور اس صورت میں شمالی سرحدات کو فوجیں بڑی
عجلت کے ساتھ روانہ ہوسکیں گی۔ علاوہ بریں بالعوض اس امر کے جو اس وقت
پایا جاتا تھا کہ ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے مابین ایک ایسا فرقہ جو اپنا
دوست ہو آباد رہتا اب ایسے افغانی سپاہی وہاں موجود رہیں گے جنکی فطرتی
خواہش یہ ہوگی کہ روسیوں کی حملہ کی صورت میں اپنے وطن اور ملک کو محفوظ
رکھیں گے۔

فتح کافرستان سے افغانستان کا فائدہ

امیر صاحب نے جس دور اندیشی اور مصلحت سے کافرستان کو زیر کیا ہے
اسکی حقیقت تو دو انگریز گواہوں کے اظہارات سے کھل گئی۔ ان حالات کو

دیکھکر امید نہیں کہ کوئی معترض اب امیر صاحب کی اس حکمت عملی پر اعتراض کرسکے کہ اُنہوں نے کافروں کو بلا ضرورت مطیع کیا۔ یا انہیں صرف غلام اور مسلمان بنانے کی غرض سے تابع کیا ہے۔ اب صرف ایک اعتراض معترضین کا باقی رہگیا ہے کہ امن پسند کافروں کو خواہ مخواہ مصیبت اور تباہی کا شکار بنایا گیا۔ اسکا جواب بھی میں ایک انگریز مصنف ہی کی زبان سے دینا چاہتا ہوں ہندوستان کے اخبار پڑھنے والے لوگ ناواقف نہیں ہونگے کہ ایک صاحب ڈاکٹر رابرٹس جو بعد میں اپنے چترال کی خدمات کے صلہ میں سر جارج رابرٹسن بنائے گئے ہیں۔ مدت تک کافرستان میں رہے ہیں۔ اور دراصل یہی ایک انگریز شخص ہے جو کافرستان کی وسط تک جا سکا ہے۔ کافرستان کے حالات پر ان سے معتبر شہادت ملنا مشکل ہے۔ اُنہوں نے حال میں ایک کتاب لکھی ہے جسمیں ثابت کیا ہے کہ کافرستان سے جو سلوک امیر صاحب نے کیا ہے وہ نہایت مستحسن ہے۔ کافر لوگ بڑے شریر شقی اور قاتل ہوتے ہیں۔ اُنکے اپنے لفظ یہہ ہیں:-

کافروں کے خصائل

"کافر جھوٹوں کا بادشاہ ہے اور ایسے جھوٹ کو جسمیں کامیابی حاصل ہو ایک ہنر تصور کرتا ہے۔ اُسکو آزادی سے الفت ہے۔ مگر اپنے گھروں میں غلام رکھتا ہے اور مسلمانوں کو قتل کرنا داخل اصول سمجھتا ہے"

اسکے قیافہ کی نسبت سر جارج رابرٹسن لکھتے ہیں:-

"اُسکا چہرہ آرین طرز کا ہے اور اسکی رنگت بہت کھلی ہوئی نہیں ہے۔ عورتیں پست قد بدصورت اور قوی ہیکل ہوتی ہیں" بحالیکہ اس سے پیشتر کافر عورتوں کو خوبصورت بیان کرکے یہی وجہ اُنکے غلام بنانے کی بتلائی جاتی تھی مصنف کا بیان ہے کہ مجھسے ایک کافر سے ملاقات تھی وہ ہمیشہ فخریہ کہا کرتا تھا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے تقریباً سو شخصوں کو مارا ہے جسمیں خاصکر نا چار عورتیں اور بچے

تھے۔ ایک دوسرے کافر نے سر جارج کو یقین دلایا تھا کہ کل کافر چور اور قاتل ہوتے ہیں۔ اب اُن خطرات کی ایک مثال بیان کرتا ہوں جس سر جارج کو اپنے سفر میں اِن کافروں سے روبرو کرنے پڑے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"ہمسے اور مڈوگل یا مومن فرقہ کے کافروں کے ایک جرگہ سے جو ایک مشہور سردار مسمی بہادر کی سرکردگی میں سفر کر رہے تھے۔ مڈبھیڑ ہوگئی۔ بہادر مزاج کا بڑا سخت تھا۔ گردیش کے قریب جہاں میں ایک چھوٹے جھونپڑے میں مقیم تھا بہادر میرے کمرے میں گھس آیا اور میرے سب کچھ کھا گرانے جانے سے انکار کیا۔ آخر میں اسکو دھکیل کر باہر نکالدیا۔ وہ اُس وقت بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ لیکن جب ہم درہ پارٹ سے گذر رہے تھے تو بہادر کے کئی شخصوں نے مجھکو پکڑ لیا اور میرے پٹھان ملازم کی طرف غرائے اور انمیں سے ایک نے جلدی سے اپنی دُھری کمان میری طرف کردی اور چلاکر کہا "بناٹ گاٹس" یعنی ہمکو مذبوح حالانکہ میرا پٹھان سپاہی نہتھا تھا لیکن وہ یکبارگی کافر پر ٹوٹ پڑا۔ گو میں اُسکے نیچے سے چھٹ گیا۔ لیکن میں اُسکے سامنے چلا آیا اور ایں صورت اختیار کی گویا میں اُسکے سوال کا مطلب نہیں سمجھا اور دل لگی دل لگی میں اسکی داہنی کلائی پکڑ لی اور زور سے پہاڑی کیطرف دھکیل دیا۔ وہ اور دوسرے شخص مجھکو ہنستے ہوئے دیکھا کیے اور ہم جلدی جلدی قدم بڑھائے چلے گئے حتیٰ کہ اُس مقام پر پہونچے جہاں بہادر کھڑا تھا اور اُسکو فوراً پکڑ لیا اور کہا کہ کہا نالائق۔ اُسنے مجکو کھانا لاکر دیا لیکن کہتا تھا کہ اگر ہم تم ایک ساتھ کھانا نہ کھاتے تو نہ معلوم تمپر آج کیا مصیبت نازل ہوتی۔ اسکے بعد اُسنے غرور کے ساتھ بیان کیا کہ میرے بیشمار آدمی اپنے ہاتھ سے مارے ہیں جبکہ کافر سچ مچ کے کافر تھے اور قتل اور سنگدلی اُنکا شعار تھا۔ دنیا کی شائستگی سے وہ کوئی حصہ نہ رکھتے تھے۔ سلطنت افغانستان کے لیئے باعث خطر تھے

ان حالات میں اگر امیر صاحب نے انہیں ایسے طور پر فتح کر لیا کہ جہاں تک ہو سکا انکے بہت کم آدمی مرنے دیئے اپنے تابع کر لیا تو کونسا برا کام کیا۔ بلکہ مجبان بنی نوع انسان کو امیر صاحب کی اس خدمت نوع انسان اور شاعت تہذیب کے لیئے ازحد شکور ہونا چاہیئے۔ کافرستان کی فتح کا بیان کبھی مکمل نہیں ہو سکتا۔ جبتک کہ اس مہم کے کارناموں کی تفصیل نہ لکھی جاوے۔ جو امیر صاحب کی نامور جنرل سردار غلام حیدر خاں کی سرکردگی سے کافرستان کو سر کر چکی ہے لیکن اس مختصر کتاب میں اس تفصیل کی گنجائش نہیں۔

جنگ چترال

امیر صاحب کے حالات سے جنگ چترال کو ظاہر کوئی تعلق نہیں لیکن چونکہ ان تمام سرحدی ریاستوں کے امیر صاحب سے رشتے آباؤ اجداد کا رسوخ ہمیشہ سے چلا آتا ہے اسلیئے کوئی ایسا سرحدی واقع پیش نہیں آسکتا۔ کہ جس سے امیر صاحب کم و بیش موثر نہوں۔ شیر افضل خاں نے امیر صاحب کی قید سے بھاگ کر چترال پر قبضہ کر لیا تھا اور عمراخاں نے اسکی حمایت کی تھی اسپر کارانگریزی اٹھیس ہزار فوج کی جمعیت کے ساتھ حملہ آور ہوئی اور کئی لاکھ روپیہ خرچ ہو گیا۔ مگر عمراخاں بھاگ کر امیر صاحب کی حمایت میں چلا گیا۔ اور گو امیر

---

(۱) اسپہ سالار غلام حیدر خاں چرخی۔ یہ وادی لوگر کے ایک گاؤں چرخ نامی کا رہنے والا ہے۔ اسکا خاندان یوسفزئی ہے آکر لوگر میں اقامت گزین ہوا تھا۔ امیر شیر علیخاں کے عہد میں یہ منصب سپہ سالاری پر ۱۲۸۰ھ ۱۸۶۳ء کو اپنے علی مسجد میں انگریزی خبر کا مقابلہ کیا تھا جب عبدالرحمن خاں امیر کابل ہوئی تو یہ انکے دربار میں حاضر ہو گیا۔ ۱۲۹۸ھ ۱۸۸۰ء میں امیر کے ساتھ راولپنڈی آیا تھا۔ تب سے یہ جلال آباد کا گورنر رہے۔ اسی حیثیت سے انہوں نے سرحد مہمند کے تصفیہ کے علاوہ کونار کے شنواریوں کی تادیب کی۔ نیز کافرستان کو فتح کیا۔

(۲) اسپہ سالار غلام حیدر خاں اورکزئی جو پست قد ہونیکی وجہ سے لنڈائی کے نام سے افغانستان میں مشہور ہے۔ ایک بہادر سپاہی ہے۔ اور شنواریوں کی لڑائی میں اسنے اچھی داد شجاعت دی تھی ۱۲۸۸ھ ۱۸۷۱ء میں اسنے غوربند کی گہاک میں اسحاق خاں کے لشکر کو شکست دیکر منتشر کر دیا۔ علاوہ بریں شمالی ہزارہ کا ملک بھی اسی نے فتح کیا ہے۔ یہ امیر کا ایک نہایت عقیدتمند افسر ہے۔

(۳) جنرل غلام حیدر خاں توخی۔ یہ غلزئی فرقہ کا شخص ہے۔ امیر شیر علیخاں کے وقت میں سپہ سالار تھا۔ مگر اب بلوچستان میں پناہ گزین ہے۔

(۴) جنرل غلام حیدر خاں درویک۔ یہ بھی امیر شیر علیخاں کے وقت میں مزار شریف کا جنرل تھا جب فوجوں ۱۲۸۷ھ میں امیر عبدالرحمن خاں سمرقند سے روانہ ہوئے اور دریائے آمو کو عبور کر کے بدخشاں پہونچے تو انہیں ایام میں اس نے امیر کے پاس پہنچکر جو اسکی ملاقات کے لیئے آیا تھا۔ مار ڈالا۔ اور خود بخارا بھاگ گیا۔ جہاں وہ اب تک امیر بخارا کا ملازم تھا۔ امیر صاحب نے ہر چند اسے بلایا مگر وہ افغانستان میں واپس لوٹ آنے کو خطرناک سمجھکر بخارا کو چھوڑنا پسند نہیں کیا۔

صاحب سے سرکار انگریزی نے اسکو مانگا۔ لیکن امیر صاحب نے سرکار کو خوش کرکے
عمر خاں کو سپرد نہ کیا۔ بلکہ بڑی عزت کے ساتھ اپنے پاس رکھا اور کبھی کبھی
یہہ بھی سننے میں آتا ہے کہ اُسے کافرستان یا کسی دوسرے صوبہ کی گورنری
بھی سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ وزیرستان میں ملا پاوندہ کی ترغیب سے معلوم کسقدر
انگریزوں کے سرکٹ گئے تھے۔ اور اُسکے بعد حال کے ہندوں کے فساد میں کیا نقصان
کیا ہے امیر صاحب نے اُسکے سر کے لیئے انعام مقرر کیا ہوا تھا۔ لیکن جب ملا پاوندہ
ایک سو ملانوں کے گروہ کے ساتھہ قرآن مجید ہاتھہ میں لیکر امیر صاحب کے خطاب
ضیاء الملت والدین اختیار کرنے کے موقعہ پر مبارکباد دینے گیا تو انہوں نے
عزت کے ساتھہ اسکو مہمان رکھا۔ اور اسکی مالی مدد بھی کی۔ اسکے بعد حال ہی
میں جنرل غلام حیدر خاں نے سرحد باجور کے ایک ایسے مقام پر قبضہ کرلیا جو
بموجب معاہدہ ڈیورنڈ کمیشن کے انگریزی حلقہ رسوخ میں پڑتا تھا تو امیر
گورنمنٹ انگریزی چوکنی ہوئی۔ پہلے تو اندیشہ تازہ مشکلات پیش آنیکا
ہوا تھا۔ مگر بعد بہت سی قیل و قال کے انگریزی کمیشن مقام متنازع کے
فیصلہ کے لیئے سرحد افغانستان پر پہونچی۔ امیر صاحب کی طرف سے جنرل
غلام حیدر خاں مختار تھے۔ دو چار روز کی سرگوشی کے بعد کمیشن واپس آگئی
اور ہندوستان کے نیم سرکاری اخبارات نے لکھدیا کہ فیصلہ حسب دلخواہ ہوگیا لیکن
سرحد کی خبروں سے معلوم ہوا کہ حسب دلخواہ سے مراد امیر صاحب کی حسب دلخواہ
ہوگی۔ کیونکہ امیر صاحب نے اس موقع پر نرمی اختیار کرنے کی پالیسی کو اختیار کیا تھا
اور انکے وکیل نے کہا تھا کہ جبکہ سرکار انگریزی اتنی دوستی کا دعوی
کرتی ہے تو ایک ذرہ سی غلطی جو معاہدہ ڈیورنڈ مشن کے متعلق چھوٹے
سے علاقہ کی ہوگئی ہے۔ اُسکو نظر انداز کردے۔ اس علاقہ کی قومیں کیا

ملا پاوندہ

ایک اور رکاوٹ
سلجھ گئی

کہینگی کہ مسلمان امیر نے مسلمانوں کو فرنگیوں کے ہاتھہ فروخت کر ڈالا۔ اسلئے بہر نہج علاقہ افغانستان کی حکومت میں رہنا چاہیئے۔ چونکہ ادہر کوئی تفصیل اس جب ولخواہ فیصلہ کی نہیں چہپی۔ اسلیئے معلوم ہوتا کہ اس جہگڑے میں بھی امیر صاحب فائز ہی رہے ہیں۔ بہرحال امیر صاحب ایسے معاملات میں۔ کار انگریزی کو رام کرنے میں ایسا ید طولیٰ رکھتے ہیں کہ زمانہ انکی کامیابیاں دیکھکر حیران رہجاتا ہے +

باب نہم

ذاتی عادات طبعی صفات سوشل حالات اور اصلاح حکومت

امیر صاحب کی تصویر اس کتاب کے شروع میں ناظرین کے ملاحظہ سے گذر چکی ہے۔ اسکو دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ امیر عبدالرحمن خاں ایک مرد فرزانہ اور شیر شرزہ ہیں۔ بدن دوہرا ہے۔ قد میانہ ہے۔ اور چہرہ سے رعب و داب سلطنت نمایاں ہے۔ پیشانی پر ہوشمندی کا ستارہ چمکتا ہے۔ آنکہیں بڑی بڑی خوبصورت اور دلکش ہیں اور ریش مشین اور مقطع ہے۔ بتقاضائے عمر امیر صاحب کے دانت ٹوٹ گئے ہیں اور مصنوعی دانت لگائے ہوئے ہیں۔ سر لیپل گریفن نے امیر صاحب کا حلیہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے امیر عبدالرحمن خاں میانہ قامت مگر مضبوط آدمی ہے۔ اسکے چہرہ پر پرلے درجہ کی ذہانت برستی ہے۔ آنکہیں بھوری ہیں۔ ہنستا ہوا[1] چہرہ پیشانی کشادہ اور اطوار پسندیدہ ہیں اسکی

[1] ہمیشہ ہنستے رہتے ہیں ۱۲

صورت مجھے اور میرے ہمراہیوں کو بہت بھلی معلوم ہوئی۔ میری رائے میں وہ تمام بارکزئی سرداروں سے جو آجتک مجھے ملے ہیں لیاقت میں بڑھکر تھا۔ اور اُسکی گفتگو سے دانائی اور فہم و فراست ظاہر ہوتی تھی۔ ہنگام گفتگو وہ اہم مطلب پر نہایت قابلیت سے نکتہ چینی کرتا تھا۔ اور اُسکی رائے لیاقت اور سنجیدگی سے مملو تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اُسکی تمنا یہ ہے کہ سلطنت انگلشیہ سے برابطہ اتحاد قایم رکھے۔

مسٹر سکرلر امریکہ کا مشہور سیاح جسنے امیر صاحب کو ۱۸۷۸ء میں دیکھا تھا بیان کرتا ہے۔ کہ "امیر تنہائی میں زندگی بسر کرتا تھا۔ اور اپنی پنشن میں سے صرف مبلغ پانچہزار سالانہ صرف کرتا تھا۔ وہ ایک جوان رعنا اور مضبوط آدمی ہے۔ اُسکا سر بڑا سا ہے۔ ڈاڑہی گھنی اور گھنگریالی ہے وہ نہایت رعب داب کے ساتھہ چلتا پھرتا ہے اور اُسکی حرکات اور سکنات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بات کا پکا اور حکمرانی کا عادی ہے۔"

گاسپاڈین پاشینو جو جلاوطنی کے زمانہ میں امیر صاحب کا ترجمان تھا بیان کرتا ہے۔ "عبدالرحمن بمشکل فارسی لکھ پڑھ سکتا ہے۔ وہ ایک میانہ قامت مگر مضبوط آدمی ہے۔ اُسکی ڈاڑہی بطرز مناسب کٹی ہوئی ہے۔ ناک باقاعدہ ہے آنکھیں سیاہ اور بڑی بڑی ہیں۔ وضع قطع سے وہ زیادہ تر ایرانی معلوم ہوتا ہے بارکزئی نہیں معلوم ہوتا۔"

جب امیر عبدالرحمن خاں کو تخت نشین کرکے انگریز ہندوستان کیطرف لوٹے اور امیر اُنہیں رخصت کرنے کو آئے تو اُس وقت اخبار ٹائمس کا ایک نامہ نگار موجود تھا۔ اُسنے اخبار مذکور میں یہہ خط چھپوایا۔ "امیر کو دیکھکر جو کچھہ میرے دلپر تاثیر ہوئی وہ یہہ تھی کہ اُسکی صورت افغان سرداروں

جیسی نہ تھی۔ اُسکے نقش و نگار نازک اور سڈول ہیں۔ اُسکی آنکھوں سے خاموشی اور امن ظاہر ہوتا ہے۔ اُسکے ہونٹ سطبر ہیں۔ اور موہنہ چوڑا ہے۔ مگر کئی دانتوں کے ٹوٹ جانیسے اُسکا چہرہ بدنما ہوگیا ہے۔ وہ میانہ قامت ہے اُسکے گل مچھے ڈاڑھی اور موچھیں گھنی اور سیاہ ہیں۔ گو اُسکا چہرہ بحالت مجموعی دلکش نہیں ہے۔

مسٹر کرزن نے اپنے خطوط میں جو امیر صاحب کی ملاقات کے بعد اخبار ٹائمز میں شائع کرائے ہیں۔ امیر صاحب کے سراپا کی نسبت حسب ذیل رائے دی ہے:۔

"امیر عبدالرحمن خاں بہت طویل القامت قوی الجسامت ہیں اور عالم شباب میں بہت طاقتور رہے ہونگے۔ اگر راولپنڈی کے دربار کے فوٹو سے جو ۱۸۸۵ء میں لیگئی تھی ملائے جاویں تو اب بیماری کی وجہ سے بہت تغیر پایا جاویگا۔ مگر میری رائے میں اب بھی روبصحت ہوتے جاتے ہیں۔ ایک قوی الجثہ شخص اطلس کے مسند پر بیٹھا رہتا ہے جو نیچے پلنگ پر بچھی رہتی ہے۔ اور کل جسم تنگ پشمینہ سے ڈھکا رہتا ہے۔ ایک بیداغ ریشمی عمامہ افغانی نوکدار سنہری بارچہ کلاہ پر بندھا رہتا ہے جو پیشانی تک آیا ہوا ہوتا ہے خط و خال چوڑے اور بردبار ہیں مگر حال کی علالت سے کچھ زرد سے ہوگئے ہیں۔ ابرو بوقت فکر یا بحث کچھ سکڑ جاتی ہے۔ آنکھیں سیاہ اور چمکدار ہیں۔ جنکی نظر بلا جنبش یا حرکت کی سیدھی قایم رہتی ہیں۔ سیاہ خشخاشی مونچھیں اور مقطع داڑھی جو نہ لمبی ہے نہ گھنی اس دہن کو مزین کرتی جسے بوقت خندہ دو سلسلہ دندان کامل کے نمودار ہوتے ہیں آواز بلا میل تلخی شیریں صاف و زوردار ہے۔۔۔۔ علاوہ بریں میں کہہ سکتا ہوں کہ انہیں ہوس آف کامنز کی اگلی بنچ پر بٹھلایا جاوے تو مدلل تقریر کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھیں گے۔"

سراپا کے متعلق گو مندرجہ بالا بیانات میں کسی قدر اختلاف ہے مگر اسمیں شک نہیں کہ ہندوستانیوں اور افغانوں کے اندازہ کے بموجب امیر صاحب ایک خوبصورت اور رعب دار انسان ہیں اور یہہ غلط ہے کہ اُنکا چہرہ بجالت مجموعی دلکش نہیں معلوم ہوتا۔

ایسے قیافہ اور ایسی شکل و شباہت اور تن و توش کے ساتھ ہی یہہ بھی ذکر کر دینا چاہیئے کہ امیر کیسے جفاکش اور کتنے کام کرنے والے ہیں۔ دراصل امیر صاحب تمام دن اور آدھی رات تک ہمیشہ کام کرتے رہتے ہیں کہ کسی وقت تھکتے نہیں۔ ایک مرتبہ ایک سفیر کابل نے مجھسے ذکر کیا تھا کہ دراصل امیر صاحب خود ہی اپنے سررشتہ دار اپنے وزیر اپنے محرر اپنے خزانچی اور اپنے محافظ دفتر ہیں۔ یورپ کے ایک اخبار نویس نے لکھا تھا کہ شاید تمام یورپ میں سب سے زیادہ سخت کام کرنے والا اور محنت کش شخص سلطان ٹرکی ہے۔ جو شب و روز کام میں مصروف رہتا ہے۔ مگر امیر عبدالرحمن خاں کی جفاکشی کے حالات دیکھکر مجھے بیساختہ کہنا پڑتا ہے کہ شاید ایشیا میں امیر کابل سے بڑھکر محنت کش کوئی شخص نہ ہوگا۔ امیر صاحب عموماً صبح نو بجے اُٹھتے ہیں غسل اور ناشتہ کے بعد دربار میں کام شروع کرتے ہیں۔ دوپہر کا کھانا دربار ہی میں تناول کرتے ہیں۔ شام کو دربار سے اُٹھکر پرائیویٹ مکان میں جا بیٹھتے ہیں اور یہاں بھی عموماً کام کرنے میں مصروف رہتے ہیں رات کے بارہ ایک بجے دریافت کرتے ہیں کہ کیا آج کوئی کھانا نہیں لائیگا اور کھانے سے فراغت پاکر دو تین بجے سونے کو جاتے ہیں۔

امیر صاحب نے تمام تر سلطنت کو ایک مکان میں کھول دیا ہے اور خود ان کے منتظم اور سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ نہ صرف ایک ایک پرزہ کا حال جانتے ہیں اور سب فیصلے خود لکھتے ہیں یا اُنپر دستخط کرتے ہیں بلکہ ہر پائی خرچ سلطنت کا

امیر صاحب کی محنت کشی اور مصروفیت

خاص کاموں کے خاص دن

اُنکی منظوری کے سوائے نہیں ہو سکتا۔ شاہ ہمایون کیطرح آپنے بھی خاص دن خاص خاص کاموں کے لیئے مقرر کر رکھے ہیں۔ چنانچہ دوشنبہ کے دن آپنے ہمراہ اور ہرات کے معاملات کا تصفیہ کرتے ہیں۔ سہ شنبہ کے دن فوجی دربار کرتے ہیں اور تمام فوجی افسروں کو دوپہر کو ساتھ کھانا کھلاتے ہیں۔ چارشنبہ اور شنبہ کے دن دربار عام کرتے ہیں جبکہ ہر امیر و غریب کو عرض کرنے کے لیئے باریابی حاصل ہوتی ہے پنجشنبہ کے دن ہندوستان کی خط و کتابت کرتے ہیں۔ شنبہ کے دن خانگی معاملات کیطرف غور کرتے ہیں اور جمعہ کو آرام فرماتے ہیں۔ لیکن تاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر حرم سرائے میں امیر صاحب نہیں جاتے تو کوئی آرام نہیں کرتے بلکہ کام کرتے رہتے ہیں۔ امیر صاحب جب عدالت پر بیٹھتے ہیں تو ایک تہمہ قبضہ شمشیر پر رکھے رہتے ہیں۔

شاہ کابل کا قانون پولیس[1] مختصر اور صاف ہے۔ اگر کوئی شخص سید کی شان میں نازیبا الفاظ کہے تو اسکو بیس درہ تازیانہ اور دس روپیہ جرمانہ کی سزا

[1] دراصل یہ قانون زیادہ تر شریعت اسلام کے تابع ہے۔ مگر خاص صورت کی سزاؤں میں امیر صاحب کی زبان بمنزلہ قانون کے ہے۔ شریعت کی پابندی کے لیئے امیر کابل کا سرکلر جو ۱۸۸۹ء میں ہندوستان کے اخبارات میں شائع ہوا تھا حسب ذیل ہے:۔

امیر عبدالرحمن خاں نے اپنے محتسبوں کے نام دربارہ حفظ قوانین شریعت و پابندی شعار اسلام مندرجہ ذیل ہدایت جاری کی ہے:۔ بعد حمد خداوند و نعت پیغمبر اور تعریف سچے اسلام کے ہدایت ہو کہ خواب غفلت میں سونے والے بیدار ہوں۔ پرہیزگاری اور توبہ میں احکام الٰہی کے موافق شریک ہوں۔ جو شخص محتسبی کے عہدے پر مقرر ہو چاہیئے کہ خدا ترس نیک طبیعت اور قانع ہو تاکہ لوگ اسکی عزت کریں اور کوئی اوس سے عداوت نہ رکھے اُسکا کام پولیس مین نہیں بلکہ مذہبی تعلیم دینا ہے۔ جو شخص نماز کا پابند نہیں یا کافی رکعت

دیجاتی ہے۔ اگر کوئی کیسکو گالی نکالے تو دس ضرب تازیانہ اور دس روپیہ جرمانہ کی سزا دیجاتی ہے۔ جرایم متعلق جایداد کی نسبت بڑی سختی سے سزا دیجاتی ہے اگر کوئی شخص مسجد میں آکر شور مچائے تو وہ بھی قابل سزا ہے۔ اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھے تو پہلے اُسکو ملائمت اور نرمی سے سمجھایا جاتا ہے۔ اگر نہ مانے تو درشت کلامی سے۔ اسکو بھی نہ ملنے تو چوب و چابک سے دعوت کی جاتی ہے۔ اگر پھر بھی نہ

کابل کا قانون پولیس

وسجود بجا نہیں لاتا اسکو مہربانی اور سہولیت سے سمجھایئے۔ اگر سہولت میں ناکامی ہو تو فہمایش کرے۔ اگر پھر بھی ناکامی ہو تو محتسب اُسپر چیں بجبیں ہو اور سخت کلامی سے صرف اسقدر خطاب کرے۔ کہ "اے بے وقوف یا اے عیبی" اس سے زیادہ تیز کلامی نہ کرے۔ پھر بھی نہ مانے تو تہدید کرے۔ اور سپاہیوں سے کام لے۔ پھر بھی نہ مانے تو حاکم وقت سے رپوٹ کرے۔ وہ جو کچھ مناسب سمجھے کرے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس مجرموں کو زیادہ دھمکی نہ دے صرف اُسیقدر کہ وہ عمل کر سکے۔ لوگوں کی خفیہ باتوں کا تجسس نہ کرے۔ کیونکہ یہ امور احکام الٰہی کے خلاف ہیں۔ سزائے تازیانہ کی نسبت امیر نے چند ہدایتیں کی ہیں جنکو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ تازیانہ کا ایک مہردار نمونہ تمام مقامات میں بھیجا گیا ہے۔ اسمیں اونٹ گائے یا بھیڑ کی کھال کے تین تسمے ہیں۔ ہر ایک تسمہ چار انگل چوڑا ہے۔ انگل کا شمار چھ جَو کا ہے اور ۴ انگل کا بالشت ہے۔ جو موافق شمار حروف کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ہے۔ کیونکہ اس کلمہ کے حروف بھی ۲۴ ہیں۔ نہ تو تسمے کی رسی موٹے اور نہ باریک ہیں۔ اسمیں گرہ ہے جس سے زیادہ چوٹ لگے۔ تسمے کا دستہ چوب زیتون کا ہے۔ ہدایت ہے کہ جب تازیانہ کی ضربیں لگائیں تو کلمہ پڑھیں۔ ہلکی ضرب لگائیں۔ ضرب لگاتے وقت تازیانہ سر سے بالشت نہ ہو۔ تاکہ محتسب کو غرور نہ ہو۔ اُس سے کہا جائے کہ تمکو مجرم کی حالت پر افسوس کرنا چاہیئے۔ کیونکہ سب انسان ایک جسم ہیں۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ خاطی کے مقابلہ میں ایسا کرنا چاہیئے۔

(دیکھو صفحہ ۱۲۴)

مانے تو امیر کو خبر کیجاتی ہے۔ اور پھر جو سزا اُسکی قسمت میں ہو اُسکو بھگتاتی ہے
مگر امیر صاحب کی نسبت گرے صاحب اپنی کتاب میں صاف صاف لکھتے ہیں کہ وہ خود
نماز کے پابند نہیں۔ ہر چند کہ وہ بڑے پکے اور بے ریا مسلمان ہیں۔ یہہ رمضان
میں روزے نہیں رکھتے۔ بلکہ اِس لیئے کہ آدمی روزہ رکھکر بیمار ہو جاتا ہے۔ وہ
کبھی رمضان کو "مرضان" بھی کہتے ہیں۔ البتہ عیدین کی نماز میں امیر صاحب ضرور
شریک ہوتے ہیں۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا ہے کہ گرے صاحب کی باتیں بہت معتبر نہیں۔

نعمیر نزاع صفحہ ۱۲۳

اگر کوئی شخص شارع عام میں فحش بکتا ہو یا کسی سید یا ملا وغیرہ کو گالی
دیتا ہو تو بیس تازیانہ اور پچاس روپیہ جرمانہ۔ اگر کسی عامی کو گالیاں دیتا
ہو تو دس تازیانہ اور دس روپیہ جرمانہ۔ اگر مسلمان مذہبی گالی مسلمان کو دے
تو دونوں میں کوئی تفریق نہ کریں صرف مسلمان ہونا کافی ہے۔ اول مرتبہ گالی دینے پر
۲، تازیانے اور ۲، دن کی قید (کیونکہ اسلام میں ۲، ہی مذاہب ہیں) دوبارہ
جرم پر ۲، تازیانے اور چھ ماہ کی قید۔ تیسرے مرتبہ کے ارتکاب پر پھانسی (کیونکہ
اسلام میں فساد ڈالتا ہے) اگر کسی شخص کے جسمانی اعضاء یا روح کو گالی دے تو یہی
قابل تازیانہ و قید ہے۔ اگر باٹ یا پیمانہ کم ہو تب بھی سزا ہے۔ ناقص اشیاء کی فروخت
بے پیدہ نہانے۔ مگر وہ اشیاء کے کھلانے۔ قمار بازی۔ ترک صوم و صلوۃ۔ مسجد
میں بیجا حرکت کرنے پر سزا ہے۔ تعویذ فروخت کرنے۔ خیرات پانے کے
لیئے قرآن پڑھنے کی سزا ہے۔ محتسب تمام مشتبہ اور غریبی آدمیوں کی نگرانی
رکھے۔ بوڑھے ضعیف اور کمزور آدمیوں کم سن بچوں کی خبر گیری کرے جنکے
گذارہ کی کوئی صورت نہیں۔ عورتوں کی عصمت کا لحاظ رکھے۔ اگر مرد کسی غیر
عورت کا بوسہ لے تو بیس تازیانے اور قید۔ اور اگر کسی عورت یا مرد کی زناکاری
ثابت ہو تو اُنکو سنگسار کیا جاوے۔

امیر صاحب کی جنگی طاقت

امیر صاحب نے فوج میں بھی اصلاح کی ہے۔ انتظام جدید کے بموجب اول درجہ کی جرنیل کی تنخواہ چھ سو روپیہ کابلی ہے۔ بریگیڈیر کی تنخواہ اڑھائی سو روپیہ ہے۔ کرنیل کی تنخواہ دو سو روپیہ ہے۔ میجر کی ۱۲۰ روپیہ۔ کپتان کی اسی اگر وہ سوار کا ہو اگر پلٹن کا ہو تو صرف تیس روپیہ ہے۔ سوار کی بیس روپیہ اور پیدل کی ۷ روپیہ ہے۔ ہر رجمنٹ میں ایک مُلّا۔ ایک حکیم اور ایک جراح ہوتا ہے۔ حوالدار سے نیچے سب کو نصف تنخواہ نقد اور نصف تنخواہ کے عوض میں جنس اور غلہ وغیرہ دیا جاتا ہے۔ ایک امر امیر صاحب کی فوج میں اصلاح طلب یہ ہے کہ وہاں ترقی لیاقت پر نہیں دیجاتی عموماً عہدہ دار لوگ اعلےٰ خاندان کے بیٹے ہوتے ہیں۔ امیر صاحب کو افغانوں کی جہالت پر بڑا افسوس ہے۔ اُنہوں نے ڈاکٹر گرے کو کہا تھا کہ میں ان رئیس زادوں کو تعلیم دینا چاہتا تھا۔ مگر یہ کچھ نہ سیکھے اور اب فوج میں کام کرینگے۔

باقاعدہ فوج کے علاوہ اور بہت سی فوج امیر صاحب بوقت ضرورت جرگوں سے مہیا کر سکتے ہیں۔ علاوہ اِنکے اُنہوں نے ایک بہت عمدہ ڈھنگ کا انٹیر تیار کرنیکا ڈالا ہوا ہے[1]۔ ۱۸۸۲ء اور ۱۸۹۶ء میں امیر صاحب کی فوج بترتیب حسب تفصیل ذیل تھی۔

تفصیل	۱۸۹۶ء	۱۸۸۲ء
توپ خانہ کی فوج	۱۷۰۰	۱۶۰۰
سوار اور رسالہ	۸۰۰۰	۹۷۵۰
پیادے اور پلٹنیں	۴۰۰۰۰	۳۰۸۹۰
ریگلر (باقاعدہ) سوار	۱۰۹۴۰	۷۵۰۰
خاصہ دار	۱۰۰۰	۹۰۰
اتواپ	۲۰۰ تقریباً	۱۸۰

[1] حال میں امیر صاحب افغانستان میں فوجی ملازمت لازمی کر دی ہے۔ اور اعلان جاری کیا ہے کہ ہر آٹھ آدمی پیچھے ایک آدمی کو جنگی ملازمت اختیار کرنی ہوگی۔ امیر صاحب کی ۱۰ ہزار ریگلر فوج ہر وقت کابل میں تیار رہتی ہیں۔ باقی جلال آباد۔ ہرات۔ مزار شریف (دیکھو صفحہ ۱۲۶)

اگرچہ امیر صاحب نے یہہ منظور نہیں کیا کہ کوئی انگریز رزیڈنٹ کابل میں متعین ہو۔ لیکن اُنہوں نے بلا تامل دوسرے کاموں کے لیئے انگریزوں کو ملازم رکھہ لیا ہے۔ پہلے پہل امیر صاحب نے ایک شخص مسمی جیرروم کو جو فرانسیسی انجنیر تھا کارخانہ اسلحہ کے لیئے ملازم رکھا۔ اس شخص نے عبد السبحان خاں کاشمیری کی صلاح و مشورہ کے بعد کارخانہ جاری کرنے کا وعدہ کیا۔ یہہ عبد السبحان پہلے انگریزوں کے سررشتہ ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تہا۔ اور بڑا ہوشیار آدمی تہا۔ جنگ افغانستان میں انگریزوں کے ساتہہ کابل گیا تہا۔ جنگ کے خاتمہ پر اُسکی خاطر خواہ قدر نہ ہوئی کہ جس سے وہ دل برداشتہ ہوکر کابل میں ٹہر گیا۔ یہہ شخص امیر صاحب کی فوج میں برگیڈیر ہوگیا تہا۔ اور بہت بڑی عزت حاصل کی تہی۔ مگر کسی سازش کے جرم میں قتل کیا گیا۔ اس شخص کی صلاح سے جیرروم ہندوستان

کابل کے قلعے کا حفاظتی انتظام

قندہار وغیرہ مقامات میں ہے۔ پایونیر لکھتا ہے کہ بریچ لوڈر بندوقیں تو امیر صاحب کے پاس اسقدر کافی ہیں کہ پچاس ہزار فوج کو فوراً مسلح کرسکتے ہیں۔ لیکن چاندماری کی مشق نہیں کرائی جاتی۔ کیونکہ وہ سکنڈری پراکٹس میں روپیہ ضایع کرنا فضول سمجھتے ہیں فی سپاہی صرف ۴ کارتوس سالانہ نشانہ بازی کے لیئے دیئے جاتے ہیں۔ پایونیر کی رائے ہے کہ بجائے تعداد بڑہانے کے امیر صاحب کو چاہیئے کہ افغانی فوج کی قابلیت نشانہ بازی کی طرف توجہ کریں۔ کیونکہ جس قدر سرخ چمڑی کی فوجیں تک ہماری فوجیں ۱۸۷۰ء میں ہمارے رکنگ بکیز سے مسلح تہیں سے کچھ تو بہت کچھ کی ٹہلی ہوئی ہیں اور باقی انگریزی ہیں۔ مگر میرے خیال میں یہہ ۱۸۷۰ء کا حساب بھی صحیح نہیں۔ اور بہت پرانا ہے کہ جس میں ۱۸۷۴ء سے بہت کم تفاوت ہے۔ کیونکہ کوئی شک نہیں کہ اس عرصہ میں امیر صاحب نے جمعیت فوجی اور توپوں بندوقوں میں بہت اضافہ کرلیا ہے۔ بندوقیں توڑے دار سے لیکر ہنری مارٹینی تک ہر قسم کی ملی جلی ہیں۔ مگر توڑے دار بہت کم رہگئی ہیں۔

کو آیا اور زر کثیر صرف کرکے بہت سی قیمتی کلیں خریدیں مگر جیبر دم زیادہ مدت نہ ٹھہرا۔ آخر عبدالسبحان خاں کی صلاح سے امیر صاحب نے مسٹر پین کو جواب سلام لٹر پائین[1] ہے اور جو علم جر ثقیل میں مشاق اور انجنیری میں ماہر ہے ملازم رکھا۔ سلام لٹر نے ۱۸۸۶ء میں ورک شاپ یعنی کلوں کا کارخانہ جاری کیا اور ۱۸۹۳ء میں کئی بندوقیں اور توپیں کابل میں ڈھالی گئیں۔ کابل میں ہی بہتر نمونہ اور یورپ کی اصلاح یافتہ طرز کی کل سی بنی ہوئی توپیں اور بندوقیں تیار ہونا دنیا کی

[1] لندن میں روٹر کے ایجنٹ سے سٹر پائن نے اوائل ۱۸۹۶ء میں اپنی کارگذاری اور افغانستان میں مغربی شائستگی کی ترقی اور امیر صاحب کی خدمت میں اپنے داخل ہونے کی کیفیت اسطرح بیان کی تھی کہ جسکو دلچسپ سمجھکر میں نقل کرتا ہوں۔

جبکہ لارڈ ڈفرن وائسرائے ہند ہوئے تو انہوں نے بغرض استحکام تعلقات باہمی برٹن اور افغانستان کے امیر صاحب کو ہندوستان میں بلایا۔ امیر صاحب نے اس دوستانہ طلبی کو قبول کیا اور حضور وائسرائے بہادر سے راولپنڈی میں ملاقات کی۔ یہاں امیر صاحب نے علاوہ اور چیزوں کے ایک ڈفائی انجن بھی دیکھا۔ امیر صاحب نے اسکو پسند کیا اور کابل میں کلوں کا کارخانہ جاری کرنے کی طرف خیال رجوع ہوا اور دارالخلافت کابل میں گویا ایسے کاموں کی بنیاد اس طرح سے ہوئی۔ ایک فرانسیسی جو راولپنڈی کی کلوں کا انچارج تھا۔ امیر صاحب نے اوسکو کابل لیجانا چاہا۔ لیکن اُسنے بغیر کسی یورپین کے جو اُسکا ہمراہی ہو جانے سے انکار کیا اور اس غرض سے اُسنے مجھ سے کلکتہ میں خط و کتابت کی اور مجھ اپنے ساتھ لیجانا چاہا۔ میں راضی ہو گیا لیکن حضور وائسرائے بہادر نے باین خیال کہ ایک خطرناک معاملہ ہے مجھے اجازت نہ دی۔ وہ فرانسیسی افغانوں کے ہمیں ہمراہ کر کابل کو چلا گیا اور سفر کی دقتیں جھیلکر دارالخلافت میں پہونچا اور ایک مہینے کے بعد امیر صاحب نے اُسکو کلیں خریدنے اور کابل میں ورک شاپ قائم کرنیکا حکم دیا۔ نیز امیر صاحب نے گورنمنٹ آف انڈیا سے بھی درخواست کی کہ انجنیروں کو یہاں آنے کی اجازت دیجاوے۔ لیکن اسکا کچھ نتیجہ نہ ہوا۔ کیونکہ گورنمنٹ اپنے قدیمی عہدہ پر جیسا کہ میرے ساتھ ظاہر ہوا تھا قائم تھی اور انگریزوں کو وہاں جانے سے منع کیا۔ وہ فرانسیسی مجھ ملا اور اُسنے کابل کو واپس نہ جانیکا ارادہ ظاہر کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ امیر صاحب کو بھی اس آدمی سے

تاریخ میں کوئی خفیف بات نہیں اور اس خاص احسان کے لیئے قوم افغان اور افغانستان کی آیندہ نسلیں امیر عبدالرحمن خاں کی جسقدر مشکور اور ممنون ہوں تھوڑا ہے اسلحہ حرب اور دیگر اشیائی تجارت تیار کرنے کے کارخانے بناکر امیر صاحب نے افغانستان کے لیئے وہ کام کیا ہے جو پیٹر اعظم نے روس کے لیئے کیا تہا۔ اگر افغان بُت پرست

کچھ شبہ ہوگیا تہا اسلیئے اسکو چہا افغانی افسروں کی سخت نگرانی میں ہندوستان کو روانہ کیا تہا اور ہر ایک افسر کو شدید حکم تہا کہ اسکو آنکھ سے جُدا نہ کریں۔ اسی عرصہ میں کلیں جو فرانسیسی نے منگائی تہیں یورپ سے کراچی میں پہونچگئیں۔ امیر صاحب کے ایک ایجنٹ کے حوالہ کی گئیں۔ اب فرانسیسی غائب ہوگیا اور خیال کیا جاتا ہے کہ کسی وقت پھرے والوں کو غافل پاکر رات میں یورپ جانے والے کسی جہاز میں چلا گیا۔ کئی مہینے کے بعد جبکہ امیر صاحب نے دیکہا کہ فرانسیسی کابل کو واپس نہ آیا تو گورنمنٹ انڈیا کو انگریز کے واسطے لکہا۔ جسکا جواب دیا گیا کہ سرکاری طور سے ایسی درخواست کی تعمیل نہیں ہوسکتی لیکن اگر کسی آدمی کی تشریح کیجاوے تو اسکو اجازت ہوسکیگی۔ آخر کار مجھے اجازت ہوئی اور ۱۲ مارچ ۱۸۸۵ء کو میں اپنے آپکو بالکل افغانی سواروں کی سپردگی میں دیکر جو مجھے لینے آئے تہے پشاور سے کابل کو روانہ ہوا۔ اور مجھو فوراً ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ یہہ سوار اسمیں اپنی توہین سمجھتے تہے کہ انکو فرنگی کے ساتہہ جانیکا حکم دیا گیا۔ سرزمین افغانستان میں میری پہلی رات مقام دکہہ میں بسر ہوئی جو خیبر کے بعد افغانستان کی ابتدا ہے اور یہ وہ رات تہی جسکو میں کبہی نہ بہولونگا۔ شنواری جو ایسے مطیع نہ تہے جیسے کہ بالفعل ہیں آخر حصہ رات میں گاؤں پر حملہ آور ہوئے اور اسکو لوٹ لیا۔ کچہہ لڑائی بہی ہوئی جسمیں بہت آدمی مارے گئے۔ اور زخمی ہوئے۔ مجھے میرے محافظین نے بخطر احتیاط ایک چہوٹے حجرہ میں جو شہر پناہ کی دیوار میں تہا بٹہا دیا۔ اس کوٹھری میں زینہ لگاکر ایک کمانی دار دروازہ کی راہ سے جانا ہوا اور جبکہ زینہ ہٹالیا تو میں مثل ایک قیدی کے ہوگیا۔ جبکہ چہار طرف گولی چل رہی تہی میری اس وقت کی حالت کا بجائے تحریر میں لانے کے خود ہی بہت اچہی طرح اندازہ ہوسکتا ہے لہذا میں دوسرے دن ہندوستان کو واپسی کا قصد کیا۔ لیکن معلوم ہوا کہ یہ غیر ممکن ہے۔ یعنی امیر نے مجھے کابل میں لانیکا حکم دیا ہے اور افغانی افسر میری رسید دیچکا ہے

قوم ہوتی تو میں اُنکو صلاح دیتا کہ اُس شکر گذاری کے لیئے جو امیر نے تمہاری قوم کو آجکل دنیا میں ایک زبردست قوم اور تمہاری سلطنت کو دنیا کی سلطنتوں میں ایک نامور سلطنت بنا کر حاصل کی ہے اُسی کے بُت کو پوجا کرو مگر الحمد للہ کہ وہ خدا پرست

اور علاوہ اِسکے درہ خیبر بھی بند ہے۔ اب بجز آگے بڑھنے کے کچھ چارہ نہ تھا۔ وہاں سے روانہ ہوئے اور پاریکاب میں پہنچے۔ لیکن میں بہت ہی خستہ اور دل شکستہ تھا نیند آگئی۔ صبح کو جب سو کر اُٹھا تو پہلی چیز یہ دیکھی کہ ایک فقیر تہ پیر بندھا ہوا صحن میں پڑا ہے۔ میں نے اُسکا سبب پوچھا تحمل کے ساتھ جواب ملا کہ رات میں وہ مجھے قتل کرنا چاہتا تھا اور میرے پلنگ سے صرف دو قدم کے فاصلہ پر افغانی چھرا ہاتھ میں لیئے ہوئے آپہونچا تھا اگر نہ پکڑا جاتا تو میرا کام تمام ہو چکا تھا۔ گرفتار کیا گیا ہے۔ خیر اسکو کابل بھیجدیا اور وہاں اسکا فیصلہ ہوا۔ کئی روز کے بعد جلال آباد پہونچے۔ یہاں غلام حیدر خاں کمانڈر انچیف نے بہت اچھی طرح تواضع کی اور اس تکریم سے خوش ہوکر دار الخلافت کو روانہ ہوئے۔ اور بجز ایک واقعہ کے کہ پاریکاب میں میرے قتل کا ارادہ کیا گیا بخیریت تمام کابل میں پہونچگیا۔

کابل میں پہونچکر دس روز تک میں نے آرام کیا اور اس عرصہ میں امیر صاحب کی مدارات کے متعلق میں نے ایسے عجیب و غریب قصے سُنے کہ مجھے اُنکی مملکت میں آنے سے شبہات عاید ہونے لگے۔ القصہ میری پہلی ملاقات کی واسطے ایک دن مقرر ہوا۔ اُس روز ایک عظیم الشان دربار عام تھا اور مجھے نہایت سنجیدگی کے ساتھ امیر عبد الرحمن خاں کے حضور میں حاضر کیا گیا۔ لیکن مجھے بہت ہی تعجب ہوا کہ امیر صاحب نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور دیر تک مصافحہ رہا اور یہ امید ظاہر کی کہ میں کابل کو مثل اپنے گھر کے سمجھونگا۔ اور ہر طرح خوش و خرم ہونگا کرسی منگائی جو اُس وقت کابل میں ایک انوکھی چیز تھی اور مجھے اپنے سامنے بیٹھنے کو ارشاد کیا یہ دربار آٹھ گھنٹے تک رہا اور امیر صاحب بیشتر مسایل پر گفتگو کرتے رہے۔ دوسرے دن پھر مجھے بلایا کو کہا اور اسی طرح میں دو ہفتے تک ہر روز جاتا رہا۔ اسکے بعد بلا کسی تخصیص کے کہا کہ تمکو کابل میں ایک دکان شاپ جس سے ملکی ضرورتیں بہم پہونچیں قائم کرنا ضرور ہے۔ میں نے

(دیکھو صفحہ ۱۳۰)

ہیں۔ اسلئے میں اُنکو یاد دلاتا ہوں کہ "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ"۔ کابل میں امیر صاحب کے سرکاری کارخانوں میں اُس وقت چار ہزار کے قریب آدمی کام کرتے ہیں یعنی شہر کابل کی آبادی کا ساتواں حصہ روٹی ورکشاپ کی بدولت حاصل کرتا ہے۔ ہر روز دس ہزار ماڑینی کارتوس اور دس ہزار سائیڈر کارتوس تیار

کارخانوں کا فائدہ

جلدی سے کاروبار اور تعمیر شروع کر دی۔ بے تحاشہ روپیہ اور مزدور بھیجدیئے گئے تین مہینے کے بعد امیر صاحب میرے کام کو دیکھنے کو آئے اور ملاحظہ کے بعد بلا کسی تشریح کے مفصلہ ذیل تقریر فرمائی۔ "آج کا دن میری زندگی میں سب سے زیادہ مسرت کا دن ہے۔ میں آج اُس کام کی بنیاد دیکھتا ہوں جو افغانستان کے واسطے ایک معاملہ عظیم ہونے والا ہے۔ قبل ازاں کہ یہ ورکشاپ ختم ہو تین چیزیں ضروری ہیں۔ اوّل خدا کی مدد دوئم میرا روپیہ۔ سوئم تمہارا کام۔ اور تمہارا اور میرا روپیہ بغیر خدا کی مدد کے بیکار ہے۔ خدا کی مدد اور میرا روپیہ بغیر تمہارے کام کے اور تمہارا کام اور میرا روپیہ بغیر خدا کی مدد کے بے حقیقت ہے۔ میں روپیہ لگاؤں تم کام کرو اور خدا کی مدد پر امید رکھنی چاہیئے جب عمارت ختم ہو جائے تو میرے پاس آنا"۔

عمارت کے اختتام میں کوئی تین مہینے اور صرف ہوئے اسکے بعد امیر صاحب نے مجھے پھر بلوایا اور کلیں لانیکا حکم دیا۔ اگر ایسا آدمی میرا حامی نہ ہوتا جسنے ناکامیابی کی مشکلات کو کسیطرح راہ نہ دی تو عمارت ہی پر میرے کام کا خاتمہ ہو جاتا۔ پہاڑی کلوں کے لانیکے بے انتہا مصائب اور انکا پشاور سے ریل کے بعد پہاڑوں میں لیجانا معمولی آدمی کا کام نہ تھا۔ کلوں کے بہم پہونچانے اور انکی مخصوص تیاری میں اٹھارہ مہینے انگلستان میں لگے اور اتنے ہی عرصہ کابل سے غیر حاضر رہا اور یہ کچھ تعجب نہ تھا اگر مجھے بھی فرانسیسی مفرور کیطرح خیال کر لیا جاتا۔ لیکن قبل کسی الزام کے ایک ملکی چیرنے کی کل جاری ہو گئی اور اس پہلی ہی کل کا یہ نتیجہ ہوا اور امیر اور انکی رعایا کو اسقدر تعجب ہوا کہ ساری ناگذیر تاخیر مطمئن تعجب کے ساتھ فراموش ہو گئی۔ اسکے بعد ٹکسال جاری ہوئی جسمیں لاکھوں روپئے تیار ہوئے ہیں۔ سکوں کا نقشہ بنایا گیا اور ٹھپے کاٹے گئے۔ یہ کام افغانستان کے کاریگروں کو بہت مشکل معلوم ہوا۔ لیکن بہت سے ٹوٹ پھیر کے بعد دو چاندی کے سکے اور ایک تانبے

ہوتے ہیں۔ ہفتہ وار دو توپیں سمیت کل سامان متعلقہ اور پندرہ یقلیں یومیہ بنتی ہیں۔ جلد جلد چلنے والی توپیں بھی ہفتہ میں دو تیار ہوتی ہیں۔ گولوں کے ڈھالنے اور بارود بنانے کے لیئے جدید کلیں منگوائے گئے ہیں۔ ٹکسالوں میں یومیہ ایک لاکھ بیس ہزار مختلف سکے مضروب ہوتے ہیں۔ چمڑے دیا سلائی صابون سازی وغیرہ کے کارخانوں کے علاوہ حال میں گلٹ سازی کا کام بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ یہ کارخانے اگر سیدھے خطوں میں رکھے جاویں تو انکا طول ۱½ میل اور عرض سوگز ہوتا ہے۔

کارخانوں کا کام

کا بنایا گیا۔ جنکو میں خیال کرتا ہوں ایسے ہیں جیسے کہ اور کسی کسال میں بنائے جاتے تیرنے شکوں کے رواج نے افغانیوں کی رائے کو اپنے حکمران کی نسبت بدلا اور اسکی ترقی کرنے والی پالیسی کے بہت مداح ہوئے۔ لیکن ہمیشہ شبہ کرنے والے افغان میری کوششوں کی اور حقارت کیساتھ کسی بھانے کے منتظر رہتے تھے اور یہ کہنا شروع کیا کہ کیا سبب ہے کہ جو صاحب کارتوس اور لڑائی کا سامان ہمارے واسطے نہیں بناتا۔ جو کوئی کارتوس کے کارخانے سے واقف ہو وہ ان مشکلات کی ضروری قدر کریگا۔ جو مجھے اس کام میں بغیر مدد کسی ہوشیار کاریگر کے پیش آئیں۔ تاہم صبر اور استقلال کیساتھ اس مشکل کو بھی طے کیا۔ اور ہم سات ہزار کارتوس ماٹینی کے اور ۹ ہزار سنائیڈر کے روزانہ تیار کر سکتے ہیں۔ اس سامان حرب کے کارخانے نے افغانوں کے شبہہ کو ٹھنڈا کر دیا اور انکو یقین ہو گیا کہ انگریز انکے دوست ہیں ورنہ وہ اپنے ایک ہم وطن کو ہمیں ایسی چیزیں سکھلانے کی اجازت نہ دیتے۔ دوسرے توجہ ماٹینی بندوق ڈھالنے کیطرف منعطف ہوئی۔ لہذا ایک ہوکنی اور تھوڑا دخانی طاقت سے چلنے کے لیئے لگایا۔ سال گذشتہ میں کوئی پچاس منہ کی طرف سے بھرنے والی اور بریچ لوڈر توپیں بنائی گئیں۔ یہہ تو ٹھیک نہیں کہ انکو دیچ کے کارخانے سے مقابلہ کیا جاوے۔ لیکن ہر توپ سابق کی توپوں سے عمدہ ہے۔ اور میں یقین کر سکتا ہوں کہ بہت ہی خوفناک حربے ہیں۔

بھانک کا بلیوں کو مطمئن کر کے ہمنے صابون اور بتی اور بوٹ بنانا شروع کیا۔ بوٹ کے ۱۵۰ جوڑے روزانہ فوجی استعمال کے لایق تیار ہوتے ہیں اور ۵۰۰ تک بن سکتے ہیں

۱۸۸۹ء میں امیر صاحب نے مسٹر اومیرا حکیم دنداں کو کابل میں بلایا تھا اور اُس سے اپنے دانت بنوائے تھے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ امیر صاحب راہ چلتے ہوئے بلالحاظ مرتبہ ادنے سے ادنے آدمی سے عرضی لیلیتے ہیں اور ہر بات پر خود توجہ فرماتے ہیں۔ ایک دن ہنگام گفتگو میں امیر صاحب نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب افغان لوگ بڑے سرکش ہیں۔ مالیہ یعنی معاملہ کی ایک چوتھائی تو بہ آسانی وصول ہوجاتی ہے۔ ایک چوتھائی لڑ بھڑ کر وصول ہوتی ہے۔ ایک چوتھائی حصہ کل

افغانی رعایا کی جہالت

اور برانڈی کی آٹھ سو بوتل روزانہ بن سکتی ہے۔ ان تمام حالات سے معلوم ہوگا کہ کابل میں کیسا کام ہوتا ہے اور میں مختصر آکھ سکتا ہوں کہ بم کا گولہ بارود تلوار فرنیچر گہ ڈیاں زیور اور ہر چیز جو مطلوب ہو کابل میں بن سکتی ہے۔

امیر صاحب کو کابل میں اس کام کی تکمیل سے اسقدر اطمینان ہوا ہے کہ انہوں نے جلال آباد میں جہاں کنار اور کابل نامی ندیوں کا سنگم ہے ایک ورک شاپ قائم کرنیکا حکم دیا ہے وہاں اتما کے جنگل سے بہت قیمتی لٹھے آسکتے ہیں درست کرکے ہندوستان کو فروخت کے واسطے بھیجے جاویں گے اور اس طرح ہم ایک برآمد کی تجارت جاری کرنے والے ہیں۔ آخر دفعہ جبکہ امیر صاحب نے ورکشاپ کا ملاحظہ کیا تو اُسکو اسقدر پسند کیا اور شوق غالب آیا کہ وہ خود بھی کام کرنے لگے۔ پس امیر کو دیکھنا کہ وہ ریتی سے دھات کو رگڑتے تھے اور ڈاکٹر کی کو خراد پر لگاتے تھے میں کبھی نہ بھولونگا۔

اخیر میں مسٹر پائن نے کہا کہ ان سب باتوں کا اثر آئندہ حالت افغانستان پر ایسا ہوگا کہ جسقدر اوسکو بیان کریں کم ہے۔ امیر نے کبھی امید نہ کی تھی اور وہ خود کھتے تھے کہ ان کاموں سے اونکو کوئی مالی فائدہ مقصود نہیں ہے بلکہ اپنے مذہبی گروہوں کو مہذب اور شائستہ بنانا ہے۔ تیرہ برس سے پہلے جبکہ امیر صاحب تخت نشین ہوئے جو افغانستان کی حالت تھی بالکل اُسکے خلاف ہے جو اب اوسکی کیفیت ہے۔ اسی طرح اب سے دس برس بعد اگر بھی امیر حکمران رہے تو کچھ اور ہی صورت ہوگی چھوٹی چیز سے بڑے نتائج نکلتے ہیں۔ اگر امیر صاحب وہ چھوٹا انجن راولپنڈی میں نہ دیکھتے تو آج اس وسیع کارخانہ کا جسمیں لاکھوں کیا بلکہ کروڑوں روپیہ صرف ہوا ہے وجود نہ ہوتا اور روسی عداوت و خوف جسکے سبب سے کابل نہ جاتے تھے آج دس گنا ہوتا۔

وصول نہیں ہوتا۔ اور ایک چوتھائی وہ لوگ نہیں جانتے کہ کسکو دیں پس یہ اسی طرح خورد برد ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر گرے کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امیر صاحب مزار شریف میں تھے اور سر عام امیر صاحب نے اپنے مصنوعی دانت جو مسٹر ادمیر نے بنائے تھے۔ منہ سے نکالکر برش سے صاف کیئے اور پھر منہ میں دھر لیئے۔ افغانوں کو بڑا تعجب ہوا اور وہ بہت ڈرے۔ یہ عجیب امیر ہے جو اجزائے بدن کو بھی جس وقت چاہے ریزہ ریزہ کر سکتا ہے۔ یا تو وہ زمانہ تھا کہ کابل کے نام سے غیر قوم و مذہب کے لوگ گھبراتے تھے۔ کابل کیا پشاور میں جانا غیر ممکن سمجھتے تھے۔ یا اب وہ زمانہ ہے کہ خاص کابل میں یورپین لیڈیاں جاتی ہیں اور امیر صاحب کی فیاضی سے بہرہ ور ہوتی ہیں۔ بیشک اس امن اور انتظام کے فخر کا تو لکھانا امیر صاحب کے گلے میں ہے اور وہ ہر طرح سے تحسین اور تعریف کے قابل ہیں۔ علاوہ سر سالٹر پائین کے مفصلہ ذیل انگریز امیر صاحب کے ملازم رہ چکے ہیں۔

امیر صاحب کے مصنوعی دانت

افغانستان کے یورپین ملازم

ڈاکٹر جان گرے۔ ایم۔ ڈی۔ (حال مستعفی)

کپتان گرسباچ۔ ماہر علوم طبقات ارض (ایضاً)

مسٹر آرتھر کالنس ایف جی۔ ایس[1] اور دنیا کا نہا۔ (حال مستعفی)

مسٹر کلیمنس میر اصطبل[2] (حال مستعفی)

اسکے علاوہ مس ہملٹن[3] بہت مدت کابل میں رہیں۔ مس ہملٹن کی حکمت کی

---

[1] مسٹر فریڈرک ایچ کلیمنس نے بھی جو امیر صاحب کے میر اصطبل رہے ہیں۔ فروری ۱۸۹۶ء میں لندن میں ایک لکچر امیر صاحب کی ہر دلعزیز شائستگی کو ترقی دینے کے متعلق دیا تھا جو دلچسپ سمجھکر یہاں ترجمہ کیا جاتا ہے:۔

"امیر صاحب افغانستان کی تہذیب میں بڑی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ عقیل ہوشیار اور محض صاف اور سچے ہیں اور جو نوکر انکی مرضی کے موافق کام کرتا ہے اس سے بہت خوش ہوتے ہیں اور اور جو وہ لکھتا ہے وہی کرتے ہیں۔ ذرا انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ افغانستان کی ترقی چاہتا ہے

ایسی تعریف کابل میں ہوئی کہ لوگ اُسے بقراط ثانی اور جالینوس زماں سمجھنے لگے مسز کلیمنس اور مسز والٹر ۱۸۹۶ء میں کابل گئیں اور موسم تابستان وہیں گذارا مسز کلیمنس کا

پھر جو وہ مانگتا ہے اُسے دیتے ہیں۔ امیر نے اپنی ہی پوشاک محل دار السلطنت اسباب خانگی اور فوج کو یورپ کے ڈھنگ کا نہیں بنالیا ہے۔ بلکہ وہ اپنی عسلداری کو یورپین بنایا چاہتے ہیں۔ یہانتک کہ گھوڑے اور مویشی بھی ویسے ہی کر لیئے ہیں اُنکی فوج میں سوار بہت ہیں۔ اسلیئے گھوڑے بھی اُسی نسل کے اپنے ہاں پیدا کراتے ہیں۔ عرب آسٹریلیا اور دیسی گھوڑوں کے بچے لیئے جاتے ہیں اور انگریزی عام گھوڑوں کی نسل میں بڑی ترقی کی ہے مسٹر کلیمنس کہتے ہیں کہ میری تحت میں جو گھوڑوں کا کارخانہ ہے اُسمیں ۷ پورے گھوڑے پرنس آف ویلز نیو مارکیٹ ناروفوک اور چشائر سے مول منگوائے گئے ہیں اور ۳ ہزار گھوڑیاں آسٹریلیا کی ویلر عربی ترکمانی ہزارہ اور عام کابلی ہیں۔ ہاں عمدہ گھوڑے پرنس آف ویلز سے آئے ہیں اور جہاں کہیں عمدہ نسل سُنی جاتی ہے وہیں سے منگائی جاتی ہے۔ خچر ہندوستان سے خریدے جاتے ہیں۔ غرضکہ ہمارا کارخانہ خوب چل رہا ہے اور ہر صورت سے ترقی ہے۔ انگریزی نسل کے بچے چھوٹے مُہ کے خوب پیدا ہوتے ہیں البتہ ہڈی کی درستی میں کچھ زمانہ صرف ہوگا۔ امیر زین سواری کو پسند کرتے ہیں یا گاڑی کو؟ وہ زین سواری کے بہت شوقین ہیں۔ مگر چار پانچ قسم کی گاڑیاں بھی اُنکے پاس ہیں۔ اُنکے اصطبل میں ۴۰ گھوڑے ہیں اور ایسے عمدہ ہیں کہ اگر کہیں ہونگے تو ایسے ہی ہونگے۔ اُنمیں آدھے عربی ہیں اور باقی سب دیسی ہیں اور سب غریب ہیں۔ افغانی گھوڑے بھی کچھ بُرے نہیں ہوتے چار برس پہلے تو یہاں گھوڑے کا ساز و سامان مشرقی ہوتا تھا مگر جب سے مسٹر پائن نے یہاں چمڑے کا کارخانہ کیا ہے بڑے بڑے لوگ کابل کی زین کا استعمال کرنے لگے ہیں۔ یہاں کی زینیں عام انگریزی ڈھنگ کی نقل کی ہوتی ہیں۔ افغان شہر ہوتے ہیں اور سرپٹ جاتے ہیں۔ گو شکار کا شوق کم ہے چار نوشی اور مٹھائی کھانے سے دل بھلاتے ہیں۔ کبھی کبھی تھوڑی گولی سے شکار کھیلنے یا باز کے شکار کو نکل جاتے ہیں۔ جاڑوں میں تو وہاں انگلستان سے بھی زیادہ سردی پڑتی ہے کابل کے غریب پرندے کچھ بچاتے ہیں اور برف کے مارے بہیڑیئے پہاڑیوں سے اُتر آتے ہیں۔ اُنکا جی چاہو تو شکار کر لو۔ پہاڑی بکریاں ملجاتی ہیں مگر بڑے جانور نہیں ہیں۔ حالانکہ ترکستان میں جنگلی سور اور شیر بھی ہوتے ہیں۔ امیر صاحب ایک دفعہ شیر کا

امیر صاحب کا اصطبل

چھوٹا بچہ بھی اُنکے ہمراہ تھا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب ہم گاڑی میں سوار ہو کر امیر صاحب کے درِ دولت پر گئے تو راہ میں لوگ ہمیں جھک جھک کر سلام کرتے تھے

بچے ترکستان سے لائے تھے۔ اور ہاتھی ہندوستان سے یہاں لائے گئے ہیں۔ امیر جیسے گھوڑوں کے شوقین ہیں ویسے ہی بھیڑ کی طرف بہت رجوع ہیں۔ اُنکے لیئے بھیڑوں کے بچے بھی لیئے جاتے ہیں۔ سو بھیڑیں مختلف نسل کی انگلستان سے منگائی ہیں اور سب سے ہیں جنکی اون بہت عمدہ ہوتی ہے۔ افغانستان کی بھیڑ کی اون ادنےٰ درجہ کی ہوتی ہے اور بڑھ کے بال ہو جاتی ہے۔ اب دیکھیں کہ انگریزی بھیڑ کی نسل سے یہاں کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اگر اون یہاں اچھی ہونے لگی تو کپڑے کے لیئے اسکی بڑی مانگ ہوگی۔ یورپ کے فیشن کی تمام کے کپڑے تو افغانوں میں پھیلگئے ہیں۔ یہ محکمہ مسٹر والٹر کے ہاتھ میں ہے۔ جو اب انگلستان گئے ہوئے ہیں۔ وہاں سے امیر اور اُن کے دربار کے لیئے بہت سا مال خرید کر لائیں گے۔ اور کارخانہ کے لیئے کپڑا بھی آویگا۔ انگریزی پوشاک افغانوں میں بہت رائج ہوگئی ہے۔ سب جاکٹ پتلون قمیص گلوبند اور نکٹائی کا استعمال کرنے لگے ہیں۔ امیر تو اب بالکل یورپین معلوم ہوتے ہیں۔ مسٹر والٹر انگلستان سے امیر اور شہزادوں ہی کے لیئے کپڑے اور پوشاکیں خرید کے نہ لاوینگے بلکہ افغانستان کے لیئے بھی انگریزی پوشاکیں آوینگی بعض وقت امیر آرام کے لیئے اپنی اصلی ڈھیلی ڈھالی پوشاک پہنکے پگڑی باندھ لیتے ہیں۔ مگر پسند انگریزی ہی پوشاک ہے اور پہنتے بھی آپکو خوب ہے۔ انگریزی وضع میں آپ بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ ٹوپی استرخاں تر کمانی دیتے ہیں۔ جو عموماً وہاں مستعمل ہے۔ جاڑوں میں وہاں عموماً پوستین پہنا جاتا ہے یہ ایک کوٹ بھیڑ کی کھال کا ہوتا ہے جسکی اون اندر رہتی ہے اور چمڑا باہر ہوتا ہے۔ جیسے پیلا رنگ لیتے ہیں اور اکثر اُسپر کام بھی کرا لیا جاتا ہے۔ وہانکے درزی انگریزی کپڑا خوب بنانے لگے ہیں۔ اور پھر مسٹر والٹر قطع کر دیتے ہیں۔ اور جن لوگوں کو اُنھوں نے اپنا شاگرد کر لیا ہے وہ سی دیتے ہیں۔ یورپین خیالات افغانی گروہ میں سماتے جاتے ہیں۔ انگریزی بولنے والے دنیا کی شائستہ اب کابل میں پہنچی ہے۔ افغانستان کی عام زبان فارسی ہے۔ مگر امیر تھوڑی سی انگریزی بھی بول لیتے ہیں۔ اور درباری ترجمان نے شہزادہ حبیب اللہ خاں کو اچھی

بھیڑ کی اون

افغانوں کی پوشاک

اور بہ آواز بلند دعائیں دیتے تھے۔ اور کہتے تھے اندہ نباش۔ مسز والٹر نے لکھا ہے کہ ملکہ یعنی بی بی حلیمہ نہایت خوبصورت شائستہ اور با اخلاق بیگم ہے۔ مسز کلیمنس بھی

طرح انگریزی بولنا سکھا دیا ہے۔ ارگ کے محل میں بہت سے یورپین اسباب ہیں۔ کمروں میں یورپین میزیں اور کرسیاں ہیں۔ اور دیواروں میں انگریزی تصویریں لگی ہیں۔ اور انگریزی کلاک اور گھڑیاں وقت بتاتی ہیں اور انگریزی پیانو بجتے ہیں

۱۵۔ امیر صاحب یورپین لوگوں سے کیسا اچھا سلوک کرتے ہیں۔ اور کابل میں یورپین لوگوں کی زندگی کس طرح بسر ہوتی ہے۔ امیر صاحب کی لیڈی ڈاکٹر مس ہلٹن کی ہمشیرہ کی اس گفتگو سے معلوم ہو سکتا ہے جو اُسنے ہندوستان میں ایک اخبار کے نامہ نگار سے کی تھی۔ اسمیں سے ایک حصہ اقتباس کیا جاتا ہے:۔ میری ہمشیرہ میزیں کرسیاں اور اس قسم کی دوسری چیزیں اپنے ساتھ لیتی گئی تھیں۔ پھر امیر صاحب نے بھی انکو بعض نفیس قالین وغیرہ مرحمت کئے اور جب آرام کی چیزیں اس طرح سے بخوبی مہیا ہو گئیں۔ بازار کابل میں کھانے پینے کا بہت اچھا سامان پایا جاتا ہے۔ ہمکو اپنی ضرورت کی چیزوں کی محتاجی کبھی نہیں ہوئی۔ وہاں بھیڑ کا گوشت بہت اچھا ملتا ہے۔ لیکن ترکاریاں بہت کم ہیں۔ خاصکر جاڑوں میں اور بھی کم ملتی ہیں۔ ہم لوگوں کی خبر گیری کے لیئے سرکار کی طرف سے کوئی چھ سپاہی متعین کئے گئے تھے۔ بعض اوقات تو سب کے سب ہمیں رہتے تھے اور کبھی تین ہی آدمی رہا کرتے تھے۔ لیکن اس سے ہمکو کچھ سروکار نہ تھا۔ ہم جس وقت باہر نکلا کرتے تھے تو ایک سپاہی ضرور بالضرور گھوم گھوم کر دروازے کے پاس موجود رہا کرتا تھا۔ زیادہ تر تو ہمکو انکی وجہ سے اس امر کا اطمینان رہا کرتا تھا کہ ہماری پیغام وغیرہ وہی لیجایا کرتے تھے۔ پہلے تو میں چہل قدمی کرنیکو شہر میں پیدل نکلا کرتی تھی۔ بعد اسکے جب لوگوں نے مجھسے بیان کیا کہ پا پیادہ چلنے کی حالت میں دیسی باشندے ہمکو حقارت سے دیکھتے ہیں تو اُس وقت سے سواری پر نکلتی رہی جب ہم لوگ باہر جاتے تھے تو ایک سپاہی ساتھ چلتا تھا۔ کابل کی گلیاں نہایت تنگ ہیں۔

اس بات کی تائید کرتی ہے۔ جب یہ دونوں عورتیں امیر صاحب کے سلام کو گئیں تو مسز کلیمنس کا چھوٹا بچہ دوڑ کر امیر صاحب کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اور منہ اُنکے آگے کر دیا کہ چومو۔ امیر صاحب اُس سے بہت خوش ہوئے۔

اور بازار میں نہایت ہی ہجوم رہا کرتا ہے۔ لیکن ولیسی باشندے ہمکو ایک عجیب و غریب شئے تصور کرتے تھے۔ باغ میں ہم زیادہ ٹہل نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ بہت ہی چھوٹا تھا۔ لیکن اسپر بھی میوہ جات کے درخت سے بھرا ہوا تھا۔ خوبانی۔ سیب۔ انگور انجیر۔ وغیرہ سب ہی قسم کے درخت موجود تھے اور گائے ہمارے گھر میں خاص اپنی پلی ہوئی تھی اس وجہ سے بڑی لطف سے گذران ہوتی تھی۔ امیر صاحب انتہا درجہ کے مہربان رہتے ہیں مثلاً ایک روز ہم لوگ افسوس کر رہے تھے کہ ہمکو لیموں اور نارنگیاں میسر نہیں ہوتی ہیں۔ یہ خبر کسی ذریعہ سے امیر صاحب کو پہونچگئی اُنہوں نے ٹوکری بھر لیموں اور نارنگیاں بھجوا دیں۔ جسمیں کابل گئی صرف چھ مرتبہ امیر کی ملاقات کی نوبت آئی۔ آپکو معلوم ہوگا کہ وہ ہمیشہ بیمار رہا کرتے ہیں۔ البتہ میری بہن ایک زمانہ میں تو اُنسے ہر روز ملاقات کیا کرتی تھی۔ جب پہلے پہل کابل میں پہونچی تو اُس وقت امیر بہت ہی علیل تھے اور کارخانجات کے قریب اپنے ایک باغ میں رہا کرتے تھے اور میری بہن ہر وقت اُسکے احاطہ ہی میں بیٹھی رہتی تھی۔ آپ جانتے ہونگے کہ میری بہن وہاں ڈاکٹر کی حیثیت سے نہیں گئی تھی بلکہ نرس کے طور پر گئی تھی۔ اور امیر صاحب چونکہ علیل تھے اُنکو معلوم ہوا کہ ایک ڈاکٹر ملسکتی ہے تو اُنکو بلوا بھیجا۔ اور بعد ازاں میری بہن کی مہارت فن علاج پر امیر صاحب بہت اثر ہوا۔ اُنہوں نے ترغیب دی کہ میری بہن کچھ زمانہ تک کابل میں مقیم ہو۔ مگر وہاں مستقل طور پر رہنے کا کوئی انتظام نہیں کیا ہے۔ اور امیر کے علالت سے اسکو کوئی واسطہ نہیں رہا۔ جب میرا جہاز ہو گئے تو اُنہوں نے وہ مکان جسمیں ہم لوگ رہتے تھے عنایت فرمایا اور وہ خود اپنے مکان کو چلے گئے جو ایک نفیس خشتی عمارت ہے اور بستانسرائے سے مشہور ہے۔ نامہ نگار کے اس سوال کے جواب میں کہ امیر تو بڑے مزے کے آدمی ہونگے مس ہملٹن نے ایسا جواب دیا کہ جو ایک عورت ہی اچھی طرح دیسکتی ہے کہ جو شخص اُسکو

امیر صاحب کی مہربانی اور مدارات

جلا وطنی سے پہلے امیر صاحب کی شادی سردار فقیر محمد خاں کی دختر سے ہوئی تھی جو امیر دوست محمد خاں کا بھتیجا تھا۔ اس زوجہ سے امیر صاحب کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جسکا نام عبداللہ خاں تھا لیکن یہ دونوں ماں بیٹے امیر شیر علیخاں کے ہاتھ آگئے۔ جب امیر بیچارہ جلا وطنی میں بھٹک رہا تھا شیر علیخاں نے امیر کی والدہ کے ساتھ ان دونوں کو بھی قید کر دیا اور وہ طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا رہے۔ جنوری ۱۸۷۹ء میں جرنیل ڈانلڈ سٹیورٹ نے قندہار پر قبضہ کیا تو سردار عبداللہ خاں جسکی عمر اُس وقت اُنیس سال کی تھی جرنیل کی ملاقات کو آیا۔ بیچارہ کی والدہ اور نانی نہایت محتاج تھیں اور بیچاریوں نے اپنے بچے بچائے زیور بیچکر عبداللہ خاں کے لئے کپڑے خریدے تھے کہ آدمیوں کی صورت میں جرنیل کے پاس جائے۔ چند دن کے بعد عبداللہ خاں کی والدہ ایسی بیمار ہوئی کہ اُسکے بچنے کی امید نہ رہی۔ آخر عبداللہ خاں نے انگریزی علاج شروع کیا اور وہ تندرست ہوگئی۔ امیر صاحب کی بیوی تو اچھی ہوگئی مگر بیچارہ عبداللہ خاں خود فوت ہوگیا۔ اور اُسکو باپ کا مُنہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

امیر صاحب کا پہلا بیاہ

دیکھے پسند کرلے۔ وہ ایک اسطرح کے آدمی ہیں جنکو جاذب القلوب کہنا چاہیئے اور کبھی کبھی تو وہ ہمپر خاص طور کی مہربانی کیا کرتے تھے۔ امیر صاحب نے ایک مرتبہ سنا تھا کہ ہم لوگ دیسی روٹی رغبت سے نہیں کھاتے۔ امیر اُنہوں نے اپنے باورچی کو حکم دیا کہ وہ انگلش طریقے کی روٹیاں یعنی پاؤ روٹی تیار کردے اور بعد اسکے ہمکو ہمیشہ وہی روٹیاں ملتی رہیں اور خوب ہی کھائیں گئیں۔ گو بوجہ کام کم ہلنے کے ہمارا جی وہاں لگتا تھا۔ تاہم ہم لوگوں کے پاس ایک پیانو تھا جسکو امیر صاحب نے مستعار دیا تھا اور میری بہن نے امیر کے بعض کم سن غلاموں کو پیانو کے بجانے کا تعلیم دیا۔ اور انیس ایک شخص اچھی طرح بجا سکتا ہے۔ پھر کوئی ایک سو بیس دیسی مریض ہر روز ہمارے علاج کرنیکے لیئے مکان پر آیا کرتے تھے۔ اس طرح پر وقت کٹ جایا کرتا تھا۔

دو اور شہزادے

امیر کی دوسری بیوی دختر جہاندار شاہ ہے۔ جو کسی زمانہ میں امیر بدخشاں تھا اس زوجہ سے امیر کے ہاں کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اُسکی ایک پرستار کنیز کے بطن سے جسکا نام گلریز ہے سردار حبیب اللہ خاں اور سردار نصر اللہ خاں دو شہزادے پیدا ہوئے۔ اول الذکر سمرقند میں ۱۸۷۲ء میں اور آخر الذکر بڑے بھائی سے تین سال بعد پیدا ہوا۔ لیکن امیر صاحب کی چاہتی بیوی اور حرم آرائے کی ملکہ بی بی حلیمہ ہیں جو بی بی شمس جہاں دختر امیر دوست محمد خاں کی صاحبزادی ہیں۔ بی بی حلیمہ کے والد کا نام عتیق اللہ خاں تھا جو مشہور ملا سید میر واعظ کا بیٹا تھا۔ ان سے امیر صاحب کو نہایت شغف ہے اور انہیں امیر صاحب کے مزاج پر بڑا قابو ہے۔ اور کابل میں سلطانہ کے نام سے مخاطب کیجاتی ہیں۔ یہ بڑی دانا اور دقیقہ فہم ہیں اور فیاضی میں بھی بہت نام پایا ہے۔ ڈاکٹر گرے جب کابل میں تھے تو یہ کبھی کبھی ملکہ کا علاج بھی کیا کرتے تھے۔ بی بی صاحبہ ایک پردہ کے باہر اپنا ہاتھ پھیلا دیا کرتی تھیں اور ڈاکٹر صاحب نبض دیکھ لیا کرتے تھے۔ وہ ڈاکٹر صاحب سے گفتگو بھی کیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ اُنہوں نے اپنا مرقع اُنکو دکھایا اور اپنے پہننے کی چند انگریزی وضع کی ٹوپیاں بھی دکھائیں۔ ایک ٹوپی سیل مچھلی کے چمڑے کی تھی جس پر گلہری کی دُم اور مصنوعی پھول لگے ہوئے تھے۔ اور اپنا نام بھی خود بتلایا۔ یہ حقہ پینے کے بیحد شایق ہیں۔ اور باوجود ڈاکٹر کے اصرار کے بھی نہیں چھوڑا۔ بلکہ رات کو نیند لانے کے لیئے کلورل کھانے کے بھی عادی ہیں۔ جو ہر چند کہ زہر ہے۔ مگر پھر ہر شام کسی قدر کھا جاتے ہیں۔

جولائی ۱۸۸۱ء کو بی بی حلیمہ کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام شمس الدین رکھا گیا۔ مگر یہ بچہ ستمبر ۱۸۸۳ء میں

میں فوت ہوگیا۔ جس سے بی بی صاحبہ کو بہت صدمہ ہوا۔ لیکن ۱۵ دسمبر ۱۸۸۰ء
میں خدا نے انہیں بمقام مزار شریف نعم البدل عطا کیا۔ اور اس نومولود
کا نام محمد عمر رکھا گیا۔ جو اسقدر ہونہار اور امیر صاحب کا ہمشکل نظر آتا ہے
کہ امیر صاحب اُس سے بڑی محبت کرتے ہیں اور اُسکے بچپن ہی میں شاہانہ
عادات اور رعب و داب ظاہر کرنے پر خوش ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر گرے نے اِس
بچہ کے پیدا ہونے پر امیر صاحب کے خوشی منانے کی مفصل کیفیت لکھی ہے۔
امیر صاحب نے ایک سال کی عمر ہی میں شہزادہ محمد عمر کو علیحدہ دو مکان
بنام گلستان سرائے و بوستان سرائے اور علیحدہ نوکر چاکر اور کل سامان دیدیا
تھا اور اُسکا مکان اور سامان اب سے اپنے دونوں بڑے بھائیوں شہزادہ
حبیب اللہ خاں اور نصر اللہ خاں سے بہت عمدہ اور بیش قیمت ہے شہزادہ
حبیب اللہ خاں امیر صاحب کا سب سے بڑا بیٹا اور تخت کا حقدار موجود ہے۔ امیر
صاحب کے مزار شریف کے سفر اور اقامت کے ایام میں اُنکی غیر حاضری میں
حبیب اللہ خاں نے بڑی لیاقت سے کابل کی حکومت کا کام سرانجام کیا ہے
جو بڑا مشکل کام تھا اور وہی امیر صاحب کے ولیعہد سمجھے جاتے ہیں۔ مگر چونکہ اُنکی
والدہ شاہی نسل سے نہیں اسلیئے خیال کیا جاتا تھا کہ شہزادہ محمد عمر آخر کار
امیر صاحب کا جانشین قرار پائیگا۔ کیونکہ افغانوں کی نظر میں شاہی ماں کے
بطن سے پیدا ہونا بہت بڑی وقعت رکھتا ہے۔ اور اِسی نظر سے امیر دوست محمد
خاں نے کئی بڑے بیٹوں کے ہوتے ہوئے شیر علیخاں کو جو چھوٹا تھا اپنا جانشین
مقرر کیا تھا۔ شہزادہ حبیب اللہ خاں جب محمد عمر کی والدہ کے سامنے جاتا ہے
تو بلا اجازت بیٹھ نہیں سکتا۔ کیونکہ اسکی والدہ شاہی نسل سے نہیں ہے گو امیر
صاحب نے شہزادہ حبیب اللہ کو ولیعہد بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ لیکن اسکو مشتہر نہیں کیا

نومولود

تقرر ولیعہد کا مسئلہ

سردار حبیب اللہ خاں

آرام کو منغض کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن بقول ڈاکٹر گرے کے ابھی سے کابل میں دو فریق موجود ہیں۔ ایک حبیب اللہ خاں کا طرفدار سمجھا جاتا ہے اور دوسرا سلطانہ کا۔ شہزادہ حبیب اللہ خاں بڑا باتمیز اور خوش مزاج خوبصورت نوجوان ہے جسم مضبوط اور اعضا قوی مثل امیر صاحب کے ہیں۔ شکل بھی اُنسے ملتی جلتی ہے کسیقدر انگریزی بھی سیکھی ہے اور بہت ہر دلعزیز ہیں۔ تاہم گرے صاحب کی رائے میں یہہ طبیعت اور عزم کے بہت بڑے مستقل نہیں۔ اور اسلیئے پختہ طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ امیر عبدالرحمن خاں کا جانشین کون ہوگا۔ مگر آنریبل جی این کرزن حال نائب سکرٹری خارجہ نے افغانستان کے دلچسپ حالات جو اخبار ٹائمز میں شایع کرائے تھے اُنمیں سردار حبیب اللہ خاں کی نسبت یہہ رائے ظاہر کی تھی۔ بقول اُنکے سردار صاحب نہایت باخلاق نوجوان ہیں۔ تمام ملک اُنکو پیار اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور اُنکی قابلیت بدرجہ غایت عمدہ اور قابل تعریف ہے۔ جو شخص اُنسے ملاقات کرتا ہے بے اختیار اُنکے اخلاق کی تاثیر اور اُنکی خوبیوں کی قائل ہوتا ہے۔ فی الحقیقت سردار حبیب اللہ خاں ہر طرح سے اس قابل ہیں کہ ولیعہد نصور کیئے جاویں۔

شہزادہ نصراللہ خاں کا سفر انگلستان

شہزادہ حبیب اللہ خاں کا چھوٹا بھائی ایک ہی والدہ سے شہزادہ نصراللہ خاں ہے کہ جسکی سرگذشت سفر انگلستان نے اُسے دنیا بھر میں مشہد معروف کر دیا ہے۔ یہ بڑا دیندار اور صالح نوجوان ہے جو صوم و صلوٰۃ کا بالتخصیص پابند ہے۔ جب امیر صاحب نے شہزادہ نصراللہ خاں کو سفر لندن کے لیئے نامزد کیا تو ہر طرف تعجب ظاہر کیا گیا تھا کہ امیر صاحب نے اپنے بجائے اپنے بڑے بیٹے کو بھی نہیں بلکہ اُس سے چھوٹے بیٹے کو روانہ کیا ہے۔ اور یہہ شاید ایسی ذمہ داری کے کام سے بخوبی عہدہ برآ نہ ہو سکے گا لیکن

نصر اللہ خاں نے جسطرح اس اہم منصب کو انجام دیا اس سے لوگوں کو ماننا پڑا کہ وہ بیشک لایق باپ کا لایق بیٹا ہے۔ ایک اور بیوی کے بطن سے امیر صاحب کا ایک لڑکا حفیظ اللہ ہے جسکی عمر سترہ اٹھارہ سال کی ہوگی۔

امیر صاحب نے اپنے زمانہ میں افغانستان کے محاصل کو بھی بہت کچھ ترقی دی ہے۔ گو افغانستان کے سرکاری مداخل و مخارج کا اندازہ تو گورنمنٹ ہند کو ابھی امیر صاحب نے نہیں بتلایا ہوگا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کے زمانہ میں ہر طرح سے کسی ملک کی سرکاری آمدنی بڑھ جاتی ہے۔ مگر امیر صاحب نے اسکو بڑھانے کے لیئے طرح طرح کے طریقے اختیار کیئے ہیں۔ محصول چنگی تو اسقدر بڑھا دیا ہے کہ افغانستان کی چیزیں جو ممالک غیر کو آتی ہیں۔ انکی لاگت دفعتاً دوچند ہوگئی ہے۔ کابلی گھوڑے کابلی پوستین اور پستہ بادام کشمش وغیرہ اسکے شاہد ہیں۔ بلکہ بعض صورتوں میں امیر صاحب نے سہولت اس بات میں سمجھی ہے کہ وہ خود ہی کسی خاص چیز کی فروخت کا اجارہ رکھیں۔ چنانچہ اس وقت افغانستان کی پوستینوں بادام پستہ مغز اور کشمش کے وہ خود اجارہ دار ہیں۔ تمام ملک کی پیداوار ایک مناسب نرخ سے لوگ انکے پاس فروخت کرتے ہیں۔ اور وہ جس قیمت سے چاہتے ہیں ان چیزوں کو ممالک غیر میں فروخت کرتے ہیں۔ پشاور میں امیر صاحب کا بادام بیچنے والا عہدہ دار ایک بہت بڑا افغان افسر ہوتا ہے اسکے علاوہ افغانستان میں چھوٹی چھوٹی پلوں اور چوکیوں پر امیر صاحب نے محصول لگا رکھے ہیں۔ گورنمنٹ ہند جب تجارت کی رپورٹیں چھاپتی ہے تو افغانستان اور ہندوستان کے درمیان کی تجارت کم ہوجانے پر رائے دیجاتی ہے کہ امیر صاحب تجارت کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔ اور کہ وہ اس سے اپنی

افغانستان کے محاصل میں ترقی

[1] جبکہ ہم امیر صاحب پر تجارت کو نقصان پہونچانیکا الزام دیتے ہیں (دیکھو صفحہ ۱۴۳)

آمدنی کا بھی نقصان کر رہے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں وہ اپنی آمدنی کے نفع نقصان کو بخوبی سمجھتے ہیں اور اُنہوں نے اپنے عمدہ انتظام اور ٹیکسوں کے بڑھا دینے سے جو ترقی افغانستان کی آمدنی میں کی ہے اگر اسپر گورنمنٹ ہند کی سالانہ امداد اور امیر صاحب کے بڑے بڑے جرمانے اور تاوان جو وہ اپنی رعایا اور

تو اُس وقت ہم اُنکے سب حالات سے واقف نہیں ہوتے وہ اپنی خاص طرز میں اپنی تجارت کو ایسا ہی زندہ بھی کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ کابل کو مہذب اور اہل کابل کو شائستہ بنانا چاہتے ہیں۔ اسکے متعلق مجھے ایک تاجر سے معلوم ہوا ہے کہ جب امیر صاحب راولپنڈی سے واپس جا رہے تھے تو دو روز پشاور میں قیام کیا۔ اور وہاں ایک پارسی جنرل مرچنٹوں کی دُکان کو جسکا نام جہانگیر اینڈ کمپنی تھا دیکھا۔ امیر صاحب نے چاہا کہ یہ دُکان ایک شاخ کابل میں بھیجدے چنانچہ امیر صاحب نے اس دُکان سے کئی ایک رعایتیں کرنیکا بھی وعدہ کیا۔ اور اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ دوکان کو سرکاری مکان سرائے موتی دروازہ لاہوری میں بلا کرایہ دیگئی۔ دوکان کی اسباب پر سرکاری ٹیکس چنگی وغیرہ معاف کیا گیا۔ دوکان کے مالکوں کو ایک لاکھ روپیہ بلا معاوضہ دو سال کے لیئے قرض دیا۔ دوکان کی حفاظت بذمہ سرکار رکھی اور دوکان کے ایک حصہ بکری کی وصولی سرکاری اہلکاروں کے ذمہ کر دی۔ اصل لاگت اور خرچہ پر ۱۰ فیصدی نفع دینا منظور کیا۔ ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر صاحب کو اپنے دار الخلافہ میں ایسی دُکان کے کھلنے کا کسقدر شوق تھا

۵۱ تاوان کے ذکر کے متعلق اسقدر ضرور بیان کر دینا چاہیئے کہ امیر صاحب کی نسبت مشہور کیا جاتا ہے کہ وہ ایسے طامع ہیں کہ کسی رئیس یا امیر کے پاس زیادہ روپیہ دیکھ نہیں سکتے۔ اور کسی نہ کسی حیلہ سے اُس روپیہ کو خزانہ شاہی میں داخل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ جب کابل کی جامع مسجد امیر صاحب نے تعمیر کرائی تھی تب بھی مشہور ہوا تھا کہ وہ ایک سوداگر کا مال ضبط کر کے اس رقم سے تعمیر کی گئی ہے۔ مگر میں اسکا بھی وہی جواب دونگا کہ بوجہ افغانوں ایسی سخت قوم اور جاہل اور بد دیانت اہلکاران سے سابقہ پڑنے کے امیر صاحب کی نیک نیتی کی غلط تاویلیں کیجاتی ہیں۔ جو اہلکار رعایا کو لوٹ لوٹ کر موٹے ہو گئے ہیں

اہلکاروں سے وصول کرتے رہتے ہیں بڑھا دیئے جائیں تو یقیناً افغانستان کے محاصل معقول مقدار تک پہونچ جاتے ہیں۔

امیر صاحب کے انتظام حکومت کی بڑی سے بڑی باتوں میں اُنکا سلسلہ خبر رسانی کا انتظام ہے۔ اور میرے خیال میں اُنکی زندگی کے حالات خواہ کیسے ہی اختصار کے ساتھ لکھے جاویں وہ کبھی مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے جبتک کہ اُنکے محکمہ مخبری کا ذکر نہ کیا جاوے۔ امیر صاحب نے ہر قسم کی خبریں افغانستان کے اندر اور اُسکے باہر صحت کے ساتھ خفیہ طور پر حاصل کرنیکا ایسا عمدہ انتظام کر رکھا ہے کہ جس سے بہتر کی خواہش نہیں ہو سکتی۔

کابل میں سلسلہ مخبری

قدیم زمانہ میں ممالک مشرقی خصوصاً ملک عرب کے بادشاہ بھیس بدلکر رات کو رعایا کے حالات معلوم کرنیکو نکلا کرتے تھے۔ مگر معلوم نہیں کہ امیر صاحب کیا کرتے ہیں کہ افغانستان اور خصوصاً کابل کے ایک آدمی اور ایک واقعہ کا حال امیر صاحب کو معلوم ہوتا رہتا ہے۔ کابل کی دوکانوں اور مکانوں میں جب لوگ باتیں کرنے لگتے ہیں تو انہیں ہمیشہ اس بات کا شک رہتا ہے کہ امیر صاحب اُنکی بات کو بجنسہ سُن رہے ہیں لیکن اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ امیر صاحب نے ہندوستان میں ایسا

اور امیر صاحب کے محاسبہ میں پورے نہیں اُترتے اُنکا مال و اسباب امیر صاحب ضرور ضبط کر لیتے ہیں۔ اور دراصل جیسا کہ اُنکے ملک کا طریق انصاف ہے۔ اسکے روبرو ایسا کرنے کے سوائے اور کوئی چارہ بھی نہیں۔ اب ضبط کیا ہوا مال اگر خزانہ سرکار میں نہ جاوے تو اور کہاں جاوے۔ سلطنت انگریزی میں بھی جرمانہ کا روپیہ سرکار ہی کا حق ہوتا ہے۔ ایک شخص نے جو امیر صاحب کے دربار میں رہا حاضر ہوا ہے مجھسے بیان کیا ہے کہ امیر صاحب کا قول ہے کہ اگر بادشاہ کی نیت ملک رہنو تو رعایا سرسبز رہتی ہے اور بدنیتی کم ہوتی ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ جو کچھ امیر صاحب کرتے ہیں نیک نیتی اور انصاف کی غرض سے کرتے ہیں اور اپنی نیت کے مطابق وہ اسکا ثمرہ بھی دیکھ رہے ہیں (مؤلف)

اچھا انتظام خبر رسانی کا کیا ہوا ہے کہ بمبئی میں کوئی افغان امیر صاحب کے خلاف ایک لفظ زبان سے نکالتا ہوا جبھی جاتا ہے اور اُسے شک ہوتا ہے کہ میری یہی بات امیر صاحب کے کان تک جا پہونچے گی۔ شہنشاہ محی الدین عالمگیر اورنگ زیب کی نسبت مشہور ہے کہ اسکو اپنے کسی اہلکار پر اعتبار نہیں تھا بلکہ ہر ایک پر ایک مخبر چھوڑ رکھا تھا مگر امیر صاحب کی نسبت مشہور ہے کہ نہ صرف اہلکاروں پر بلکہ رعایا پر بھی مخبر چھوڑ رکھے ہیں۔

امیر صاحب کے باخبر رہنے کے طریقے

کچھ عرصہ گذرا ہے ہندوستان کے کسی انگریزی اخبار نے ایک دلچسپ قصہ امیر صاحب کے سلسلہ خبر رسانی اور جاسوسی کے متعلق لکھا تھا۔ جو غالباً ایک فرضی قصہ تھا۔ لیکن چونکہ وہ امیر صاحب کے اس ضروری محکمہ کی کارروائی کی بہت عمدہ مثال ہے اسلیئے میں اُسکا خلاصہ ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

"چند روز کا ذکر ہے کہ تین شخص مسافروں کی حیثیت میں سفر کرتے ہوئے کابل پہونچے اور نان بائی کی دوکان پر جا بیٹھے۔ ایک مسافر سے ایک شخص نے پوچھا کہ تم کابل کو کیوں جاتے ہو۔ اُسنے جواب دیا کہ سفید پوش آدمی ہوں لڑکے کی شادی درپیش ہے۔ پانسو روپیہ نقد ہو تو کار خیر ہوتا ہے۔ نہیں تو ناک کٹتی ہے۔ اب کابل کو امیر صاحب کا نام سُنکر جاتا ہوں ممکن ہے کہ حاجت پوری ہو جائے۔ سائل نے یہہ سُنکر فرمائشی قہقہہ مارا۔ اور کہا ارے میاں ہوش کی دوا کرو۔ اور عقل کے ناخن لو۔ امیر صاحب تو وہ ذات شریف ہیں کہ جنکا دیدار خدا کسی دشمن کو خواب میں بھی نصیب نہ کرے اور انکی شر سے بچاوے۔ آپ اُلٹے پانسو روپیہ پیٹھ کا لے جاتے ہیں۔ یہہ کہکر یہہ صاحب تو خاموش ہو گئے۔ اور ایک اور صاحب جو اُسی جماعت میں شریک تھے بولے کہ اب امیر صاحب دست ہو جائیں گے۔ خدا نے اُنکا علاج کرنیوالا بھیجدیا ہے کہ روس منحوس آرہا ہے۔ یہہ یہیں بیٹھے تھے

انکی باتیں اُسوقت امیر صاحب کی خدمت میں پہونچگئی تہیں امیر صاحب نے اُن تینوں کو دربار میں طلب کیا۔ سب سے پہلے امیر صاحب اُس شخص سے مخاطب ہوئے جس نے پانچسو روپیہ کی آرزو ظاہر کی تہی وہ ڈر کے مارے بول نہ سکا۔ لیکن آخر کو سچ سچ بولنا پڑا۔ اُسکا حال سُنکر امیر صاحب نے اُسکو پانسو روپیہ دلوا کر رخصت کیا۔ اسکے بعد اُس شخص کی نوبت آئی جو امیر صاحب کا دیدار نہیں کرنا چاہتا تہا۔ اُسکا حال سُنکر امیر صاحب نے اُسکو دو سپاہیوں کی حراست سے ملک بدر کر دیا۔ پھر وہ اجل رسیدہ پیش ہوا جس نے کہا تہا کہ امیر صاحب کی مزاج پرسی کے واسطے روس آرہا ہے۔ حکم ہوا کہ اِس شخص کو فلانے میدان میں درخت کی چوٹی پر پا بند کہو پھر اُس شخص کیطرف مخاطب ہوکر بولے کہ خبردار ہوشیار رہنا جب روس آوے تو ہمکو خبر کرنا۔

اسکل بعض انگلو انڈین اخبارات میں امیر صاحب پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اُنہوں نے اپنے چند ارمنی ملازموں کو افغانستان سے یہہ کہکر نکالدیا ہے کہ تمہاری اہل قوم نے سلطنت عثمانیہ میں سلطان المعظم کے خلاف بغاوت کرکے اِس سلطنت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اسلیئے میں تمکو اپنی تلمرو سے خارج کرتا ہوں۔ اور اِس بنا پر یہہ اخبارات امیر صاحب کو ایک متعصب بادشاہ قرار دیتے ہیں۔ مگر میری رائے میں امیر صاحب کا اپنی رعایا اور ملازموں سے برتاؤ اور اُنسے انصاف کرنے میں امیر صاحب کے طریق عمل پر اعتراض کرنا مشکل ہے۔ افغانستان میں ہندو بھی بہت آباد ہیں مگر امیر صاحب کے انتظام اور انصاف کے متعلق انمیں ہرگز کوئی شکایت نہیں۔ اپنی عبادت کے وقت ہندو ڈھڑلے سے ناقوس بجاتے ہیں۔ البتہ اذان کے وقت نہیں بجاتے۔ ویسے ہی امیر صاحب کی ملازمت میں منتخب مسلمان پارسی۔ عیسائی۔ غرض ہر مذہب اور قوم کے لوگ رہچکے ہیں اور

امیر صاحب متعصب نہیں

رہتے ہیں لیکن کبھی مذہب کے خیال نے انہیں کسی سے خاص سلوک یا بدسلوکی کرنے کی تحریک نہیں کی۔ وہ صرف لیاقت کو دیکھتے ہیں اور اُسی کے مطابق عزت کرتے ہیں۔ جن چند آرمینوں کے کابل سے نکالے جانے کی شکایت کیگئی ہے اُنکی صورت پر غور کرنے کے لیئے امیر صاحب کے مندرجہ ذیل خط کو ضرور پڑھ لینا چاہیئے۔ وہو ہذا:۔

آرمینیوں کو دعوت

"بعد اظہار عنایات و مکارم کے کلکتہ کے ارمنی عیسایوں کو معلوم ہو کہ مرحوم نادرشاہ کے عہد دولت میں ارمنی عیسائیوں کے چند خاندانوں نے جنمیں ایک سو آدمی شامل تھے کابل میں آکر سکونت اختیار کی اور آرام و راحت کے ساتھ اپنا گذر اوقات کیا۔ آجکل صرف ایک خاندان ارمنی عیسائیوں کا کابل میں باقی رہگیا ہے جسمیں بوڑھے جوان اور بچے سب ملکر اکیس آدمی ہیں۔ انکی ہمقوم کے یہاں نہ ہونے کے سبب سے انکو تنہائی کی تکلیف ہے۔ ہمارے ماسبق فرمانروا دل اور موجودہ حکومت میں انکو کسی طرح کی تضدیع و تکلیف نہیں پہونچی بلکہ بوڑھے جوان سب ارمنی لوگوں کو سرکاری خدمات اور معقول وظائف دیئے جاتے ہیں جس سے انکی زندگانی عیش و آرام کے ساتھ بسر ہوتی ہے۔ تمہاری مذہبی اور قومی ہمدردی کے لحاظ سے میری خواہش ہے کہ تم اپنے ہمقوموں کے دس بارہ خاندانوں کو جنمیں تعلیم یافتہ اور اعلیٰ حرفت اشخاص شامل ہوں افغانستان میں بود و باش کرنے کے لیئے کابل کو روانہ کردو جن سے یہانکے ارمنیوں کی تنہائی کی تکلیف رفع ہو جاوے اور سب ملکر عیش و آرام کے ساتھ اوقات بسر کریں گے۔ تمہارے ملک میں سکونت ہونیکے بارہ میں ہم تم کو یقین دلاتے ہیں کہ تمکو مراتب اور وظائف اور رہنے کے لیئے مکان ہر ایک شخص کی حیثیت اور لیاقت و مرتبت کے موافق عطا کیئے جائینگے اور یہ کہ تمہاری جان و مال کی کامل طور سے حفاظت کیجائے گی"۔

یہ خط امیر صاحب نے غالباً اپریل یا مئی ۱۸۹۶ء میں لکھکر ہندوستان کو بھیجا ہے اور کلکتہ سے ارمنیوں کو کابل میں رہنے کے لیے بلایا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اپریل یا مئی ۱۸۹۶ء میں ارمنیوں کے ٹرکی میں فساد کرنے کی خبر اظہر من الشمس تھی کیونکہ وہ بہت عرصہ پہلے سے شورش مچا رہے تھے۔ اور امیر عبدالرحمن خاں ایسے بشر نہیں کہ انہیں ارمنیوں کے ٹرکی کے خلاف مفسدہ پردازی کی پہلے خبر نہ ہو۔ پھر جبکہ انہوں نے اس بات سے بخوبی واقف ہو کر ارمنیوں کو بلایا تھا اور بعد میں انکو بہت جلد نکالدیا تو ضرور کسی انکے فاتی قصور سے نہیں نکالا ہوگا۔ یہ امر باور کرنے کے وجوہات موجود ہو سکتے ہیں۔ کہ امیر صاحب کو سلطنت ٹرکی سے ہمدردی اور سلطان المعظم سے ارادت ہو۔ لیکن اس صورت میں بھی ارمنیوں کو کابل سے نکالدینا لازم نہیں آتا جبکہ قسطنطنیہ میں وہ ہزاروں اور لاکھوں موجود ہیں۔

اوائل ۱۸۹۱ء میں امیر صاحب نے اپنی رعایا کی بعض سرکش قوموں کو جو شیعہ مذہب رکھتی تھیں بوجہ انکی شورہ پشتی کے خوب سرزنش کی تھی۔ ہزارہ جات کے لوگوں کو جو ہمیشہ سے سرکش چلے آتے تھے مطیع کیا تھا اور کسی وجہ سے اپنی ایک شیعہ رجمنٹ بالکل توڑ دی تھی۔ اسپر اخبارات میں امیر صاحب شیعوں کا دشمن ہونیکا الزام دیا گیا تھا۔ اس وقت بعض لوگوں نے یہ بھی رائے دی تھی کہ یہ اثر شہزادہ حبیب اللہ نے جو شیعوں سے بہت بیزار ہیں امیر صاحب پر ڈالا ہے۔ مگر بعد کے معاملات نے ثابت کر دیا ہے کہ امیر صاحب مذہبی اختلاف کی وجہ سے اپنی رعایا کے کسی فرد بشر سے دشمنی نہیں رکھتے انکے ملک میں ہندو بھی بہت سے آباد ہیں مگر امیر صاحب انسے ویسا ہی سلوک کرتے ہیں جیسا کہ مسلمانوں سے کرتے ہیں۔ اس سے پہلے افغانستان میں ہندو رعایا کے لیے ضروری تھا کہ سرخ پگڑی پہنکر بازار میں نکلیں مگر آجکل یہ قانون بھی منسوخ ہو چکا ہے۔

امیر صاحب کا مذاہب سے سلوک

امیر صاحب نے کافرستان میں اسلام پھیلانے کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن سختی سے ہدایت کر دیا ہے کہ اگر حکم نہیں ہے صرف پولیٹیکل مصلحتوں کے لحاظ سے ان لوگوں کا مسلمان ہو جانا مستحسن سمجھا گیا ہے۔

میر عبدالرحمٰن خاں صاحب کی اگر سب تحریریں فرمان اور مراسلات جمع کیے جائیں تو رقعات ابوالفضل کے مقابلہ کی کتاب تیار ہو جاوے۔ لیکن کوئی ایسی کتاب تیار ہو یا نہ ہو امیر صاحب کے مصنف ہونے میں کلام نہیں رہتا۔ امیر صاحب نے اپنے تزک کا ایک حصہ لکھکر ہی مصنفوں کی جماعت میں قدم نہیں رکھا بلکہ ایک دوسری تصنیف تقویم الدین نے بھی انہیں مصنف کہلانیکا مستحق کر دیا ہے اس کتاب میں جیسا کہ ذیل کے خلاصوں اور اقتباسوں سے ظاہر ہوتا ہے اہل افغانستان کو قرآن اور حدیث کے احکام کے مطابق اپنے ملک کی حفاظت کے لیئے مذہبی جنگیں کرنے کی ترغیب دیگئی ہے۔ اور مسلمانوں کو حفاظت خود اختیاری کے لیئے کافروں سے جہاد کرنے اور شہید ہونے کی تاکید کیگئی ہے۔

امیر صاحب بطور مصنف کے

تقویم الدین ۱۳۱۷ھ میں فارسی زبان میں بہت خوشخط اور عمدہ چھاپہ ہی کے ساتھ قریب ۴ سو صفحہ کے حجم پر امیر صاحب کے مطبع واقع کابل میں چھاپی گئی۔ امیر صاحب کو اسکی تصنیف میں تیرہ علماء نے مدد دی کہ جنکی مہریں اخیر میں ثبت ہیں۔ امیر صاحب کا اپنا دستخط بھی کتاب کے اخیر میں اس طور پر چھپا ہوا ہے:۔

"امیر عبدالرحمٰن خاں دست خط کردم فقط"

تقویم الدین کا خلاصہ مطلب

امیر صاحب کے حکم سے میر محمد عظیم خاں سابق جنٹ میجر اور عبدالرزاق دھلوی کے اہتمام سے چھپکر کتاب تیار ہوئی ہے جو چھ فصلوں یعنی چار ابواب ایک دیباچہ اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اور کل کتاب میں ۳۶۰ آیات اور حدیثیں اقتباس

کی گئی ہیں۔

جہانتک میں کہہ سکتا ہوں یہ کتاب کسی فرد عایا انگریزی کی قبضہ میں یا خلمرو سرکاری میں نہیں پائی گئی۔ اور جو کچھ اس کتاب کے مطالب کی نسبت لوگوں کو علم ہوا ہے وہ صرف دو تین انگریزی اخبارات کی تحریرات سے ہوا ہے۔ سب سے پہلے پاونیر یا ٹائمز آف انڈیا نے اس کتاب کی کیفیت سے اطلاع دی تھی۔ اور پھر سول اینڈ ملٹری گزٹ نے ۱۸۹۹ء میں اسکا خلاصہ شائع کیا ہے۔ چنانچہ میں اُن خلاصوں کو ذیل میں نقل کرتا ہوں۔ امیر صاحب نے قرآن حدیث اور فقہ سے وہ تمام مسائل جمع کر لیے ہیں جو حفاظت سلطنت۔ خدمت بادشاہ اور مذہبی جنگوں کے متعلق وارد ہیں۔ اور جنمیں مسلمانوں کو اپنا ملک کافروں کے دستبرد سے بچانے کی تاکید کی ہے عیسائیوں کا اسمیں کہیں ذکر نہیں ہے۔ ساتھ ہی ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ تمہارے بادشاہ کا خواہ کیا مذہب ہو اُسکی اطاعت کرو۔ بعض اخبارات نے اشارہ کیا ہے کہ یہ کتاب ہندوستان کی مسلمان فوجوں میں امیر صاحب نے تقسیم کرائی ہے مگر یہ بالکل غلط معلوم ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل انتخاب "تقویم الدین" کا سول اینڈ ملٹری گزٹ نے شائع کیا تھا۔

سبب تالیف کتاب کے متعلق تقویم الدین کے دیباچہ میں لکھا گیا ہے کہ ایک روز امیر صاحب اپنے محل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے علما کو طلب کر کے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کیجائے کہ جس سے مسلمانوں کے دلوں میں جہاد کا جوش پیدا ہو۔ اور اُنکے مذہبی اعتقادات نسیاً منسیاً ہونے سے محفوظ رہیں۔ اسبارہ میں جسقدر مضامین لکھے جائیں وہ پہلے میرے گوشگذار کر لیے جائیں تاکہ مجھے بھی اُنپر غور و خوض کرنیکا موقع ملے۔ اور اسطرح ایک موزون رسالہ مرتب ہو جائے۔" علما حسب الامر امیر کے پاس کتابیں لکھکر لیگئے۔ جنہوں نے اکثر مقامات میں اضافہ و ترمیم کے علاوہ قرآن کی بعض آیتیں بھی داخل

کر دائیں۔ اور ایک حافظ کو بلانے کا حکم دیا۔ لوگ غلطی سے دیوان حافظ کو لیگئے یہ سمجھ
نے کہا کہ میرا یہ مطلب نہ تھا۔ خیر! اب چونکہ یہہ کتاب بلا طلب پہنچگئی ہے۔ اس لئے
اس سے شگون لینا چاہیئے۔ جب امیر صاحب نے کتاب کھولی تو حسب ذیل مضمون کا شعر نکلا۔
"نسیم سحری کل یہ مژدہ لیکر پہنچی کہ تیری تکلیف کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ اور
جب حافظ واصل جنت ہوگا تو اُسکی فتح و نصرت کا پھریرا آسمان تک پہنچ جائیگا"
امیر صاحب اس شعر کو پڑھکر باغ باغ ہوگئے۔ گھڑی دیکھی تو ساڑھے بارہ بجے
دوپہر کا وقت تھا۔ اُسیوقت نماز جمعہ کی اذان کان میں پہنچی۔ شاہی بیخبر کو
بلا کر پوچھا کہ کیا یہ اچھا وقت ہے؟ اُسنے سوچ بچار کر کہا کہ "خدا سے دعا مانگنے اور علماء
کو فراہم کرنے کے لئے یہہ نہایت ہی مبارک ساعت ہے"۔ عین اُسی وقت بارش بھی
شروع ہوگئی۔ جو مسلمانوں کے اعتقاد میں رحمت کی علامت اور اجابت دعا کا عمدہ
وقت سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ ہز ہائینس نے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی جسکا خلاصہ یہ ہے۔
"اے قادر مطلق خدا! اپنے پیغمبر کے دین کی قیام قیامت تک محافظت کر۔
افغانوں کو آفات ارضی و سماوی سے بچا۔ تمام مسلمانوں بالخصوص افغانوں کو
صراط مستقیم کی ھدایت کر جس سے تیری خوشی حاصل ہو۔
وجوب جہاد: پہلی فصل میں لکھا ہے کہ قرآن کی اس آیت کے بموجب کہ "اُن
بُت پرستوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں"۔ جہاد تمام مسلمانوں پر واجب ہے لیکن
بعض مفسدین نے جہاد کو فرض کفایہ لکھا ہے۔ گویا یہہ ایک ایسا فرض ہے کہ جسکو
اگر چند مسلمان بھی انجام دیں تو سب سے ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن جب چاروں طرف
سے مسلمان کافروں سے محصور ہو جائیں تو اُس وقت یہ کفایہ نہیں رہتا۔ بلکہ واجب
ہو جاتا ہے۔ ایسی حالتیں مجاہدین کو کفار سے اس وقت تک لڑنا چاہیئے جبتک
کہ فساد فرو نہ ہو جائے۔ یا کفار اطاعت نہ قبول کرلیں۔ یا خدا کی وحدانیت کے

مسلمانوں کی اشاعت ہو جائے۔ مزید برآں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میرے واسطے ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ لیکن اپنی حد سے تجاوز نہ کرو۔ اور نہ تجاوز کرنیوالوں کو دوست رکھو۔"

موعودہ ثواب "خدا ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اپنے اور مذہب اور قوم کے بچانے کے لیئے مردانہ وار لڑتے ہیں۔ پیغمبر نے فرمایا ہے کہ خدا مجاہد کے ان تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے جو کسی اور سے تعلق نہیں رکھتے۔ قرآن کی ایک آیت کا مضمون یہ ہے "وہ لوگ جو اسکے پیغمبر پر ایمان لائے ہیں اور جان و مال کو دشمنوں سے لڑ کر خدا کی راہ میں قربان کرتے ہیں اجر عظیم کے مستحق ہیں۔ دوسری دنیا میں راستبازوں کو عطاء ہونگے۔ پیغمبر کی ایک حدیث ہے کہ جو مجاہد بہشت میں داخل ہوگا تو خدا اس سے فرمائیگا کہ تو ہماری خاص شفقت اور عنایت کے سایہ میں آگیا۔ اور یہ عطیہ عطیے بہشت کی تمام نعمتوں پر فوق رکھتا ہے۔"

قرآن میں وارد ہے کہ "جو کچھ تم مقدس جہاد کے قایم رکھنے میں صرف کروگے۔ بلا ناکامی اسکا بہت بڑا اجر ملیگا۔ وہ اشخاص جو اشاعت اسلام میں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ انکی گیہوں کے دانوں کی مثال ہے کہ ایک دانہ میں سات خوشے لگتے ہیں اور ہر ایک خوشے میں سو دانے۔ خدا اس سے زیادہ بھی عطا کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ بڑا فیاض اور علیم ہے اور جو اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ اسمیں خرچ کرتے ہیں وہ سچے مسلمان ہیں اور انھیں کے واسطے معافی اور بہشت ہے۔"

پیغمبر فرماتے ہیں کہ "وہ شخص جو خود تو میدان میں نہ جائے مگر مجاہدین کے واسطے ہتھیار خوراک اور دیگر ضروری سامان جنگ مہیا کرے اسکو سات سو گنا اجر ملتا ہے۔ اگر وہ خود بھی شامل جہاد ہو تو سات لاکھ گنا ثواب عطا ہوتا ہے۔ جو لوگ کہ اسلامی ممالک کی حدود کی محافظت کریں انکی ایک نماز ان مسلمانوں کی پانچ سو نمازوں کے برابر ہے جو گھروں میں ادا

کیجائیں؟

جب اسلامی ممالک پر کفار حملہ کریں تو ہر ایک مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت جوان ہو یا بوڑھا۔ آقا ہو یا غلام۔ جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ انکو مشوہروں۔ آقاؤں۔ محافظوں وغیرہ کی بلا اجازت فوراً میدان جنگ کا رُخ کرنا چاہیئے۔ مسلمان مذہباً پابند ہیں کہ وہ کسی بادشاہ کے جھنڈے کے نیچے خواہ وہ عادل ہو یا ظالم جہاد کریں۔ انکو مقدس جنگ کے واسطے اپنی جانوں اور روپیہ کا ذرا بھی خیال نہیں ہونا چاہیئے اور اپنی عزت اور ایمان کی ذلت ہرگز گوارا نہیں کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "تم اُن لوگوں کو جو خدا کی راہ میں میدان جنگ میں شہید ہوئے مردہ نہ سمجھو۔ نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور خدا کی بخششوں سے خوش و خرم ہیں" پیغمبر کا قول ہے کہ مجاہد کے واسطے یہہ چھ خاص اعزاز ہیں (۱) اُسکے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں (۲) عذاب قبر سے مامون رہتا ہے (۳) روز بازپرس کے تفکرات سے بچ جاتا ہے (۴) سر پر جلال کا تاج پہنتا ہے (۵) ستر سیاہ چشم حوریں اُسکو عطا ہوتی ہیں (۶) نیز وہ اپنے ستر رشتہ داروں کو بھی اپنے ساتھ بہشت میں لیجاتا ہے۔ شخص جہاد کے ارادہ سے گھر سے نکلے اور رستہ میں مرجائے خواہ گھوڑے سے گر کر یا کسی زہریلے جانور کے ڈسنے سے یا اجل طبعی سے وہ بھی شہید سمجھا جائیگا۔ اور بہشت میں داخل ہوگا۔ اور جو جہاد سے زندہ مراجعت کرینگے۔ اُنکے بھی یہی اجر ہیں

لڑائی میں ثابت قدمی:۔ قرآن میں لکھا ہے کہ "اے سچے مسلمانو! جب تم کسی گروہ کفار سے مقابلہ کرو۔ تو استقلال سے ڈٹے رہو۔ اور اکثر خدا کو یاد رکھو تاکہ تمہیں کامیابی ہو۔ خدا اور اُسکے رسول کی اطاعت کرو۔ مغرور نہو۔ مبادا نصرت تم سے رخصت ہو جائے۔ بلکہ ثابت قدم اور صابر رہو۔ کیونکہ خدا صابروں کو دوست رکھتا ہے جب تم بت پرستوں کے مقابلہ کو جاؤ جو بہت بڑی تعداد سے

تمھارے سامنے آئیں تو انکو بیٹھنے نہ دکھاؤ کیونکہ جو شخص اُسدن بیٹھ دکھائیگا۔ یا لڑائی سے کنارہ کشی اور اسلامی جماعت سے علیحدگی اختیار کریگا۔ وہ خدا کی سخت ناراضی کا مستوجب ہوگا جہنم میں جائیگا۔ اور یہہ ایک نہایت ہی بڑا سفر اسکے لئے ہوگا"

فرض اطاعت:۔ اسلامی دنیا کے مناسب انتظام کے واسطے خدا نے جو حکم دیا ہے تمام مسلمانوں کو اسپر غور کرنا چاہیئے جو یہہ ہے کہ خدا اسکے رسول اور اپنے بادشاہ کی فرمانبرداری کرو۔ خواہ بادشاہ ہمارا کوئی ہی مذہب کیوں نہو۔ رسول خدا فرماتے ہیں۔ اپنے بادشاہ کے حکم کو سنو۔ اور اسکی اطاعت کرو۔ خواہ وہ حبشی ہی کیوں نہو۔ اگر تمکو بادشاہ کے ہاتھوں سے کوئی تکلیف پہونچے تو صبر سے برداشت کرو۔ اور اسکی اطاعت سے منہ نہ موڑو۔ بادشاہ ظل اللہ ہوتے ہیں۔ اور مظلوم انکی پناہ ڈھونڈھتے ہیں جو شخص بادشاہ کی اہانت کرتا ہو وہ گویا خدا کے غضب کو اپنے اوپر نازل کرتا ہے۔ اور جو عوت کرتا ہے۔ خدا کی برکتیں اُسکے شامل حال ہوتی ہیں۔ بہ نسبت عام بدنظمی کے ایک ظالم بادشاہ کا ہونا بہتر ہے۔

بادشاہ کی ضرورت:۔ تقویم البلدان کی دوسری فصل میں لکھا ہے کہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنا فرمانروا منتخب کریں۔ تاکہ وہ رعایا کا پشت پناہ اور اُنکے مذہب کا محافظ ہو۔ ہر ایک بادشاہ کو ان اوصاف سے متصف ہونا لازم ہے کہ وہ مسلمان۔ آزاد۔ مرد بالغ اور فہمیدہ شخص ہو۔ اور بادشاہ کے یہہ تین فرائض ہیں (۱) اسلام سے پھر جانے والوں۔ اور دہریوں۔ اور دین میں تغیر و تبدل پیدا کرنیوالوں کا قلع قمع کرے۔ اور سرکشوں۔ دغابازوں اور چوروں کے شر سے لوگوں کو امان دے (۲) مدبرانہ خیالات۔ عقلی طاقتوں۔ فیاضی اور بہادری کے اوصاف سے متصف ہو۔ (۳) اور اسلامی محافظوں اور سرداروں پر مہربان ہو۔

رعایا پابند ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کی نسبت حسب ذیل فرائض انجام دے۔ بادشاہ کی اطاعت اور اُسکے نائب کے احکام کو مانیں۔ ایک دفعہ اپنا بادشاہ منتخب کرلیں تو پھر اُسکی متابعت سے سرتابی نہ کریں۔ خواہ اسمیں مندرجہ بالا اوصاف بھی موجود نہ ہوں۔ اُنکے ظاہری خط و خال اور لباس میں عیب نہ نکالیں۔ گفتگو کے وقت نہایت مودبانہ لہجہ اختیار کریں۔ اُس سے محبت کریں۔ اُسکی تعریف و توصیف اور تعمیل احکام میں ہمیشہ مستعد رہیں۔ ضرورت کے موقع پر بادشاہ کو مدد دیں۔ اور ہمیشہ اسکو دیانتداری سے مشورہ دیا کریں۔

وہابیوں کے اقوال: تیسری فصل میں وہابیوں کے اقوال کا رد کیا گیا ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ "پیغمبر اور اولیاؤں سے دعا مانگنا درست نہیں ہے۔ مُردہ کسی بات کو سُن نہیں سکتا۔" "پیغمبر اور اولیا کسی کو نفع یا ضرر پہونچانے کی طاقت نہیں رکھتے۔" اُس قسم کے نام رکھنے بھی درست نہیں جیسے کہ غلام محمد وغیرہ۔" مسئلہ نبوت کے متعلق وہابیوں کے اُن اعتقادات کی بھی تردید کیگئی ہے کہ پیغمبر صلعم کسی بات میں عام آدمیوں پر فضیلت نہیں رکھتے۔ اور حضرت محمد صلعم خاتم الرُسل نہ تھے۔ اس بات کا یقین نہیں کہ قیامت میں شفاعت بھی ہوگی یا نہیں اگر اسکو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو یہہ معلوم نہیں کہ شفاعت کرنے والا کون ہوگا؟ علاوہ بریں وہابیوں کے اُن خیالات سے بھی انکار کیا گیا ہے۔ کہ جو عالم قرآن اور احادیث سے خود مسائل استخراج کرے اُسکو فقہ میں چار اماموں کی تقلید کی ضرورت نہیں۔ عوام الناس بھی اِن اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کرنے کے پابند نہیں ہیں۔ تمام مسلمانوں کو کسی ایک عالم ہی کی پیروی نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ ہر ایک شخص آزاد ہے کہ وہ جس عالم کی رائے کو درست سمجھے اُسپر عمل کرے۔ کیونکہ اِن چاروں اماموں کے اکثر مسائل غلط ہیں۔ حضرت سراج الدین

نے فرمایا ہے کہ رکوع میں جاتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اُٹھالو۔ اسی طرح دوبارہ سیدھا کھڑے ہونے کے وقت کرو۔

خاتمۃ الکتاب:۔ وہابی اگرچہ بظاہر پارسایانہ زندگی بسر کرتے ہیں مگر عقائد کے لحاظ سے وہ کافروں سے کچھ بہتر نہیں ہیں۔ اسلیئے اُنکی نماز اور عبادات قبول نہیں ہوسکتیں۔ اس فرقہ کا بانی "عبدالوہاب" تھا۔ جو ۱۱۱۵ھ میں عیینہ مقام نجد پیدا ہوا۔ کہتے ہیں کہ وہ یہودی النسل تھا۔ اور دل میں اسلام کی نسبت سخت عداوت رکھتا تھا۔ اسلیئے اُسنے مسلمانوں میں اختلاف کا بیج بونے میں نہایت کوشش کی۔ اخیر میں صحت کتاب کی تصدیق کے متعلق علمائے افغانستان اور ہز ہائینس امیر عبدالرحمن خانصاحب کے دستخط ہیں۔

رویائے امیر ۲۸ ذیقعد۔ جمعہ کی صبح کو پو پھوٹنے سے پہلے امیر نے خواب میں دیکھا کہ پھولوں کا ایک نہایت خوبصورت اور وسیع و عریض قالین ہوا اور قالینوں کے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ اسی اثنائے میں محمد خاں (امیر کا ایک ملازم) داخل ہوا۔ اور اُسنے کہا کہ "یہہ جاجم" ہے میں کہا "جاجم" کے کچھ معنے نہیں ہوسکتے۔ زیادہ صحیح طور پر یہہ "جائے جمع" (لوگوں کے فراہم ہونیکا مقام) ہوگا۔ امیر اس خواب کی یہہ تعبیر کرتے ہیں کہ انکی وسنلیں افغانستان اور اُسکے ملحقات پر فرمانروا رہیں گی۔

تقویم الدین کا ایک اور خلاصہ

اخبار پاؤنیر میں اس کتاب کا اختصار حسب ذیل چھپا تھا۔

فصل اول میں جہاد کا ذکر ہے۔ جہاد مسلمانوں پر واجب ہے اس سے کسقدر منافع اور انعامات مجاہد کو حاصل ہوتے ہیں اور اُن لوگوں کو جو مجاہدین کے خاندانوں کی حفاظت امداد اور نگرانی کرتے ہیں اور انکو ہتھیار دیتے ہیں اور جنگی سامان مہیا کرتے ہیں بہت ثواب ہوتا ہے۔ نظیر اس حصہ کو معائنہ کرنا چاہیئے جسمیں یہ مسطور ہے کہ تمام ایمانداروں اور پیغمبر کے پیروان سے مخفی نہ رہے کہ خداوند کریم نے جہاد کو تمام ایمانداروں پر فرض

اور واجب کیا ہے۔ جو کوئی اس فرض کے ماننے سے انکار کریگا وہ کافر ہوگا۔ یہ بات قرآن شریف اور احادیث نبوی سے صاف صاف ثابت ہے۔ بعد ازاں عربی میں تائید اپنے بیان کے قرآن مجید اور احادیث شریف وغیرہ سے بہت کچھ اقتباس کیا ہے پھر یہ بیان ہے کہ جب موت کا وقت قریب ہوگا تو اس سے ایک ساعت کی بھی تقدیم تاخیر نہ ہوگی اور مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ تم آخر کار دنیا سے رحلت کروگے لہذا جہاد سے غافل نہ رہو۔ اسکے اصول کے برخلاف نہ چلو کیونکہ شہادت بھی حیات ابدی ہے اور اگر کوئی شخص جہاد نہ کرے اور مرجائے تو منافق ہوگا۔

۲۶ صفحہ میں قرآن شریف کی ایک آیت ہے۔ اسکی یہ تفسیر کی ہے۔ مشار آیت کا یہ ہے کہ تم کافروں سے لڑو جو تمہارے قریب ہیں اور یہ ضرور ہے کہ دشمن مذہب سے تا ملائم گفتگو کرو۔ اور قبل از جنگ اور جنگ کے وقت تم جفاکشی اور بہادری ظاہر کرو۔ موت سے نہ ڈرو اور اپنے دشمنوں کو کامل زیرکرو اور آگاہ ہو کہ خداوند کریم صالحین کے ساتھ ہے جسکی وہ یاری کرتا ہے اور انکو وہ نصرت دیتا ہے اور مشرکوں اور مرتدوں کی نصرت نہیں کرتا ہے۔ بعد اسکے حدیث شریف کا مضمون ہے کہ اے میرے لوگو مشرکوں سے لڑو۔ اپنی جان و مال راہ خدا میں صرف کرو۔ اور کلام خدا کی بزرگی کو قائم کرو۔ اگر تمہارے پاس مال دنیا نہیں ہے تو تم خود کافروں سے لڑو۔ اگر تم ضعف نقاہت علالت وغیرہ کے سبب نہیں جا سکتے ہو تو ایسی صورت میں تم انکی رائے یا انکے خلاف شان زبان سے کام لینے میں تامل کروگے۔ کافروں کو قتل اور لوٹ کے خوف دلاؤ انکی ہزیمت اور شکست کی دعا کرو اور فتح اسلام اور مال غنیمت کی تہنیت آنے کی دعا طلب کرو۔ لیکن دوسرے صفحہ کی ہدایت کسیقدر مذکورۂ بالا کے برخلاف ہے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ عمدہ ایماندار وہ لوگ ہیں جو راہ خدا میں اپنے جان و مال سے لڑتے ہیں۔ لیکن یہ جہاد صرف بزرگی کلام خدا قائم کرنیکے لیئے

ہو کہ بغرض شہرت فضول نمائش اور حصول حظ نفسانی پوری کرنے خواہشات بد یا دستیاب ہونے مال غنیمت کے ہو۔

پھر جہاد کی بابت دور چلکر خواہش ظاہر کی ہے کہ حکام الٰہی پر عمل کرو۔ آلات جہاد حاصل کرو۔ تنہیا خرید دو۔ اور غازیان مذہب اور سچے مجاہدین کو تقسیم کرو اور اپنے عزاز اور نیکنامی کو نہ چھوڑو۔ اس بڑی خوشی کے جہاد میں بہت کچھ کوشش کرو اپنے مذہب کو قوت دو اور جنت کے لیئے قابل بنو۔

ضرور ہے کہ تمام ایماندار جہاد کو نکلیں اور عورتوں کے مانند خانہ نشین نہ ہوں مثل بہادروں کے انکو راہ خدا میں غزا لازم ہے۔ موت سے نہ ڈریں۔

دوسرے باب میں ذکر ہے۔ خدا کا فضل اور عنایت اُن مسلمانوں کے شامل حال ہوگا جو حسرات پر بغرض اُنکی حفاظت کے جائیں گے۔ یہ بات اُن لوگوں کو حاصل نہ ہوگی جو اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں گے۔ اُن مجاہدوں اور غازیوں کا بڑا مرتبہ ہے جو اپنے گھروں سے غیر حاضر رہیں گے۔ اور یہہ نہایت ضروری ہے کہ سب آدمی کمربستہ ہوں جب وقت تنہیا رباندھنے کا آوے۔ ایک ایک جگہ پر دشمن کے لیئے براہ خدا بیٹھنا تمام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ کیونکہ اگر ایک شخص کا قبضہ تمام دنیا اور اُسکی تمام اچھی چیزوں پر ہو جائے تو یہ سب ایک وقت میں گذر جائیں گے۔ لیکن عقبےٰ کی عمدہ چیزیں ہمیشہ کے لیئے قائم ہیں۔ ایک چوکی پر ایک رات دن دشمن کے لیئے براہ خدا بیٹھنے اور اہل اسلام کی چوکسی کرنے سے تمکو زیادہ تر بہ نسبت ایک ماہ کے کامل صوم اور صلوٰۃ کے ثواب حاصل ہوگا۔ کیونکہ اگر اس طرح ایک شخص مصروف ہے اور وہ اُسی عالم مصروفیت میں ہلاک ہوا تو اپنی حرکات کا صلہ جنت میں پائیگا۔ اور قیامت تک وہ اس سے محروم نہ رہیگا اور تمام آزمایشات اور عذاب قبر اور سوال منکیر و نکیر سے آفات سے

حشر سے اور ملعون دجال اور شیاطین سے محفوظ رہیگا اور قیامت کے دن شہدا کے ساتھ اٹھیگا اور اپنی قبر میں شہدا کی مانند آرام کریگا۔ اسکو فشار نہوگا وہ دنیا سے نہ جائیگا جبتک کہ اُسکے گناہ صغیرہ اور کبیرہ معاف نہوں وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوگا جیسا کہ بطن مادر سے پیدا ہوا تہا جنت میں اسکو جگہہ ملیگی اور حوروں کی صحبت میں رہیگا جو اُسکی ہمدم ہونگی اور اپنے بہتر عزیزوں کی بخشش کا ساعی ہوگا۔

سرحد اسلام کی حفاظت کے لیئے لوگوں کو مسلح کرنا قطعی امر ہے اُسپر یہہ بیان کرنا لہذا ضروری ہے کہ سچے اور پکے مسلمان خواہ پیدل ہوں یا سوار ہوں سرحدات کو بڑہا ہیں اُنکی چوکسی کریں اور محفوظ رکہیں۔ شریر کافروں کو روکیں عملداری اسلام میں آنے دیں۔ مقابلہ کے وقت اُنسے بہادرانہ جنگ کریں اور بڑی بڑی اغنامات کو اپنے ہاتہہ سے نہ جانے دیں اور اپنے کو جنت کے لایق کریں۔ اور خوبصورت اور مکمل بہ جواہرات حوروں سے ہم آغوش ہوں اور اپنے مذہب کی نگرانی کی ہر طرح کی کوشش کریں۔ ہم تمام باشندگان اعلے اور ادنے کی واقفیت کیلیئے خواہ وہ شہر قصبہ یا دیہات کے باشندے ہوں مشہر کرتے ہیں کہ سب پر بموجب کلام خدا کے واجب ہے کہ وہ اسلام کی اُسی طرح مدد کریں جسطرح نماز روزہ اُنپر فرض ہے۔ یہ فرض جہاد میں ہے اور تمام ایمانداروں کو واجب ہے کیونکہ اب تمام ہندوستان بندوبست ہو رہی ہے اور سرحدات اور عملداری اسلام کا کل قبضہ ظالموں میں آگئی ہے لیفضل ایزد متعال مذہب محمدی کے قایم رکہنے میں سرگرم ہوں اور شیروں کی مانند جنگ کو نکلیں اور شریر کافروں کا جنگ میں مقابلہ کریں اور اُنکی شرارت آمیز لاشوں کو اپنی شمشیروں سے قطع کرکے بچہا دیں اور اُنکے سروں کے گیند اپنے بلوں کے لیئے بنائیں۔

جب تم طلب کیے جاؤ کہ عملداری اسلام سے کافروں کو رد کرو تو تم پر واجب ہے کہ جس حصہ ملک پر دشمن ہے وہاں جاؤ اور کافروں کو ملک کے اندر نہ آنے دو۔ حدیث شریف کا یہاں ذکر کیا اور اسطرح تصریح کی ہے کہ ایمان والوں پر واجب ہے کہ ایک بادشاہ کے زیر علم جہاد کریں خواہ وہ شاہ عادل ہو یا ظالم۔ جب تم جنگ میں کافروں کا مقابلہ کرو تو جفاکشی ظاہر کرو۔ بھاگو نہیں۔ کیونکہ مسلح مسلمان کا دو کافروں کے مقابلہ میں بھاگنا سخت گناہ ہے۔ جبتک کہ ہتھیار اُسکے ہاتھ میں ہے۔ یہ گناہ مثل گناہ خون اور زنا کے ہے۔ اگر جنگ میں تین کافروں سے مقابلہ ہو تو بھی تحمل سے مقابلہ کرنا واجب ہے۔ بھاگنا نہ چاہیئے اور ایک نوع پر اُنسے بھاگنا بھی درست ہے۔

بعد تذکرہ حدیث شریف کے جسمیں نہایت دلچسپ بیان جنت کی مکین شہدا کا ہے۔ یہ بیان ہے۔ پس اے ایمان والو تم جنت میں اعلےٰ درجہ حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے ہو۔ خدا کا فضل و کرم حاصل کرو اور اس دنیا میں عزت اور عظمت حاصل کرو اور پھر جنت میں جاکر نہایت خوش و خرم مسندوں پر بیٹھو جہاں ادنےٰ درجہ کے شخص کو بھی خدمت کے لئے بہتر حوریں ملتی ہیں اور بیاسی ہزار غلمان اور بہتر مسندیں ملیں گی اور چھوٹے سے چھوٹا موتی جو حوروں کے تاج اور زیور میں لگا ہوگا مشرق سے مغرب تک اُنسے روشنی پھیلے گی اگر دنیا میں ایک حور آجائے تو تمام دنیا منور ہو۔ اور زمین سے آسمان تک خوشبو پھیلے حوریں جو چادریں اوڑھتی ہیں وہ تمام دنیا اور اُسکے مال کی بہ نسبت زیادہ قیمتی ہیں

تیسرے باب میں ذکر ہے کہ کسقدر اعزاز خوشی و خوبی ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو راہ خدا میں شہید ہوتے ہیں اور جو لوگ جہاد پر گئے اور گھوڑے سے گر کر یا سانپ یا کسی جانور کے کاٹنے سے مرے ہیں وہ بھی شہید اور غازی خیال کیے جاتے ہیں +

چوتھے باب میں کافروں سے جنگ کیوقت صبر و تحمل کا ذکر ہے اور دو چند تعداد دشمن سے بھاگنے اور قدم ہٹانے کا بہت زیادہ گناہ ہے۔ اگر تعداد چند ہے تو گو بھاگنا بڑا جرم ہے تب بھی جائز کر لیا ہے کہ ایماندار تکلیف اور نقصان سے بچیں۔

باب پنجم میں شاہوں کی فرمانبرداری اور انسے بغاوت کا ذکر ہے اور جن باغیوں نے سرتابی کی ہے انکو ایک آیتہ قرآن شریف یاد دلائی گئی ہے جسکا یہ مطلب ہے کہ خدا اور اُسکے نبی کے مطیع رہو اور جو تم میں سے حکومت پر ہو۔ اور اُس راہ پر چلو جو پیغمبر نے بتائی ہے اور شاہ اسلام کے یہ نائب پیغمبر ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ جو کوئی میرے حکم کی تعمیل کریگا اُسنے گویا خدا کے حکم کی تعمیل کی۔ اور جو میری نافرمانی کریگا گویا اُسنے خدا کی نافرمانی کی۔ جو کوئی امیر کے حکم کو نہ مانیگا اُسنے گویا یہ حکم نہ مانا۔ واقعی امام ایک سپر ہے جسکے پیچھے ایک شخص لڑ سکتا ہے اور ضرر سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ جو کوئی بات امیر میں پائے جسکو وہ پسند نہ کرتا ہو تو خاموش رہے۔ اور سرکشی نہ کرے۔ جسنے عمداً کھا مان لیا وہ اُنہیں لوگوں کی موت مریگا جو قبل از زمانہ اسلام کے مرے تھے۔ اگر ولی جابر اور ظالم اپنی رعایا پر ہو تو اُسکا جرم بہت بڑا ہے وہ خود اوسکا مواخذہ دار ہوگا۔ اور یہ کارروائی شاہوں کی خود نتیجہ اعمال رعایا کا ہے۔ شاہ کا اسمیں قصور نہیں ہے۔

تمام ایمانداروں کے لیئے یہ امر ضروری ہے کہ موافق آیتہ کریمہ اور بزرگ احادیث اور تفاسیر علما کے شاہان مذہب کی اطاعت سے سرتابی نہ کریں۔ بلکہ اُنکے احکام بجا لائیں اُنکے احکام کی تعمیل میں دست بقبضہ شمشیر ہوں۔ اور نہایت عاجزی سے اُنکی اطاعت کریں۔ اور اُنکے آستانہ کی خاک سرمہ چشم بنائیں۔ وہ باغی اور سرکش رعایا وغیرہ کے شریک ہوں جو کوئی شاہ سے عہد و پیمان کرے اور دل سے اسکو قبول کرے تو اُسپر تعمیل واجب ہے۔ اگر کوئی اور شخص آئے اور شاہ سے لڑے اور اُسکی

سلطنت میں فساد اور عناد پیدا کرے تو اُنکو لازم ہے کہ وہ سرکشوں کو قتل کریں اور اُنکے سر قلم کریں جو ایسے شخص کے شریک ہوئے ہیں۔ ایک فقرہ میں ایک اور مذہبی کتاب کا حوالہ دیا ہے جس سے اسکو اپنے شاہوں کے حکم کی تعمیل خواہ وہ عادل ہوں یا ظالم ہوں واجب ہے۔ اول مذہبی فرض ہے کہ لوگوں کو اپنا شاہ اپنے مذہب کی حفاظت کیلئے قبل از جنگ و جدل مقرر کرنے کیلئے منتخب اور مقرر کرنا لازم ہے جو شخص شاہ منتخب کیا جائے اسمیں اوصاف ضروری ہیں۔ وہ مرد ہو اور عمر طبعی تک پہونچے۔ آزاد ہو غلام نہ ہو۔ پکا مسلمان ہو اور عقیل اور مضبوط ہو جو عدل کرے اور ظلم کو مٹادے اور اصول شریعت اسلام کو کامل طور پر جاری کرے۔ اور بخوبی اُسکے لائق ہو کہ اپنی رعایا کے دینی اور دنیوی تائیدوں کی نگرانی کر سکے تاکہ اُسکے ذریعہ سے اُنکے مذہب کو قوت ہو۔

بعد ذکر آیہ کریمہ کے کتاب میں مسطور ہے۔ تھوڑے زمانہ میں خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا جو ایماندار سوں سے کیا تھا۔ اُنکو جزیرۂ عرب اور عملداری کسریٰ اور ملک روم یا ایسا کیگئی ہے کہ تمام ممالک مشرق اور مغرب کو بموجب حکم خداوند عالم کے مسلمان بندے فتح کرینگے۔ جو پیرو پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں۔ پہلے یہ ذکر ہے کہ خلیفہ کو اُن لوگوں کا قتل کرنا کیسا فرض ہے جنہوں نے اسلام کو اسکے قبول کرنیکے بعد ترک کیا۔ اور اُن لوگوں کی بیخ کنی کرنا جو مذہب اسلام میں نئی ایجادیں کرتے ہیں اور باغیوں اور اُٹھیروں اور مدغیت کرنے والوں کا قتل واجب ہے۔ دوسری دفعہ میں عقلمندی و فراست اور فہم اور دانش بھادری اور فیاضی شاہوں کی جانچ کا بیان ہے تیسری دفعہ میں اُنکے الطاف اور رحم کا اپنی رعایا کی نسبت ذکر ہے اور بہت سی آیات اور احادیث کا بتائید مذکورہ بالا حوالہ دیا ہے۔ اسی تیسری دفعہ میں رعایا کی واجبات کا منجانب اپنی شاہ کے بیان ہے اُسکے نو حصے ہیں۔

اول میں ذکر ہے کہ شاہوں کی اطاعت کس طرح کرنا چاہیئے تمام مسلمانوں پر مذہبی

کہ وہ اپنے علما اور خلفا کے احکام کی تعمیل کریں جس سے فایدہ اسلام کا ہی اور جو برخلاف حکم شرع کے نہیں ہی وہ اسکے حکم کی تعمیل کریں خواہ وہ عادل لے لوٹ یا ظالم طرفدار ہو یہاں پر بتایئد مذکورہ بالا کے اُنہوں نے بہت سے حوالے دیئے ہیں

تقویم الدین کے اور مطالب کی تفصیل

(۲) میں فرمانبرداری دلی یا گورنر یا حاکم کی سبکو امام بادشاہ اسلام مقرر کرکے حدیث کا حوالہ دیکر اس طرح تصریح کی ہی۔ اگر خلیفہ کیجانب سے امیر تم پر بدیں جب احکام قرآن شریف اور شرع کے حکم ہوں کہ جو تو تمکو خوشی خوشی رضامندی کے ساتھ حکموں کی تعمیل لازم ہی۔ اگر ولی مذکور حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو اور اسکا سر منقی کے مانند ہی چھوٹا کیوں نہ ہو یعنی بے عقیل اور فہیم نہ ہو۔

(۳) میں وجہ اور حالت اون لوگوں کا ذکر ہے جو اپنے امام کی قطعی اطاعت کرتے ہیں اور اونکو کیا صلہ حاصل ہوتا ہے۔

(۴) جو لوگ مسلمانوں میں شرارت اور نفاق پیدا کرنا چاہتے ہیں اُنکو بھی باغی اور شریر قرار دیں حکم ہے کہ جہاں کہیں ملیں قتل کیئے جائیں اِنکے قاتلوں کو بہت ثواب حاصل ہوگا۔

(۵) یہ مناسب نہیں ہی اور یہی بات کافروں میں مناسب نہیں ہی کہ اونکی عورات اور بوڑھے آدمی قتل ہوں جو لڑنا نہیں چاہتے یا اُنکے بچوں کو قید کریں مگر اونکی جایداد ضبط کرلیں تاوقتیکہ وہ نادم اور خجل نہ ہوں اس وقت اُنکی جایداد واپس دیجائے۔

(۶) میں ذکر ہے کہ جو لوگ اپنے شاہوں کے نقص ظاہر کرتے ہیں کہ اونپر رعایا کے لوگ مضحکہ کریں اور قہقہ لگائیں۔ تمکو اوس پوشاک میں عیب جوئی لازم نہیں ہے جو تمہارے شاہ پہنتے ہیں اور نہ اونکے کہنے سُننے کو حقارت سے دیکھو کیونکہ اگر تمنے غرت کی نگاہ سے امیر کو دیکھا تو سب کو ضرر پہونچیگا کیونکہ جب وہ خاص کپڑے پہنے اور کوئی بات کہے تو وہ خاص مقصد اور مصلحت سے ہے جس سے مرجب اُسکے

اعزاز اور عبرت کا رعایا کو ہو۔

(۷) شاہوں کے حقوق کا بیان ہے۔ شاہوں کے بہت سے حقوق ہیں سے ایک یہ کہ جو لوگ اُسکے سایہ میں ہیں وہ اُسے اُسکی محبت کریں جب کبھی اُسکا ذکر زبان پر آئے کلمات تعریف کے ساتھ ہو۔ اور حتی الوسع اُسکے احکام کی تعمیل کریں اور بغیر بڑبڑائے ٹیکس اور دیگر کاموں کو پورا کریں اور ذرا بھی اعزاز اور ادب ظاہر کرنے سے تامل نکریں خواہ وہ عام ہو یا پرائیویٹ ہو اور اپنا مال ہمیشہ اوسپر تصدیق کرنے کے لیئے تیار رہیں۔ کیونکہ اوسکی موجودگی سے اُنکے دینی اور دنیوی معاملات اور اہل و عیال محفوظ رہتے ہیں۔ بعد کچھ ذکر آئیکریمہ کے مسلمانوں کی نسبت یہ بیان کیا۔

بعرض اقبال شفقت اور مہربانی کے جو تم پر ہوئی ہے اور بغرض اظہار شکریہ کے تم ایسا طریقہ اختیار نہ کرو کہ جس سے کافر تم پر افسری کریں جس سے موجب تباہی اور ابتری تمہاری بسر اوقات اور پیشوں میں پیدا ہو۔

(۸) میں ذکر ہے کہ شاہ کی کیونکر مدد اُسکی فتح نصیب ہونے کے لیئے کریں مسلمانوں پر شاہ اسلام کی مدد واجب ہے۔ اگر انمیں سے ایک مصیبت اور دقت میں پھنس گیا تو لازم ہے کہ ایک دوسرے شاہ کی مدد کریں۔ کیونکہ کافر ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر مسلمان ایک دوسرے کی مدد نہ کرینگے تو کافر اُنپر حاکم ہوں گے۔ اسلام کو ضرر اور زوال ہوگا۔

۹۔ اخیر میں وہابیوں کا ذکر ہے۔ اور بیان کیا کہ اُنکے خیالات عقاید اور ہدایت مسلمان فرقہ سنت جماعت کے خلاف ہیں۔ اس اشاعت میں جملہ احادیث اور آیات کا بتردید اُنکے خیالات کے دیا گیا ہے

اخیر میں بیان ہے کہ وہابی گو بظاہر خدا پرستی کا جامہ پہنے ہیں اور مسلمانی کا دعوی کرتے ہیں مگر واقعی مکار اور لامذہب ہیں اور ظاہر پرست ہیں اُنکو سلام کرنا یا اُنکے پیچھے نماز

پڑھنا درست نہیں ہے۔ وہ دشمن مذہب ہیں ہمیشہ سچے مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنیکا ارادہ کرتے ہیں اور مذہب کو خراب کرنا چاہتے ہیں تاکہ اپنے مذہب کو ترقی دیں اور کل اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیں ؛

امیر صاحب کے ہزارہا مراسلات اور خطوط میں سے دو چار کا بطور نمونہ یہاں درج کرنا مناسب ہے۔ سالگذشتہ جب ہندوستان میں وبائے طاعون بکثرت زور شور پیدا ہو گیا تو امیر صاحب نے اپنے سفیر مقیم ہندوستان کو اس وبا کی کیفیت سے اطلاع دینے کے متعلق حسب ذیل مراسلہ بھیجا۔ جسکے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک عام اور خاص بات کو وہ کسقدر تحقیقات کی نظر سے دیکھتے ہیں اور انکے سوالات کیسے جامع ہوتے ہیں :-

تحقیقات وبا کے متعلق امیر صاحب کا فرمان

عالیجاہ عزت نشان غلام رسول خاں وکیل دولت خداداد راوضح خاطر باد

در باب کوائف حدوث مرض طاعون کہ در محل بمبئی و کراچی بندر سانح و شایع شدہ کہ مسلسل لانقطع است شمارا امرار شاد مے شود کہ از زبان گروہ اطباء یونانی و جمہور ڈاکٹرہا وغیرہ مردم دانستہ و فہمیدہ استفسار کردہ جویا شوید کہ مثلاً در ابتدائے مرور ایں ورم بچہ عنوان است صغیر الحجم مثل باقلا و یا کوچکتر ازاں یا کبیر الحجم بقدر گردکان و یا بزرگتر ازاں با سوزش شدید موذی متجاوز از حد چنانکہ مریض ہذیان کند و آتش دراں موضع نہادہ اند و یا غیر آں در اعضاء غدد ی اللحم حساس چوں پستان و بیخ زبان و حصیہ و یا اعضاء غیر حساس چوں بغل و گنج ران و پس گوش عارض مے شود و یا در دیگر موضع از بدن عارض میشود و یا تپ یا بغیر تپ قے و غشی و خفقان و اختلاط عقل عوارض دارد و یا رنگ آں بچہ و تیرہ است سرخ و یا زرد گونہ و یا مائل بسیاہی۔ و مریض چند یوم دوام میکند و یا بروز دوم و سوم مے میرد۔ و پانچ و ہفت یوم مہلت میدہد و اشخاصیکہ زندہ از ایں مرض صحت یاب میشوند و خلاصی مے یابند۔ در کدام موضع بدن ایشاں برمے آید و یکے میباشد یا متعدد و ہا قابل چرک در یم میشود کہ خون مزرد آب

ازاں ترشح کند یا نہ؟ اطبائے یونانی در مداوا و تدابیر آں بچہ نہجے کوشندہ از معالجات اقدام بفصد و مسہل و یا شرط در موضع ورم شرط عبارت از پاکی زدن است و بعد آں مکیدن و در موضع ماؤف در ابتدا رد و دعمات بارد و در اطراف آں مالیدن بمحول در اشتہ بکارے برند یا نہ۔ و از اغذیہ و اشربہ چہ مید ہند؟ و از مقویات و مفرحات و ادویہ فوق الخاصیت کدام قسم را بعمل آوردہ معمول میدارند۔ گروہ ڈاکٹرین بچہ وضع تفقد و اہتمام آں بجا مے آرند۔ اطبا ریونانی ہم مثل ڈاکٹرہا ے بمبئی علاج میکنند و یا بصد؟ مرا و از مثل انیست کہ در مرض کدام کدام از خارج و داخل استعمال مے نمایند۔ از حد زیادہ سعی و کوشش کردہ کو الف آں سو و بنجو بے جہ مدلل خود کردہ بزودی عریضہ نگار بارگاہ خسروی شوید۔ زیادہ خیریت است۔

تحریر یوم دوشنبہ
۴ شہر شوال ۱۳۱۴ھ

مہر و دستخط امیر صاحب

مندرجہ ذیل مراسلہ امیر صاحب نے ڈاکٹر جی ڈبلیو لائٹنر کی ایک چٹھی کے جواب میں اس وقت لکھا تھا جبکہ انکے انگلستان جانے کے متعلق رائے زنی ہو رہی تھی اور یہ اسٹاٹمنٹ کو ارٹرلی ریویو میں چھپا تھا۔ وہو ہذا:۔

زبدہ ماہران علوم و کمالات و عمدہ واقفان فنون و فطانات و مجمع موقت آیات ڈاکٹر جی ڈبلیو لٹنر الملقب بمولوی عبدالرشید۔ ال۔ ال۔ ڈی۔ سی۔ او۔ ایل را بعد اظہار خیالات محبت و اشفاق ہمایون و الا و اشتیاق ملاقات و فرح خاطر مودت مظاہر باد آنکہ مراسلہ آں دوست از ملاحظہ والا گذشت چوں بنی بر خیالات خیر خواہانہ و دوستانہ و احوالات قدمندی دوستاں بودہ باعث انبساط و فرحت خاطر عاطر والا گردید و در باب اشتیاق ملاقات و تبا نمودن نشیمن دوستانہ در لندن بر ے حضور انیجانب کہ نوشتہ آید چوں دنیا بامید قایم است امیدوار

ڈاکٹر لائٹنر صاحب کے نام امیر صاحب کا دوستانہ خط

از خداوند داریم کہ بکدام وقت اتفاق ملاقات حاصل شدہ موجب حظوظ خاطر
جانبین گردد و چوں عزم کاری عین کار است بدین دلیل قصد مہمانداری و دعوت
حضور والا کہ بدل اشتیاق قبول منظور شدہ خورسند و رضامند شدیم و آنچہ
نوشتہ اند کہ در مسجد لندن کہ بجہت استفادہ مسلمانان تیار کردہ ام دعائے دوام
عمر و مملکت سرکار والا کردہ میشود چوں دعا لغیب اسرع فی الاجابۃ مشہور است امیدواریم
کہ دعائے خانہ زاد آں دوست مستجاب درگاہ مجیب الدعوات خواہد بود ثانیاً مرقوم
داشتہ آید کہ بعض اشخاص بدطینت بوسطہ اخبارات میگویند کہ جناب امیر صاحب
مخالف دولت انگریز شدہ اند بنابریں ترویج یدہ اوشاں را مجالس شرفا و ہم در تصنیفات
مختلفہ کردہ ام کہ ایں سخن بے بنیاد است و دو نسخہ ازاں کتاب بحضور فرستادم
و انشاء اللہ کوشش ایں دوست خالی از اثر نیست سوم اینکہ عاوارم کہ یک قطعہ تصویر
خود را بسبب حالات خیریت مرحمت فرمایند حسب خواہش شما یک قطع تصویر خود را
بطور یادگار دوستانہ برائے شما فرستادیم و در باب خیالات مردم غرض جوئے اینکہ
البتہ مردم مخالف بدطینت لیل و نہار در نفاق دلہائے دوستان بہم کردن
محبت و دوستی دولتین اشتعالاً و طمعاً و طبعاً مدام کوشیدہ اند و میکوشند اما چوں
از جانبین مراتب صاف پاک بمثل شما صادق و قابل دوستان درمیان بودند گنجائش
تاختن زدن نیافتہ اند و نخواہند یافت و ثمرہ کوششہائے باطلانہ و کاذبانہ
اوشاں بجز حسرت و ناکامی و خجالت نادانی نخواہد شد ازیں خیالات صدق
مقالات شما کہ مبنی بر فوائد و منافع دولت بہیہ برطانیہ و دولت خداداد
افغانستان است بسیار خوش و ممنون شدیم و بعد ازیں امید خیالات خیر
دوستانہ از شما داریم۔ شما در ۱۸ء از کلکتہ ہیچ مراسلہ شما بحضور نرسید
و انا نہ ضرور جواب قوم میفرمودیم من بعد از حوالات صحتمندی و روزگار

خود نویسان باشند۔ کہ حوال خیریت مآل دوستان مدام دلبسل فرحت خاطر والا شدہ
جوابات آں از حضور ارسال فرمودہ خواہند شد۔ اختتام مراسلہ ہذا بانجیالات
محبت و آرزوئے عزت و صحتمندی آں دوست بمع دیگر دوستان مصنفان
رسائل خیر خواہانہ مرسولہ مذکور میفرمایم۔ تحریر یازدہم صفر المظفر ۱۳۱۱ھ
۴ اگست ۱۸۹۳ء۔ امیر عبدالرحمن امیر افغانستان دست خط کردم از برائے دوست
خود ڈاکٹر لیٹنر جواب خط دوستانہ او را فقط۔

ذیل میں امیر صاحب کے ایک خط کا ترجمہ انگریزی اخبار اسلامک ورلڈ سے
لیا جاتا ہے جو انہوں نے مسٹر عبداللہ کو ئیلم شیخ الاسلام جزایر انگلستان
کے خط کے جواب میں لکھا تھا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسٹر عبداللہ کوئیلم شیخ الاسلام انگلستان کی ایک خط

یہ خط آپکے سچے اور محبت کرنیوالے بھائی کیطرف سے بنام شیخ عبداللہ ڈبلیو کوئیلم
پیشوائے مسلمانان انگلنڈ و لیورپول اور اُسکے نواح کے مسلمانوں کے نام۔ خدا
آپ سب کے دلوں کو اسلام کے نور ہدایت اور اُسکی نعمتوں سے منور فرمائے۔ اِس واسطے
کہ نیک اور پرہیزگار بندوں کا پیغمبران علیہم السلام کے نزدیک بھی مذہب اسلام بہتر
و برتر ہے۔ اور خدا اپنے پیغمبر کے نائبوں کی طرح آپکو پاک روحانی ہدایت اور دین اور
دنیا کی کامیابی عطا فرماوے۔ آپکا نوازش نامہ جسکو کہ ہم نے نہایت ہی شوق سے
پڑھا اور جسکے مضمون نے ہمیں از حد محظوظ کیا۔ ۳ مئی ۱۸۹۴ء کو مطابق ۱۲ شوال
۱۳۱۱ھ کے صادر ہوا۔ الحمد للہ خدا کی رائے ہر صفی جسکا کلام شاہد ہے جاری ہوئی
جاء الحق و زہق الباطل ان الباطل کان زہوقا۔ یعنی حق ظاہر ہوا۔ باطل جاتا رہا
اور یہ کبھی عود نہ کریگا۔ پیغمبر صلعم آخر الزماں اور اُسکے نائبوں کا کامل سچا
اور تثلیث کا رد کرنیوالا مذہب روئے زمین پر روز افزوں ترقی پذیر ہے

بُت پرستی اور شرک کے تمام طریقے کمزور اور نیست و نابود ہوتے جاتے ہیں
اور کیوں ایسا نہ ہو اسلیئے کہ زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا بڑا زبردست
اور صاحب قوت ہے۔ اسنے اپنی عنایت خاص کی تجلی کا پرتو آپکے مردہ دلوں
میں ڈالدیا کہ آپ بشرف باسلام ہوئے۔ اور آپکو تثلیث کے گھر دا سے رستوں سے
نکالکر وحدانیت کے سیدھے اور صاف رستہ سے بمصداق آیۃ کریمہ۔ ان اللہ
یخرج الحیّ من المیّت ویخرج المیّت من الحیّ کے لگا دیا۔ چونکہ ایسی نعمت غیر مترقبہ کا حاصل
کرلینا صرف ایک ناچیز انسان کی کوشش سے کہیں ہو سکتا ہے بلکہ یہ محض خدا ہی کی
رحمت کا جسکا کوئی مانع نہیں جوش میں آجاتا ہے۔ اس واسطے ہم سبھوں کا شکریہ
اس خدا کے واسطے کبھی کافی وافی نہیں ہو سکتا۔ سچ ہے کہ نہ تو اس پاک
اور قادر مطلق خدا کو ہمارے اظہار اسلام کی تصدیق و وحدانیت کے لیے
کوئی حاجت اور نہ اُسے ہماری مدد کی کوئی ضرورت۔ کیونکہ وہ پاک اور
قادر مطلق ہے۔ ہم ہمارا یہ کام ہے کہ ہم اسکا شکریہ کریں تاکہ اسکی نعمتیں ہم پر
دن بدن زاید ہوں۔ ہم آپکی مسجد اور مدرسہ کا حال سُنکر نہایت ہی خوش ہوئے
اور اب ہم آپکے بڑے ممنون ہیں کہ آپنے ہمارے واسطے ہماری غیبت میں اس
مسجد میں عا مانگی۔ ہمارے پیغمبر کی اسباب میں ایک منجملہ حدیث ہے۔ کہ حاضر کی دعا
غائب کے واسطے بہت جلد پایۂ اجابت کو پہنچتی ہے۔ ہم آپکی دعا کو جو آپنے ہمارے
واسطے فرمائی ایک نعمت سمجھتے ہیں جسکے عوض میں ہم آپکے ممنون و شکور رہیں
ہم اس امر کے مقر ہیں کہ اُس شہنشاہ نے ہم کو اور مسلمانوں کی حفاظت ہوشیاری
اور خبر گیری کے واسطے امیر المومنین مقرر فرمایا ہے اسلیئے ہم جہانتک کہ ہمارے
امکان میں ہے آپکی مدد کرنے میں کبھی اور کسی وقت دریغ نہ کرینگے۔ ہم آپکی خیریت
نیز آپکے نئے مسلمانوں کی جماعت اور انکی خیریت اور ترقی اسلام کی خبر سے

ہمیشہ خوش ہونگے۔ ہم اس خط کو اسلام اور سچی خیر خواہی پر ختم کرتے ہیں
اُنپر جو صراط مستقیم کے متبع ہیں رحمت ہو جیو۔

دستخط امیر عبد الرحمن۔ ایک عاجز حامی اسلام باشندہ افغانستان اور بہائی مسلمانوں
کا دوست۔ بنیے خاص اپنے ہاتھ سے دستخط کیے۔

امیر صاحب کی معاملہ فہمی اور ضرورت کے وقت سوچ سمجھکر مانع جواب دینے
کی لیاقت کو تو گورنمنٹ ہند کا فارن آفس اور گورنمنٹ برطانیہ ہی خوب
جانتی ہوگی لیکن جب کبھی پولیٹیکل مشکلات کے سلجھانے سے وہ فارغ بھی ہوتے
ہیں تب بھی جواب ایسے ہی مانع لکھتے ہیں کہ انکی وسعت نظر پر تعجب
ہوتا ہے حال میں امیر صاحب نے دو انگریز سیاحوں کو جو بھسول رعیت افغانستان
کا سفر کرنا چاہتے تھے مندرجہ ذیل جواب بھیجا تھا:-

امیر صاحب کے جامع جواب کا ایک دلچسپ نمونہ

"بعد اظہار دوستی میں کہنا چاہتا ہوں کہ تمہاری چٹھی میرے پاس پہنچکر منکشف
حالات ہوئی لہذا میں اسکے جواب میں تحریر کرتا ہوں کہ اگر میں تمکو اجازت
دوں کہ افغانستان میں ہوکر براہ ہرات کابل میں میری ملاقات کو آؤ تو میں
خود کو چند پیچیدگیوں کا ذمہ وار کروں جنکا پڑنا ممکن ہے۔
اول یہ کہ میں ایک گارڈ مقرر کروں جو شب و روز تمہارے گرد رہے اور اس
گارڈ کو اس سفر عظیم میں سخت تکلیف ہوگی اور یہ کارروائی صرف اس غرض سے
لازم آئیگی تاکہ تم ملک کی کیفیت دیکھو۔
دوم۔ اگر میں نے تمہاری درخواست منظور کی تو میں تمہارے گارڈ کا اپنی رعایا کے لئے
ایک دروازہ کھولدوں جو راستہ پر رہتے ہیں۔ کیونکہ دیگر یوروپین سیاحوں
کے لئے یہ ایک نظیر ہوگی اور وہ کہیں گے۔ کہ جب اُن لوگوں نے بلا وجہ سفر
کیا تو ہمکو کیوں نہیں اجازت دیجاتی لہذا میں ایسی درخواست منظور کرنا

قرین مصلحت نہیں سمجھتا ہوں کیونکہ میرے گارڈ اور رعایا کو بمعاوضہ مصائب سفر کے کوئی فائدہ نہ پہونچے گا۔

سوم۔ اگر تمکو سڑک پر کوئی نقصان پہونچا اور تمہاری جان معرض ہلاکت میں پڑی تو ویسا ہی قصہ پیش آئیگا جیسا کہ مردہ بکری کے سونے کے سینگوں کا مشہور ہے۔ پس میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ ایسی کارروائی نہ کرنا چاہیئے جس سے ان سونے کے سینگوں کا ہونا کیا جائے۔

اگر تم میرے پاس انگلش پارلیمنٹ یا ویسرائے ہند کی چٹھی بھیجو گے جسمیں وہ تمکو اپنے دوستوں سے ملنے کی اجازت دیں تو میں تمکو براہ پشاور کابل میں آنے کی اجازت دیسکتا ہوں اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے ہو تو تم امید نہ کرو کہ تمکو یا کسی سیاح کو براہ ہرات کابل میں داخل ہونے کی اجازت دیجائے گی۔"

میرے خیال میں اگر لارڈ سالسبری صاحب وزیر اعظم انگلستان بجائے امیر صاحب کی جگہ ہوتے تو اس سے اچھا جواب نہ دیسکتے۔ سر ووسٹ بروک نے صحیح کہا ہے کہ امیر عبدالرحمن "زمانہ حال کے معدودے چند قابل آدمیوں سے ایک ہے" گو میرے خیال میں اس وقت سوائے سلطان عبدالحمید خان ثانی اور مکاڈو شاہ جاپان کے ایک شخص بھی انکے برابر پولیٹکل قابلیت کا کام نہیں کرتا ہے۔ امیر صاحب کے جتنے خطوط یا مراسلات ہوتے ہیں وہ بخلاف دوسرے سلاطین کے مراسلات کے صرف ایک شخص واحد کے دماغ کے نتیجہ ہوتے ہیں کہ جو ایسی باتوں میں نہ کسی وزیر کا محتاج ہے اور نہ کسی کونسل یا کیبنٹ کے مشورہ کا۔

باب دہم

بقیہ ذاتی عادات طبعی شمائل حالات و اصلاح حکومت

ایک معتبر شخص جو مدت تک کابل میں رہا ہے امیر صاحب کے شمائل اور بعض دیگر حالات کا ایک مجمل خاکہ اس طرح پر قلمبند کراتا ہے:-

بالا حصار اونچا ٹیلا ہے۔ اسلیئے ایک اور قلعہ (ارک) تعمیر کیا گیا ہے۔ اسکے باہر خندق ہے جسکا محیط ایک میل سے زیادہ ہوگا۔ اس ارک میں حرم سرائے امیر صاحب کی کوٹھی۔ صندوق خانہ (خزانہ) اصطبل لنگر اور کئی کوٹھیاں اور حمام وغیرہ ہیں۔ اسکے بیرونی دروازہ پر توپخانہ ہے۔ جہاں چار بجے سے چھ بجے تک نوبت اور انگریزی باجہ بجتا ہے۔ اسکے باہر خندق ہے۔ دروازہ مشرق رو یہ ہے۔ اسکی بیرونی فصیل کے اندر سلام خانہ یعنے مکان دربار عام ہے یہ بہت لمبا چوڑا مکان ہے۔ سقف نیچی ہے۔ اسی کے قریب دفتر ہیں۔ امیر صاحب ارک سے نکلکر سلام خانہ میں جاتے ہیں۔ جہاں دربار ہوتا ہے۔ شاغاس درباریوں کو لاکر درجہ بدرجہ ٹھہلاتا ہے۔ شاغاس کے ہاتھ میں چوب طلائی ہوتا ہے۔ پھر سلام کرنے والے کے پیچھے کھڑا ہوتا ہے۔ سلام جھک کر اور بازو دوسرے کرکے کیا جاتا ہے۔ جواب میں امیر صاحب اولے اعلے سے پوچھتے ہیں۔ شما جوڑ ہستید۔ "خوش ہستی وغیرہ"۔ پھر سلامی کہتا ہے "ہاں صاحب جور ہستم"۔ "سر شما را دعا میکنم" "تخت بخت قایم باد"۔ سلام خانہ کے دروازہ پر قابچی دربان اور پیش خدمت کھڑے ہوجاتے ہیں۔ دربار کی جانب پشت کرکے امیر مستقیبوں

امیر صاحب کا دربار

کی عرضداد سنتا ہے۔ مدعی پچیس قدم کے فاصلہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں پچاس پچاس آدمی جن کر عرض بیگی سامنے لاتا ہے اور ایک ایک کی عرضی پیش کرتا ہے۔ عرض بیگی دو ہوتے ہیں۔ ایک پشتو کی عرضیاں پیش کرتا ہے اور ایک فارسی کی۔ داد خواہ شور مچاتے ہیں اور فیصلہ امیر صاحب نے بانی سُنتے ہیں۔ کسی کو حاکم شرع کے پاس بھیجدیتے ہیں۔ کسی کو دفتر میں۔ اگر حاکم جلال آباد یا ترکستان نے ستایا ہو تو اُنکے نام فرمان جاری کر دیتے ہیں۔ شنبہ و چہار شنبہ کے دن یہہ دربار ہوتا ہے۔ جب عرضداد ہو چکتی ہے تو امیر صاحب درباریوں کیطرف مُنہ کرتا ہے۔ اُس وقت دسترخوان بچھایا جاتا ہے اور ہاتھ دُھلا کر کھانا چُنا جاتا ہے۔ دو دو پیالے شیریں اور ایک ایک نمکین حاضرین کو چائے ملتی ہے۔ بعض اوقات دو دو تین تین ہزار آدمی روٹی کھانیکو جمع ہو جاتے ہیں۔ یہانتک کہ سفید پوش مُلّاں بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ امیر صاحب کے سامنے دس غوریاں رکھی جاتی ہیں اور اپنے ہاتھ سے اچھے اچھے کھانے اپنے پاس والوں کو تقسیم کرتے ہیں۔ امیر صاحب اس بات کی بھی بڑے شایق ہیں کہ جسپر وہ بہت مہربان ہوں اُسے اپنے ہاتھ سے مشروبات دیا کرتے ہیں۔ طعام کے بعد موسمی میوہ تقسیم ہوتا ہے۔ ہر ایک کو ایک ایک قاب میوہ تر و خشک ملتا ہے۔ امیر کے پاس بیٹھنے والے اختلاط اور گپ شپ شروع کر دیتے ہیں۔ بچا ہوا کھانا غلام بچہ کھاتے ہیں۔ یہہ لوگ عام دربار میں نہیں آسکتے۔ تھوڑی دیر گپ شپ مار کر پھر امیر صاحب داد رسی میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور پانچ بجے تک مشغول رہتے ہیں۔ امیر صاحب شام کو شطرنج یا تختہ نرد کھیلتے ہیں کبھی پاس ایک تھیلی یا لنسور روپیہ کی شرط بندی کے لئے رکھی رہتی ہے اور کھیلنے والوں کو امیر صاحب حسب ضرورت کمر بند یا پیش قبض گر در کھنے پر روپیہ قرض

امیر صاحب عرضیاں کسطرح سنتے ہیں

امیر صاحب کا دسترخوان

ساعت بیتری کا سامان

باجہ کا شوق

دیتے ہیں۔ کبھی آپ کام میں مصروف رہتے ہیں اور کھیلنے والوں میں سے ایک کو بتلائے جاتے ہیں۔ امیر صاحب پیانو باجے کا بھی شوق رکھتے ہیں۔

لہ شہر کلکتہ کے سوداگران میسرز انڈیکو کے نائب مسٹر رچرڈ امیر کی فرمائش کے مطابق پیانو باجہ خود کابل لیکر گئے تھے۔ دو ماہ کے قیام کے بعد یہ کلکتہ واپس آ گئے۔ اکتوبر ۱۸۹۲ء میں ایک انگریزی اخبار کے رپورٹر نے ان سے ملاقات کی اور جو بات چیت ہوئی اسکا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"چونکہ ہمارے کارخانہ نے امیر صاحب کی فرمائش کے مطابق خاص نمونہ کا پیانو باجہ طیار کیا تھا۔ اس لیئے امیر نے درخواست کی کہ اسکے ہمراہ کارخانہ کا ایک نائب بھی آوے لہذا میں افغانستان جانا ہوا۔ امیر سے میری ہمیشہ ملاقات ہوتی تھی اور وہ مجھ سے نہایت مہربانی سے پیش آتے تھے۔ جولائی کے شروع میں دوپہر کو میں کابل پہونچا اور پہونچتے ہی امیر نے باجہ طلب کیا۔ انکا اشتیاق حد سے زیادہ تھا۔ مینے محل کے صحن میں فوراً پیانو بجانا شروع کیا۔ اور جب باجہ درستی سے لگا دیا گیا تو امیر صاحب نے مجھ سے فرمائش کی کہ اسکو بجاؤ امیر صاحب کو تو باجہ بجانا نہیں آتا تھا مگر درباری کچھ فارسی گیتیں نکال لیتے ہیں میں نے دو گیت تک بجا کر چلا آیا۔ تو امیر نے مس ہملٹن کو بلا کر پیانو بجانے کی فرمائش کی۔ اور انکو خوش ہوئے۔ مجھے امیر صاحب نے باجہ سکھلانے کی فرمائش کی۔ اور مینے کہا کہ جو کچھ مجھے آتا ہے اُسے خوشی سے سکھلا دونگا۔ مگر چونکہ اونہیں نقرس کے پرانے آزار سے تکلیف تھی اسلیئے مینے رائے دی کہ اپنی نشست کے پاس ایک چھوٹا سا پیانو رکھوائیے۔ کیونکہ کئی چھوٹے چھوٹے پیانو محل میں موجود تھے۔ مگر اُنہوں نے نہیں مانا اور نئے باجہ کو طلب کر کے کہا کہ نہیں میں برابر بیٹھوں گا۔ گو اس سے پہلے وہ کئی دن سے نہیں بیٹھے تھے۔ وہ اس نئے باجہ کو کابل تین گھنٹہ تک بجاتے رہے۔ اور مجھ سے اسکے متعلق ذرہ ذرہ سی باتیں پوچھتے رہے۔ ہماری گفتگو ایک منشی کی وساطت سے ہوتی تھی۔ بعد ازاں ایک مستری یا ترکھان کی انگوٹھیاں لایا۔ اور اُنہوں نے یہ میر منشی کو کہا کہ اول آپ پسند فرمائیے۔ امیر صاحب موسیقی کے بہت شایق تھے۔ ایک دفعہ مجھ سے کہنے لگے کہ جب میں دربار راولپنڈی میں ایک

امیر صاحب سر شام کر کھول دیتے ہیں۔ ورنہ دن بھر مسلح رہتے ہیں۔

ہونے کے لیئے گیا تھا تو وہاں فوجی باجہ میرے بہت پسند آیا اور میں نے بھی کابل کی فوج میں ویسے باجہ کو رواج دینا چاہا۔ مگر بینڈ ماسٹر کے نہ ملنے سے کام نہیں چلا آخر باجہ کی کتابیں فارسی میں ترجمہ کرا کر خود سیکھیں۔ اور پھر اپنے لوگوں کو سکھلائیں۔ امیر نے کہا کہ میں نے اپنے آدمیوں کو لکڑی کا سامان بنانا سکھلایا ہے۔ میں نے خود ایسا اسباب بنا ہوا دیکھا اور مجھے پہلے یقین تھا۔ کہ یہ ولایت کا بنا ہوا ہے۔ مگر میرا یہ خیال غلط نکلا۔ جہاں تک مجھے دیکھنے کا موقعہ ملا ہے امیر صاحب اپنے سے اونچے آدمی سے بھی ملتے ہیں۔ مجھے دربار عام کے کمرہ میں بہت دفعہ جانیکا اتفاق ہوا۔ یہاں دیکھنے میں آیا کہ امیر خود مقدمات سماعت کرتے ہیں اور انکا فیصلہ بھی خود ہی کرتے ہیں۔ افغانستان میں یورپین بغیر خطرہ کے سفر کر سکتے ہیں۔ جبتک میں کابل میں رہا۔ اکثر تنہا بعض اوقات بغیر چوبدار کے چاروں طرف پھرتا رہا۔ کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ گو میرے پہرہ کے لیئے سپاہی ہر وقت موجود رہتے تھے۔ مگر میں نے انہیں کبھی ساتھ نہیں لیا۔ اہل کابل نہایت مروت اور اتحاد سے پیش آئے۔

امیر صاحب معاملات تعلیم میں نہایت شوق رکھتے ہیں۔ وہ تعلیم کو سب کے لیئے لازمی قرار دینے والے ہیں۔ کیونکہ انہیں یقین ہے کہ تعلیم سے انکے ملک کی حالت سدھر جائیگی۔ دوسری رعایت کے معاملات میں بہت دلچسپی ظاہر کرتے ہیں چنانچہ کابل میں انہوں نے کئی مرتبہ زراعتی جلسے کرائے ہیں۔ سر سالٹر بائن کے زیر اہتمام صنعت و حرفت کے کئی کارخانے جاری ہو گئے ہیں صابن بنانے کا کارخانہ کھل گیا ہے۔ امیر کابل شراب بھی کھچواتے ہیں۔ ہاتھی دانت کی کابل میں طلب رہنے لگی ہے۔ غالباً ادویات کے استعمال کے لیئے۔ یورپین لوگوں کے ساتھ کابل میں کیسا اچھا سلوک ہوتا ہے۔ مسٹر کلیمنس امیر کے داروغہ اصطبل ہیں اور اس اصطبل میں پرنس آف ویلز کے اصطبل کی بھی نسل موجود ہے۔ ولایت کے گھوڑوں کو یہاں کی آب و ہوا موافق ہے۔ اور بہت عمدہ اور طیار ہیں۔ امیر کے خیاط مسٹر والٹر ہیں جنہوں نے فارسی میں

امیر صاحب کا لباس

پتلون اور روسی کرتے جو اکثر پہنتے ہیں۔ رات کو اُتار دیتے ہیں شام کے وقت ململ کی پگڑی یا اُزبکوں کیطرح سیاہ کلاہ پہن لیتے ہیں۔ کبھی کبھی طلائی کوٹ پہنتے ہیں پتلون کے نیچے شلوار رہتی ہے۔ سر پہ لنگی باندھتے ہیں۔ رسکٹ کی ایک جیب میں

امیر صاحب کا شوق

سینے اور قطع کرنے کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ امیر سٹرد الٹر کی بہت قدر کرتے ہیں مس ہملٹن کو وہاں کے قیام سے کوئی خطرہ نہیں معلوم ہوتا۔ وہ کابل کی سکونت کو پسند کرتی ہیں۔ اُنکی بڑی خواہش یہ ہے کہ افغان عورتوں کے علاج معالجہ کے لیئے کابل میں ایک شفاخانہ جاری کریں۔ کابل میں تین انگریزی لیڈیاں ہیں۔ ایک سالٹر صاحب کی میم۔ دوسری کلیمنس صاحب کی میم۔ اور انکی خادمہ مس ہملٹن انکے علاوہ ہیں۔ امیر بہت اچھے آقا ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اپنے ملک کو ترقی دیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کابل میں کوئی شخص تجارت کا بڑا کارخانہ کھولے تو وہ روپیہ بغیر سود بیشگی دینے کو آمادہ ہیں۔ مینے امیر صاحب کے کارخانجات دیکھے۔ فی الحقیقت بہت ترقی پر ہیں۔

۵ امیر صاحب لباس اکثر انگریزی وضع کا زیب بر کرتے ہیں۔ اور یورپین فیشن کو پسند کرتے ہیں۔ صبح شام کبھی کبھی دیسی لباس بھی پہنتے ہیں۔ اور اُسکے ساتھ سفید ململ کی پگڑی باندھتے ہیں۔ لیکن یورپین لباس کے ساتھ استرخانی ٹوپی پہنتے ہیں۔ امیر صاحب کے یورپین لباس پسند کرنے کے باعث کابل میں یورپین طرز پوشاک کو بہت ترقی ہوگئی ہے۔ اکثر رئیس اور بڑے بڑے لوگ بلا تکلف کوٹ پتلون پہنتے ہیں۔ عوام الناس میں بھی یورپین فیشن کا خیال پھیل گیا ہے۔ جب سے امیر صاحب نے یورپین درزی ہندوستان سے بلوا کر کابل کے درزیوں کو کاٹنے اور سینے کا کام اُن سے سکھلوایا ہے۔ تب سے جو درزی انگریزی فیشن کے اچھے کپڑے قطع کرتے ہیں اُن کا کام بہت پسند کیا جاتا ہے۔ علاوہ اسکے انگلستان و فرانس کے پرانے سول اور ملٹری کوٹ ہندوستان کی راہ سے کابل میں جاکر ہزار ہا روپیہ سالانہ کے بکتے ہیں۔

گھڑی اور ایک میں سلطنت کی مُہر ہوتی ہے۔ مُہر کے ساتھ ایک قبلہ نما بھی ہوتا ہے۔ فرش پر بوٹ اتار دیا کرتے ہیں۔ شب جمعرات کو آدھی رات تک بیٹھی کے گردا جے بجتے ہیں۔ اور سازندے گاتے ہیں۔ انکے ساز طاؤس وغیرہ ہوتے ہیں۔ اگر دربار کا دن نہ ہو تو امیر صاحب ایک بجے دوپہر کو بیدار ہوتے ہیں۔ مُنہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کر کے کاغذ دیکھنے شروع کرتے ہیں۔ تین بجے کہانا کھاتے ہیں۔ حرم سرائے ہر روز امیر صاحب کی روٹی پچاس آدمی کی تین بجے کے قریب آتی ہے۔ یہ خاص لوگوں کے لیئے ہوتی ہے۔ اور عام دسترخوان کے کھانے سے یہ تکلف ہوتی ہے۔ امیر کے دسترخوان پر چھاچھ اور دہی بھی ضرور ہوتی ہے۔ وائسرائے ہند کے نام جو امیر صاحب ڈاک لکھتے ہیں وہ بیرس سے لکھواتے ہیں۔ اور سنکر اُسپر مُہر لگا دیتے ہیں۔ فوج کا ریویو جس تیز گھوڑے پر آتا ہے۔ امیر صاحب اُس پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ انکے دیوان خاص میں وہ درباری چوکی پاتے ہیں جنکی تنخواہ چھ سو روپیہ ماہوار سے اوپر ہے۔ اور یہ دربار میں کرسیاں دینے کا دستور امیر صاحب نے مزار شریف سے واپس آکر جاری کیا ہے۔ علاوہ اسکے اب امیر صاحب نے عام دربار شروع کیا ہے۔ جسکے بند ہونے کا حکم نہیں کرتے۔ یہ خدمت سردار حبیب اللہ خان کے سپرد ہے۔ امیر صاحب بوستان میں جو سردار عمر خان فرزند عرضی قبول کے لیئے لغمہ کیا گیا ہے رہتے ہیں یہ لڑکا

روزمرہ امیر

تنبا کو کا استعمال

لہ امیر صاحب گو تمباکو کا حقہ پیتے ہیں۔ لیکن جب پیتے ہیں تو ترکی کے سگار پیتے ہیں۔ مگر شہزادہ حبیب اللہ خان اور شہزادہ نصر اللہ خان سگار پیتے ہیں۔ اور امیر صاحب کے چچا یوسف خان امریکہ کے بنے ہوئے تمباکو کے پان کھاتے ہیں۔ [illegible] کہ جو انکی صحت کے حق میں مضر ہے اور ڈاکٹر نے [illegible] اس الفاظ سے کی وہ [illegible] کہ تو معلوم ہوا کہ امیر صاحب [illegible]

بڑا ہونہار ہے اور امیر صاحب کا بڑا لاڈلا ہے۔

امیر صاحب بڑے فیاض ہیں۔ جسکو کوئی وزیرا میر پیش کردے اُسے انعام دیتے ہیں۔ ہندوستانی ہنرمندوں کی بھی قدرافزائی کرتے ہیں۔ حرم سرائے میں دو سو تیرے

مسجدوں کا خرچ

چوتھے مہینہ ایک دفعہ جاتے ہیں۔ اور دو تین شب قیام رکھتے ہیں۔ کابل شہر کی کل مسجدوں میں تیس روپیہ ماہوار اول درجہ کے ملاں کو۔ دس روپیہ درجہ دوم کے ملاں کو۔ اور چھ روپیہ موذن کو ملتا ہے۔ خرچ تیل اور آب گرم کا سب سرکاری ہے۔ امیر صاحب صرف عید کی نماز مسجد میں پڑھتے ہیں۔ لوگ ملانوں کو کچھ نہیں دیتے۔ باوجود ٹھیکہ شراب ہونیکے لوگ گھروں میں شراب بنا کر پیتے ہیں۔ کابل میں

دربار کا خطاب

سب سے بڑا خطاب دربار کا "علیجاہ" ہے۔ جس عورت کا خطاب "حشمت نشان" ہو صرف وہ ملکہ کے دسترخوان پر بیٹھکر کھانا کھا سکتی ہے۔ بادام کا ٹھیکہ امیر صاحب کا اپنا ہے

امیر صاحب کے نکتہ چین اُنپر سب سے بڑا الزام یہ لگاتے ہیں کہ وہ بڑے ظالم۔ سنگدل اور بے رحم ہیں۔ انسان کو سخت ترین سزا دینے اور جان سے مار ڈالنے کا حکم دینے کے وقت اُنکی طبیعت پر ذرہ میل نہیں آتا۔ ہندوستان کے انگریزی اخبارات نے وقتاً فوقتاً اور خصوصاً لارڈ رابرٹس کی مشن کے انکار کرنے کے وقت امیر صاحب کو جسقدر بُرا بھلا کہا ہے اور اُنکے ظلموں اور سختیوں کے واقعات کو روغن قاز ملکر پبلک کے پیش کیا ہے۔ اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ امیر عبدالرحمن ایسا سفاک اور ظالم بادشاہ ہے کہ چنگیز خاں[1] اور امیر تیمور کے سامنے طفل مکتب

[1] جس زمانہ میں سر مورٹیمر ڈیورینڈ کی کمشن کابل میں موجود تھی اور کابل کے حالات ہندوستان کے اخبارات میں چھاپ رہے تھے ایک اخبار نے یہ بھی لکھا تھا کہ امیر صاحب نے اپنے سونے کے کمرہ میں چنگیز خاں کی تصویر آویزاں کر رکھی ہے اور اُسکے ساتھ یاد دلایا گیا تھا کہ امیر عبدالرحمن خاں اس وسط ایشیا کے مہیب بیٹا کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔

تھے۔ میں نے اس وقت بھی "پیسہ اخبار" میں ان مبالغہ آمیز الزامات کی تردید اور امیر صاحب کی حالت مجبوری کا ذکر کیا ہے۔ اور اب چونکہ کسیقدر زیادہ مناسب موقعہ ہاتھ آیا ہے میں زیادہ تفصیل سے اپنی رائے ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ جسکا چھٹے باب کے اخیر میں بھی وعدہ کر چکا ہوں۔

امیر صاحب کی سختی اور ظلم کے الزامات کی تردید۔

جس قدر حالات امیر صاحب کے سخت سزائیں دینے کے مختلف وسائل سے معلوم ہوئے ہیں اُنہوں نے کوئی شبہہ نہیں چھوڑا کہ وہ سزائیں عموماً سخت دیتے ہیں۔ اور اس طرح بڑے ظالم اور ستم گر مشہور ہو گئے ہیں۔ بتلایا جاتا ہے کہ رحم اور شفقت نے اُنکے سینہ میں ذرہ بھر جگہہ نہیں پائی۔ مگر یہ باتیں صحیح نہیں۔ اسمیں کلام نہیں کہ امیر کی فطرت نے بابر کی طرح اسقدر پلٹے کہائے ہیں کہ اُسنے اُسے پختہ مغز اور تجربہ کار بنا دیا ہے۔ طبعاً وہ مستقل مزاج اور اپنے ارادہ پر قادر رہی۔ اور جس کام کو وہ کرنا پسند کرتا ہے ایک ہی دفعہ ہمیشہ کے لیئے اُسکا فیصلہ کر دینا چاہتا ہے وہ خود اُن قابلیتوں کے ساتھ ایک پکا افغان ہے۔ اور جاہل ضدی سرکش اور شورہ پشت جنگجو افغانوں کے ساتھ اُسے واسطہ پڑا ہے۔ ان سب باتوں کے جمع ہو جانے سے وہ نتائج پیدا ہوئے ہیں کہ جنکو لوگ امیر کے ظلم و ستم سے منسوب کرتے ہیں ورنہ امیر عبدالرحمن خاں نے اپنی پرائیوٹ زندگی کے کئی واقعات سے ثابت کر دیا ہے کہ اُسکی طبیعت میں شفقت محبت اور رحم بھی موجود ہے۔ گو ان صفات کو عمل میں آنیکا کم موقع ملتا ہے۔ تاہم نادر شاہ کی طرح امیر عبدالرحمن نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اندھا نہیں کرا دیا۔ نہ نپولئین بوناپارٹ کی طرح اپنی فوج کے ایک بہت بڑے حصہ کو اپنے سامنے مروا ڈالا کہ فوج ضرورت سے زیادہ تھی۔ بلکہ چنگیز خاں یا امیر تیمور نے جس جہانسوزی اور غارت گری سے یہ نام پایا ہے اس قسم کے واقعات امیر عبدالرحمن خاں کو پیش ہی نہیں آئے۔ اسنے ایک سلطنت کو مستقل کرنے اور ایک قوم کو

رام بنانے کے لئے بیشک سختی کا برتاؤ کیا ہے جو مدت سے غیر مستقل اور سرکش رہنے کے عادی ہوگئے تھے اور اسلئے اُسے ضرورت سے زیادہ سختی کا برتاؤ کرنا پڑا۔

تاریخ افغانستان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر عبدالرحمن خاں نے شاہ زماں سدوزی کی طرح افغانوں کو سختی سے زیر کرنا چاہا ہے کہ آئے دن بغاوتیں کرنے کا انہیں حوصلہ ہی نہ رہے مگر ساتھ ہی اسکے باپ تیمور شاہ کی نرمی اور اسکے دادا احمد شاہ کا تدبر بھی اسکی ذات میں جمع ہے جو سزائیں تعزیرات ہند کے مطابق ہندوستان کی انگریزی رعایا کو دیجاتی ہیں یہ بیشک زیادہ شائستہ اور کم ہولناک ہیں۔ لیکن بدمعاشوں کی نظر میں یہ بجائے جرم کو کم کرنیکے یہ جرم کو بڑھانی میں موثر ہیں۔ مگر اسپر بھی ہندوستان اور افغانستان کی رعایا کو یکساں سمجھکر دونوں کی اصلاح کے لیے یکساں وسائل عمل میں لانا صریح غلطی ہے افغان پتھروں کی سرزمین میں رہتے ہیں۔ اور اسمیں شک نہیں کہ انہیں طبیعتیں اور مزاجیں بھی ایسی ہی پتھریلی دیگئی ہیں۔ اس لیئے امیر عبدالرحمن خاں کو انہیں قابل عبرت سزائیں دینی پڑیں۔ امیر عبدالرحمن خاں کا عزم اور استقلال قوت فیصلہ اور ارادہ کی مضبوطی اسی بات کی مقتضی تھیں کہ وہ افغانستان ایسے ہر وقت ڈگمگانے والے تخت کو مستقل بنیاد پر نصب کرتے۔ انکے ملک کی تاریخ سے انہیں یہی سبق ملا اور ہر شخص جو افغانستان کی دو تین گذشتہ صدیوں کی تاریخ کا غور سے مطالعہ کریگا وہ اُس سے ایسا ہی نتیجہ نکالیگا۔ احمد شاہ ابدالی نے سختی کے ساتھ اتنی وسیع سلطنت میں اپنا رعب قایم رکھا ہوا تھا کہ اسکے بیٹے تیمور کے نرمی سے سلطنت میں جابجا بغاوت شروع ہوگئی۔ افغانوں کے خیال کے مطابق بادشاہ کی رحمدلی اور نرمی کا مطلب یہ ہے کہ وہ مضبوطی سے

حکومت کرنے کے قابل نہیں ہی۔ اور جو ہیں کہ رعایا کو اس بات کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔ قوموں کے سرکش سردار خود سری دکھلانے کے لیئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اگر انہیں سخت سرزنش نہ کیجاوے تو وہ تخت کو نئے نئے عویدار کی اوٹ میں بادشاہ کو چین نہیں لینے دیتے۔ امیر صاحب نے ہر موقعہ کی بغاوت کو سختی کے ساتھ فرو کیا ہے۔ اور ہر مجرم کو نہایت سنگدلی کے ساتھ سزا دی ہی۔ یہانتک کہ بارہا ہم لوگوں کی زبان سے بے تحاشا خوفناک کلمات ایسی وحشیانہ سزاؤں کو سُنکر نکل گئے ہیں۔ مگر زیادہ غور اور فکر کے بعد قائل ہونا پڑا ہے کہ سخت افغانستان کی حفاظت اور افغانوں کی سرسبزی اور بہتری کے لیئے یہی سزائیں ضروری تھیں۔ دانشمند طبیب خوب جانتا ہی کہ اگر ایک نازک مزاج آرام طلب لکھنؤ کے امیرزادہ کو ایک تولہ گلقند دیجئی ہی تو اُسی مطلب کے لیئے ایک پنجابی دیہاتی جفاکش جاٹ کو ایک تولہ جمال گوٹہ دینا پڑیگا۔ ع

بہ ہیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اس بیان سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ میں ایسی سخت اور خوفناک سزاؤں کو پسند کرتا ہوں کہ جو وقتاً فوقتاً ہندوستان کے اخبارات میں امیر صاحب سے منسوب کیگئی ہیں۔ بلکہ میں انہیں وحشیانہ سزائیں قرار دیتا ہوں لیکن یہ جہاں افغانوں کے مزاج کے کسیقدر موافق ہیں ساتھ ہی افغانستان کے طریقہ حکومت کے لیئے موزون ہیں[1]۔

[1] جون ۱۸۹۲ء میں ایک اخبار کے ایک نامہ نگار نے امیر صاحب کے ڈیفنس میں لکھا تھا کہ امیر عبدالرحمٰن خاں سب کو سزا ہی نہیں دیتے ہیں بلکہ جنکو سزا دیجاتی ہے پھر اگر انکو معاف کیا جاتا ہے تو انکے تئیں بڑی عالی حوصلگی سے سلوک کرتے ہیں جیسا کہ میر محمد حسین خاں مستوفی و میر احمد شاہ ضابط وغیرہ کے ساتھ عمل ہوا اور بادشاہان مشرق کا

امیر صاحب کی سخت سزائیں دینے کا جواب

امیر صاحب نے خود اسقدر قتل کی سزائیں دینے کی وجہ ایک شخص سے یہ بیان کی تھی کہ جبکہ بادشاہ کا فرض ہے کہ رعایا کو جرم سے بچاوے لیکن یہ کام کوئی بادشاہ اپنی ساری عمر بھر میں بھی کبھی نہیں کر سکتا۔ اور نہ کوئی قانون لوگوں کو ارتکاب جرم سے روک سکتا ہے اسلیئے میں نے سزائے قتل میں یہ اثر دیکھا ہے کہ نہ مجرم کو ہی آئندہ کے لیئے ارتکاب جرم سے روک دیتی ہے۔ بلکہ دوسروں کو بھی اسکی مثال سے عبرت پیدا ہوتی ہے۔

امیر صاحب کی سخت گیری کی وجہ

یہی قاعدہ ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ ہمیں امیر عبدالرحمن خاں کی شکایت بیجا ہے۔ امیر عبدالرحمن خاں کمال درجہ کے رعیت پرور رہیں۔ ان دنوں کابل کی رعایا کو جو آرام چوروں قزاقوں۔ رہزنوں عہدہ داروں کے ظلم اور غارت گری سے ہوا ہے وہ اس ملک کی رعیت کے لیئے کبھی کسی امیر کے زمانے میں حاصل نہیں ہوا۔ جنہوں نے پچھلے زمانے کے ظلم اور جبر اوٹھائے ہوئے ہیں انسے پوچھنا چاہیئے کہ امیر عبدالرحمن خاں کا زمانہ امارت کیسے آرام و آسایش کا ہے۔ امیر کسی رعیت کو کبھی بے ثبوت جرم سزا نہیں دیتے اور مجرم کو اس خیال سے سخت سزا دیتے ہیں کہ ہر کسکو حوصلہ جرم کرنیکا نہ ہو۔ اس سے پورا پورا رعب امیر کا بد معاشوں اور ظالموں اور جرائم پیشہ لوگوں کے دلوں پر چھایا ہوا ہے۔ جس کام کی وہ ممانعت کرتے ہیں اگر کوئی اس جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اسکو بے تامل سزا دیتے ہیں۔ ان دنوں پولیس کا انتظام ایسا اچھا ہے کہ چور اور قزاق اسملک میں نام کو نہیں رہے ہے پہلے امیروں کے زمانہ میں کوئی دو میل شہر سے باہر تنہا نہ جا سکتا تھا۔ اب تمام ملک میں سونا اچھالتا پھرے تو کوئی نظر بھر کے نہیں دیکھتا۔ پچھلے زمانے میں فوجی سپاہی دوکانداروں کو تنگ کرتے تھے ہر شے مفت لیتے اور کچھ دام نہ دیتے تھے۔ اب کسی سپاہی کی یہ مجال نہیں کہ دمڑی کی چیز کسی دوکاندار سے بہ جبر لے یا کوئی شے پڑی گری زمین سے اوٹھالے چنانچہ ایک رومال کیسکا جسمیں پیسے بندھے تھے مدت کے متصل گر پڑا کسی نے نہ چھوا جب فوج کا گذر ادھر ہوا تو دوکاندار نے اطلاع کی تو اس نے اٹھا کر کوتوالی پہنچا دیا۔ امیر نے ظلم کی بنیاد کو اکھاڑ کے پھینکدیا۔ پس بقا بالامن و آسایش

امیر صاحب کی سوانح سے ہمیں اس قابل کر دیا ہے کہ ہم اس سے
انکے سخت سزا دینے کے طریقہ کے نتائج پر غور کر سکیں۔ سب سے بڑی بات جو امیر
کبیر دوست محمد خاں کی اولاد میں کسی حکمران کو نصیب نہیں ہوئی یہ ہے کہ افغانستان
کا تخت اب بالکل محفوظ اور کافی طور سے مستحکم ہے۔ بیرونی حملوں کے قطع نظر کیونکہ
حالات موجودہ کے مطابق انکا کسی طرف سے اندیشہ نہیں) اندرونی شورشیں
جیسی اس وقت بند ہیں کبھی افغانستان میں بند نہیں ہوئی تھیں۔ امیر کے
خاندان کے کسی شخص یا انکے صاحبزادوں سے ایسا خیال ایسا ہی غیر متوقع
ہے جیسا کہ ملک کے کسی زبردست قوم کے سرغنہ سے ہے۔ دوسرا فائدہ اس
سخت گیری سے یہ حاصل ہوا ہے کہ افغانستان میں جرم کی تعداد بمقابلہ ہندوستان
یا دیگر مہذب ممالک کے بہت کم ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ چند سال میں ہندوستان
میں مقدمات فوجداری و دیوانی کی تعداد کس سرعت سے بڑھ گئی ہے۔
ہر ایک ضلع اور اسکے ماتحت تحصیلوں میں کتنے کتنے مجسٹریٹ ہیں۔ اور انمیں سے
ہر ایک ہر روز کتنے مقدمات فیصل کرتا ہے۔ تاہم کام پورا نہیں ہوتا۔ چیفکورٹ
میں دو سال کی تاریخ پیشی پڑتی ہے۔ لیکن افغانستان میں امیر خود عدالت
ابتدائی اور خود ہی عدالت اپیل ہے۔ انکے سوائے صرف صوبجات کے گورنر اور
بڑے بڑے مقامات میں قاضی فیصلے کر دیتے ہیں۔ یہ مانا کہ سب کارروائی
زبانی ہوتی ہے۔ لیکن اگر ہندوستان کے برابر مقدمات کی اوسط ہو تو سینکڑوں
عدالتیں امیر صاحب کو بھی رکھنی پڑیں۔ امیر صاحب کی سختگیری کی وجہ سے
دیوانی اور مال کے صرف سچے مقدمات پیش ہوتے ہیں وہ بھی بے غرض نویسوں
اور وکیلوں کی زہر آلود رائے سے پاک ہوتے ہیں۔ فوجداری اس سے
بھی کم ہوتے ہیں کیونکہ سخت سزا طبعاً جرم کی مقدار کم کر دیتی ہے مثلاً

افغانستان میں مقدار جرم کی

ایک قصہ سنا گیا تھا کہ ایک شخص نے افغانستان کے ایک راستہ پر روپیوں کی تھیلی پڑی پائی۔ وہ اٹھا کر امیر صاحب کے پاس لے آیا۔ اسے امید تھی کہ امیر صاحب میری دیانت پر خوش ہونگے۔ مگر امیر نے اس سے دریافت کیا کہ کس ہاتھ سے اس نے تھیلی اوٹھائی تھی۔ جب اس نے دایاں ہاتھ بتلایا تو امیر نے اسکے کاٹ دینے کا حکم دیدیا۔ اور ساتھ ہی کہا کہ اگر تم اس تھیلی کو راستہ ہی میں پڑا رہنے دیتے تو شاید اسکا مالک ڈھونڈتا ہوا ادھر سے گذرتا اور اسے اوٹھا لیجاتا۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے اور غالباً صحیح ہوگا تو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ افغانستان میں چوری کسقدر کم ہوگئی ہے۔

راستہ میں پڑی ہوئی چیز کو کوئی نہ اوٹھائے

مگر اس سخت گیری اور شدید عقوبات کا جو امیر صاحب کی پیشگاہ سے عام طور پر رہزنوں ڈاکوؤں اور قاتلوں سے مرعی رکھی گئی ہیں نہایت عمدہ نتیجہ نکلا ہے جسنے آج افغانستان کو پندرہ بیس سال گذشتہ کے افغانستان سے امن اور آسایش کے رستہ میں بہت فاصلہ آگے بڑھا دیا ہے۔ آج افغانستان کے رہنے والے قافلوں اور ڈاکوؤں سے بہت کچھ پاک و صاف ہوگئے ہیں۔ ذیل کی مثالوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سابقہ اور حال کے افغانستان میں اس پہلو میں کسقدر فرق ہوگیا ہے۔

افغانستان کے ایک راستہ پر ایک مسافر گذر رہا ہے۔ ایک شخص نے کچھ دور سے فرض کرو کہ ایک پہاڑی کی چوٹی سے اسے دیکھا۔ اسکے ذہن میں فوراً سما گیا کہ مسافر کوئی مالدار آدمی ہے۔ غالباً ہندو ہے جو پاس کے گاؤں سے کچھ قرضہ وصول کرکے لا رہا ہے۔ یا شاید اسکے بقچہ میں جو ٹٹو پر ڈالے جا رہا ہے چاندی سونے کے زیورات ہونگے۔ فوراً بندوق میں گولی ڈالکر بدنصیب مسافر کو نشانہ بنا لیتا ہے وہ کمبخت گر گیا۔ قاتل نے پاس جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ چاندی سونا تو کچھ نہیں البتہ ایک ہندوانہ تھا جسنے اسکو دھوکا دیا۔ اور اپنے ایک خزیر کے بار و مٹایع جو لیجا

زمانہ سابق میں افغانستان کی دو تصویریں

افسوس کرتا ہوا واپس چلا گیا۔ ایک دوسرا مسافر جو بہت غریب اور شکستہ حال ہی کسی دوسرے راستہ پر جا رہا ہی۔ اسکے پیچھے کمین گاہ سے ایک اور شخص نمودار ہوگیا۔ اور پھرتی سے لپک کر تلوار کے ایک وار میں مسافر کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اسکو بھی پیچھے اپنی غلطی معلوم ہوئی۔ جبکہ مقتول کے کپڑے ایسے دریدہ نکلے اور سوائے دو روٹیوں کے اسکے پلّے سے اور کچھ برآمد نہ ہوا۔ یہ وقعات سابقہ افغانستان کے ہیں۔ ممکن ہی کہ ان پر مبالغہ کا رنگ زیادہ چڑھ گیا ہو۔ تاہم اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جس ملک میں انسان کی جان کی قدر اسقدر کم تھی۔ اب انکی نسبت انگریز مسافر شہادت دیتے ہیں کہ جب وہ سفر میں رات کی تاریکی میں ساتھیوں سے الگ ہوگئے ہیں تو افغانوں نے انہیں مدد دی ہے۔ اور یہ سب تغیر امیر عبدالرحمن خاں کی اُس سختی کا نتیجہ ہے جو وہ مجرموں ہی برتاکرتے ہیں۔ پھانسی یا قتل تو معمولی باتیں ہیں۔ لیکن رات کے وقت لوگوں کا گھروں سے غائب ہوجانا یا جیلخانہ میں گلا گھونٹ کر مارا جانا یا فاقوں سے مارنا بھی انکی سزائیں ہیں۔ ڈاکٹر گرے جو امیر صاحب کا ملازم رہچکا ہے جیلخانہ میں گلا گھونٹ کر مارے کی سزا کی نسبت حسب ذیل کیفیت لکھتا ہی۔

گلا گھونٹ کر مارڈالنے کی سزا

"امیر صاحب نے میری حفاظت کے لیے جو گارڈ مقرر کیا ہوا تھا انمیں سے ایک سپاہی کا یہ کام تھا کہ جب میں گھر پہونچتا تو میری سواری کے بوٹ اتارتا اور جب میں

لہ جمرود سے لال پور تک انگریزی اسکورٹ مسافروں کی حفاظت کیلئے دیا جاتا ہی اور جبتک قافلہ اکٹھا نہو جاوے کوئی شخص جانیکی جرات نہیں کرسکتا۔ پہلیے ہفتہ میں دو سے زیادہ قافلے یعنی امیر جمعرات کے سوائے نہیں جاتے۔ لیکن جب لال پور میں قافلہ پہونچ جاتا ہی اور حفاظت کے ذمہ دار امیر صاحب ہوجاتے ہیں تو اس وقت کسی اسکورٹ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور نہ قافلہ کی جماعت بچاتی ہی۔ ہر مسافر اکیلا دکیلا جہاں چاہی چلا جاتا ہی اور یہ امن اُسی سختی کا نتیجہ ہی جو امیر صاحب سے اُنکے نکتہ چین منسوب کرتے ہیں۔

بستر پر لیٹ جاتا تو یہ چراغ گل کر دیا کرتا تھا۔ یہہ خوبصورت اور قد آور آدمی تہا مگر اسکی آنکھوں میں ایک عجیب بھیانک نظر موجود تہی۔ مینے دریافت کیا کہ میرے گہر کی حفاظت کے سوا یہہ شخص اور کیا کام کرتا ہے۔ تو مجھے بتلایا گیا کہ کیا تمنے کبھی خیال نہیں کیا کہ بعض بعض راتوں کو کوئی دوسرا شخص اسکی جگہہ کام کرتا ہے۔ مینے اس بات کو پہلے بھی تاڑا تھا۔ تب مجھے اطلاع دیگئی کہ یہ شخص سرکاری جلاد ہے اور اسکا کام یہہ ہے کہ جیلخانہ میں بعض آدمیوں کا گلا گھونٹ کر مار دیا کرے۔ بدفسمت قیدی کو کہا جاتا ہے کہ آج رات تم ایک الگ کمرے میں سو رہو۔ جب وہ سو جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ایک اور شخص بھی وہاں موجود ہے۔ جب وہ سو جاتا ہے تو دوسرا شخص یعنے میرا دوست سونے والے کی گردن کے گرد آہستہ سے ایک پھانسی کی گرہ کسکر دفعتاً اسکو گھونٹ دیتا ہے اور جھٹ سے اپنے شکار کے سینہ پر سوار ہو کر سارا زور اُسپر ڈالکر دلپر خوب ضربیں لگاتا ہے۔"

یہی مصنف ایک دوسری جگہ لکھتا ہے کہ نائب میر سلطان جو بڑا ظالم آدمی تھا جسکو امیر صاحب نے بعد میں پھانسی بھی دلادی کئی طرح لوگوں کو خفیہ مروا دیا کرتا تہا ایک اسکا یہہ بھی طریق تہا کہ شام کی تاریکی کے بعد لوگوں کو گہروں سے منگوا کر مروا دیتا۔ مثلاً آدھی رات کے پس و پیش کسی شخص کے دروازہ پر دستک پڑی ہے جب اُسنے باہر نکلکر دیکھا تو دو تین شخصوں نے جو پولیس کی وردی پہنے کہڑے تہے اُسے بتلایا کہ امیر صاحب نے اُسے یاد کیا ہے۔ چونکہ امیر صاحب اکثر رات کو بہت دیر تک بیٹھکر کام کرتے ہیں۔ وہ بیچارہ جھٹ پٹ کپڑے پہن اُنکے ہمراہ روانہ ہو جاتا ہے پھر دوسرے تیسرے روز اُسکا سر کہیں سے اور تن کہیں سے پڑا پایا جاتا ہے اسکی بیوی امیر صاحب کی خدمت میں فریاد کرتی ہے کہ میرے شوہر کو آپنے بلایا تہا۔ امیر صاحب انکار کرتے ہیں۔ اور آخر نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ یہ مقتول کسی

آدھی رات کو امیر صاحب نے یاد کیا ہے

ذاتی دشمن کا کام ہے۔ ساتھ ہی اس قصہ کا ناقل کہتا ہی کہ اس واقعہ کے مینے اور بہی بیانات سُنے ہیں۔ یعنی یہہ کہ امیر صاحب ہی کے حکم سے اسطرح بہی لوگ قتل کیئے جاتے ہیں اور جن لوگوں کے روبرو امیر صاحب کو شک ہوتا ہی اُنکا اس طرح قصہ پاک کردیتے ہیں۔ مگر اسپر اعتراض وارد ہوسکتا ہی کہ جبکہ امیر صاحب کو روز روشن میں کوئی اُس شخص کے قتل سے روک نہیں سکتا تو وہ رات کو خفیہ کیوں ایسا کرنے لگے تہے۔ اور دراصل یہی بات صحیح بہی ہی۔[1]

مسجد سے جوتے چرانے کے جرم میں آنکھیں نکلوادیں۔

ایکدفعہ مجھے ایک کابلی نے سنایا تھا کہ ایک کمبخت مسجد کی جوتیاں چرا رہا ہوا پکڑا گیا۔ امیر صاحب نے اُسکی دونوں آنکھیں اس جرم کی سزا میں نکلوادیں۔ اور ایک جوڑہ جوتیوں کا جو اُسنے چورایا تہا ڈوری باندھکر اُسکے کندہوں سے نیچے لٹکا یا گیا اور بایں ہیئت اُسکو شہر میں پہرایا گیا جبکہ اُسکی ماں بہی اُسکے ہمراہ تہی۔ آہ کیسا دردناک اور دلگداز نظارہ ہوگا۔ مگر امیر صاحب نے اسکو عبرتناک سزا سمجہا تہا۔ اور یقیناً اُس سے یہ مطلب حاصل ہوا ہوگا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی جنٹ میں کچہ فتور ہوگیا۔ اسپر چہہ سو سپاہیوں کی آنکہوں میں چونہ

---

[1] ایک بار سبی شتلیں نے جو امیر صاحب کی خدمت میں کچہ عرصہ تک رہچکا ہی اس گل کہونٹنے کی سزا کے متعلق مجہے یقین دلایا کہ یہ سب کام نائب میر سلطان کا ہوتا تہا۔ امیر صاحب کو اسکا بہت بڑا اعتماد تہا اور وہ ظالم لوگوں سے زبردستی روپیہ پیسہ لینے کے لیئے ان بیچاروں کو بڑی بیرحمی سے اسطرح مروڑ دیا کرتا تہا۔ اسکی پاس ایک کتاب بہی تہی جسمیں یہ خفیہ پروانے لکہکر اور لاکہ سے سربمہر کرکے امیر صاحب کی خدمت میں بہیجا کرتا تہا۔ امیر صاحب شام کو جب سونے کے کمرہ میں جاتے تو اُسکی مہر توڑکر پڑہتے اور اُسپر حکم لکہتے اور پہر اُسی طرح لاکہ سے سربمہر کرکے نائب میر سلطان کے پاس بہیجدیتے۔ مثلاً اسمیں کسی شخص کی نسبت مخبری ہوتی کہ فلاں شخص کے پاس فلاں مفرور کا روپیہ امانت ہی تو امیر صاحب اسپر حکم لکہتے کہ اس سے وصول کرلو۔ اور اُسے ملک سے خارج کردو۔ یہ شخص روپیہ وصول کرکے اُسکو ایسی سرحد سے مروادیتا تاکہ روپیہ کی مقدار کا کسیکو علم نہ ہو اور امیر صاحب کو تہوڑا سا روپیہ یکبارگی آپ دیدیتا۔

بہروا دیا گیا۔ ایک اور شخص جس نے کسی دوسرے کو زنانہ میں داخل ہونیکا ارادہ کیا تھا اُسکے بدن کی کھال اوتار ڈالی گئی۔

قزاق کو نیزے کا سزا

ایک مرتبہ امیر صاحب نے کوہ تاشبند کے قزاقوں کو گرفتار کیا اور اُنسے پوچھا کہ وہ اس مذموم کام کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ اُنہوں نے کہا کہ پیٹ بڑا ظالم ہے۔ امیر صاحب نے کہا کہ تم کو دس دس روپے ماہوار سرکار سے وظیفہ ملجائیگا۔ اگر یہ کام چھوڑ دو۔ سب نے منظور کیا۔ مگر انمیں سے ایک نے کہا کہ امیر صاحب مجھسے تو یہ عادت مرتے دم تک نہیں چھوٹیگی امیر صاحب نے خفا ہوکر عبرت کے لیئے اُسکو ایک بڑی سے چوبی پنجرے میں بند کرکے خبری کو لکڑی کے بہت بلند بلّے کے سرے پر نصب کر دیا۔ اور وہ بے آب و دانہ چند روز میں بڑے عذاب سے اُسی معلق حالت میں مر گیا۔ وہیں اُسکا گوشت ہی سڑ گیا۔ اوپر پانی نے ہڈیوں کو صاف کر دیا۔ لیکن ابھی تک وہ ہڈیاں اُسی پنجرے میں آویزاں ہیں۔ اور جبتک کہ وہ بلّی خود بخود نہ گر جائے وہ عبرتناک پنجرہ وہیں کھڑا رہیگا۔

دو پیسے کا چمڑا اپنے کان سے چرانے پر تہ تیغ کیا گیا۔

ایک شخص نے صرف دو پیسے کا چمڑا ایک دکان سے چرا کر قرآن شریف میں رکھ لیا تھا اُسکو پہلے تو پھانسی کی سزا کا حکم ہوا۔ مگر ایک یورپین کی بڑی کوشش اور سفارش سے صرف اُسکا ایک ہاتھ کاٹنے پر اکتفا کیا گیا۔

روسی امدنیشہ کا علاج

ایک دفعہ ایک بدنصیب سردار نے بخیال خیر خواہی امیر صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ روسی قریب آرہے ہیں۔ ایک شریف آدمی نے جو اُس وقت امیر صاحب کی خدمت میں حاضر تھا مجھے یقین دلایا کہ اُس وقت امیر صاحب بہت خوش بیٹھے ہوئے تھے اور ہنستے ہنستے امیر صاحب نے اُسے حکم دیا کہ ہاں ایک بلند درخت پر چڑھکر دیکھو کتنی دور ہیں۔ اور جب وہ اجل رسیدہ درخت پر چڑھ گیا تو نیچے پہرہ مقرر کر دیا کہ جبتک روسی نہ دکھلاوے اُسے نیچے نہ اترنے دو۔ بلکہ یہ اوپر ہی بیٹھا ہوا روسیوں کو تاکا کرے چنانچہ وہ تھک کر اور ڈری ہی اکڑ کر درخت سے گرا اور مر گیا یقین ہے کہ

اس سے مؤثر علاج روسی اندیشہ کو افغانوں کے دلوں سے قطعاً دور کردینے کا دوسرا نہیں ہوگا۔ اور اسی لیئے امیر صاحب کو اس شخص کے عبرتناک مثال قایم کرنے میں تامل نہ ہوا۔ امیر صاحب کی طبیعت کی یہہ بھی ایک خصوصیت ہی کہ جب وہ بات کرتے ہوں تو کوئی اُنمیں دخل نہیں دیسکتا۔ اور غالباً اُس شخص سے اسی قسم کا قصور سرزد ہوا تہا۔

امیر صاحب نے افغانستان کے تخت پر بیٹھنے کے بعد اسمیں کلام نہیں کہ جن ہزاروں بندگان خدا کو جائز ناجائز طور پر قتل کیا ہے۔ اُنمیں زیادہ تر وہ لوگ تھے کہ جنپر امیر صاحب کو کسی نہ کسی قسم کا شبہہ یا یقین بغاوت یا سرکشی کا تہا۔ افغانستان کے بہت بڑے بڑے سردار کچھ تو ہندوستان میں انگریزی وظیفہ پر آپڑے اور کچھ امیر صاحب کی ناراضگی سے جانبر نہ ہوسکے۔ ایک مرتبہ ایک قفقاز افغان سردار نے افسوس اور حسرت کے ساتھ ذکر کیا تھا کہ امیر صاحب نے بیشک بڑی بڑے سربرآوردہ افغانوں کو مار کر اپنے تخت کو محفوظ کر لیا ہے۔ لیکن یہ انکی حیات تک ہی ایسا مضبوط رہیگا۔ اور اُس نے جو وجہ اپنے اس بیان کی بتلائی تہی وہ ہر ایک اہل الرائے کے غور کے قابل ہے۔ اس بوڑہے سردار نے بیان کیا کہ افغانستان میں سب سے بڑی خوبی کہ جسکی وجہ سے بڑی بڑی سلطنتیں اس چھوٹے سے ملک کی قدر کرتی ہیں یہ ہے کہ قوم افغان کسی غیر قوم کو اپنا بادشاہ بنانا منظور نہیں کرتی۔ وہ چاہتی ہے کہ اسکا بادشاہ ضرور اُسکا ہمقوم ہو۔ لیکن جس طرح امیر عبدالرحمٰن خاں نے افغانوں پر سختی کی ہے۔ اور قوم کے سربرآوردہ آدمی چنوا چنوا کر مروا ڈالے ہیں۔ اس طرح افغان امیر کی حکومت سے دل سے ناخوش ہوگئے ہیں۔ اور اگر اب انکو موقع ملے کہ امیر صاحب کی حکومت سے کسی دوسرے کو بدل سکیں تو وہ بخوشی اسکو بدل لیں۔ میں نہیں

اس سختی کا قوم پر برا اثر

کہ سکتا کہ یہہ خیال کہانتک صحیح ہی۔ لیکن امیر صاحب نے جو دو تین سال کا عرصہ گذرا ہے بعض بعض پناہ گزین افغان سرداروں کو ہندوستان سی واپس طلب کر لیا تہا وہ واقعہ ضرور اس پر روشنی ڈال سکتا ہے۔ امیر صاحب کو یقیناً ضرورت محسوس ہوئی ہوگی کہ ملک میں سربرآوردہ آدمیوں کی موجودگی ضروری ہی جو بہت کم ہو گئے ہیں ۔

انتظامی ضروریتیں امیر صاحب کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ اسقدر سختی کریں ورنہ وہ نہی اور چشم پوشی بھی کر جاتے ہیں۔ خصوصاً جب کوئی شخص انکے روبرو سچے سچے حالات بیان کردے تو وہ درگذر کر جاتے ہیں کبھی کبھی درباریوں سے مذاق کا شوق بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ کئی سال کی بات ہی کہ ایک مرتبہ جب امیر صاحب چڑیوں کا شکار کھیلنے کے لیئے ایک جماعت کثیر کے ساتھ جنگل کو گئے تو اثنائے راہ میں ایک ندی پڑی جسمیں کیچڑ بہت تہی۔ امیر نے کہا کہ جو شخص اسکو پہاند کر نکل جائے اسکو بہاری انعام دیا جائیگا۔ بہتیرے لوگوں نے آزمائش کی اور دو ایک آدمی اسمیں کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن ایک بدنصیب شخص کودنے کی کوشش میں سر کے بل کیچڑ میں گر پڑا۔ اور اسکی ایڑیاں اوپر کو ہو گئیں۔ اسپر بڑا فرحتی قہقہہ بلند ہوا اور اسکو فوراً لوگوں نے نکال لیا اور خوب ہی ریشخند بنایا۔ اس پر امیر نے کہا کہ انعام اسی شخص کو ملنا چاہیئے کہ اس نے ایسا کام کیا ہے جو کسی سے نہ ہو تکا اور جو لوگ مقابلہ میں کامیاب ہوئے تہے انمیں سے کسیکو کچھ نہ ملا۔ اور وہ یوں ہی رہگئے۔ امیر نے یہہ بھی بیان کیا کہ اپنی جوانی کے زمانہ میں میں خود اس نالہ کو بہت آسانی سے پہاند جاتا تہا۔

ایک مرتبہ اخبار اکسپریس نے لکھا تہا کہ "امیر صاحب میں یہ کمزوری بھی ضرور پائی جاتی ہے کہ جب انسے کوئی شخص کوئی بات بیان کرتا ہے تو وہ اسپر کچھ اضافہ کرکے اسی طرح کی ایک حکایت خود بھی بیان کر دیتے ہیں چنانچہ

جس وقت اُنسے ایک سوٹن کی قدر اور قوت کی توپ کا حال بیان کیا گیا۔ تو اُنہوں نے کہا یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ جب میں سفر کرتا تھا تو اثنائے راہ میں ایک مرتبہ مینے ایک ایسی توپ دیکھی تھی کہ جسکا گولہ اتنا بڑا تھا کہ جتنی بڑی توپ کا ابھی تمنے ذکر کیا ہے۔ اور یہ توپ اتنی لمبی تھی کہ اس دروازہ سے جتنی دور تک تمہاری نظر جاسکتی ہے۔ میرے خیال میں امیر صاحب ایسی بات اُس شخص کو مذاقاً کہتے ہیں کہ جنکی مبالغہ آمیز بات اُنہیں غلط معلوم ہوتی ہو۔ اور وہ چونکہ کسی بات میں بند رہنے والے نہیں۔ ایسا جواب دیتے ہیں کہ قائل حیران رہ جاتا ہے۔

امیر صاحب کا مبالغہ یا مذاق +

اسی طرح ایک پارسی سوداگر نے مجھے بتلایا تھا کہ اسنے ایک مرتبہ چند بڑی بڑے جاپانی پھولدان جنکے مُنہ تنگ ہوتے ہیں امیر صاحب کے لیئے منگوائے تھے۔ مگر جب امیر صاحب کے پیش کیئے گئے تو اُنہوں نے دریافت کیا کہ یہ کیا چیز ہے سوداگر نے پھولدان بتلائے۔ لیکن امیر صاحب نے اُسکی بات کو باور نہ کیا اور فرمایا کہ یہ ضرور گلقند یا مُربّہ کے مرتبان ہونگے۔ اور اگر مرتبان نہیں تو ہمیں اِنکی ضرورت نہیں۔ چنانچہ سوداگر بیچارے نے مجبوراً اپنا مال جو امیر صاحب کے خزانچی کو پیش کیا تو اُسمیں انکا نام مرتبان لکھا۔ بصورت پھولدان لکھنے کے اُسکا خیال تھا کہ امیر صاحب انہیں لینا منظور نہ کرتے۔ کیونکہ اُس صورت میں انہیں اپنی لاعلمی یا غلطی تسلیم کرنا پڑتی تھی۔ اور یہ بات کزا وہ کبھی منظور نہیں کرتے۔ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ امیر صاحب کو یہ جتلانا کبھی منظور نہیں کہ کسی بات سے وہ ناواقف ہیں۔ اور دراصل اُنکے ایسے خودمختار اور زیرک بادشاہ کے لیئے جو افغانوں کی ایسی جاہل قوم کی قسمت پر حکمران ہو ایسا ہی کرنا شایاں بھی ہے۔ کیونکہ امیر صاحب کا رُعب قایم رکھنے میں یہ بات بڑی

اپنی لاعلمی کبھی تسلیم نہیں کرتے

مدد دیتی ہے۔ علاوہ اسکے امیر صاحب ایسا واقف اور باخبر شخص کم موجود ہوگا۔
اسمیں کلام نہیں کہ امیر صاحب میں ایک دو کمزوریاں بھی ہیں جس بد دیانت
اہلکار کے پاس انہیں بہت سا روپیہ نظر آئے اُس سے کسی نہ کسی حیلہ سے
کہسکا لیتے ہیں۔ اور بعض اوقات اُنکا یہ فعل قرین انصاف ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک قصہ
کا ذکر ہے کہ ایک روز جب امیر صاحب دربار میں بیٹھے تھے تو ایک شخص نے جو ایک درخواست
پیش کرنے آیا تھا امیر کے سامنے چند اشرفیاں فرش پر گرا دیں۔ ایک فوجی مرتبہ
شخص جو امیر کے خاص مقربوں میں تھا اور جسپر امیر بہ نسبت دوسرے اشخاص
کے زیادہ اعتبار کرتے تھے اسپر بھی طمع غالب ہوئی۔ اور پاؤں کھجاتے کھجاتے
جسقدر اشرفیاں ملسکیں اپنے بوٹ کے اندر ڈال لیں۔ اس واقعہ کی جانب حرم کی
ایک کنیز نے جو کھسک کر امیر کی پشت پر چلی آئی تھی اُنکو توجہ دلائی۔ امیر تھوڑی
دیر تک خاموش رہے۔ بعد ازاں ہر شخص سے خطاب کرکے کہا کہ میں نے اس بات کا تجربہ
کیا ہے کہ ہر شخص کے خصائل اُسکے پاؤں کی ہیئت سے معلوم ہوجاتے ہیں چنانچہ
اس آزمایش میں میں نے کبھی خطا نہیں کی اور ایک شخص خاص کی طرف اشارہ کرکے
کہا کہ تمہارے پاؤں بہت بڑے بڑے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن تمہارے خصائل
بہت عمدہ ہیں۔ اس وقت جو لوگ یہاں موجود ہیں سب اپنے اپنے بوٹ اوتار ڈالیں
کہ میں پھر اس بات کی آزمایش کروں۔ امیر کے اس حکم پر ہر شخص نے اپنے اپنے
بوٹ بجز ایک شخص خاص کے اوتار ڈالے لیکن وہ شخص کانپنے لگا اور یہہ بہانا کرکے
کہ مجکو یکایک کیا جانے کیا عارضہ ہوگیا ہے چاہا کہ وہاں سے چلا جائے۔ لیکن امیر نے
اُسکو روک کر کہا کہ "نہیں جب تک میں تمہارے پاؤں نہ دیکھ لوں نہ جانا"۔ اب جو
اُسکے بوٹ اُتارے گئے تو اشرفیاں کہن سے زمین پر گر پڑیں اور سلطنت کا سب سے
زیادہ ذی اثر شخص اور سب سے زیادہ امیر آدمی اس طرح سے علانیہ ذلیل کرڈالا گیا۔

امیر صاحب لوگوں کے پاؤں سے اُنکے خصائل سمجھ سکتے ہیں

اِس وقت تو امیر نے اُسکو اور کچھ نہیں کہا لیکن بعد کو اِسپر چار لاکھ روپیہ جرمانہ کر دیئے اور ایک برس قید کی سزا دی۔

امیر صاحب ہر چند کہ اکثر ہنستے رہتے ہیں مگر انکا رعب اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ کوئی شخص اُنکے سامنے جاکر حواس بشکل درست رکھ سکتا ہے۔ یہ مقولہ ایک ایسے تعلیم یافتہ ہندوستانی کا ہے جو دو تین سال تک امیر صاحب کی خدمت میں رہا ہے اور اسپر وہ بہت مہربانی کیا کرتے تھے۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ امیر صاحب کی خدمت میں ایک نان بائی کی نسبت شکایت پہونچی کہ وہ کم وزن کی روٹی پکا کر بیچتا ہے۔ وہ امیر صاحب کی خدمت میں طلب کیا گیا۔ تو امیر صاحب نے اُسکی وجہ دریافت کی۔ اُسنے بتلایا کہ میرے آٹا تولنے والے کا قصور ہے۔ مگر امیر صاحب نے یہ سمجھکر کہ کم وزن فروخت کرنے سے آخر فائدہ تو اِسی کو ہوتا ہے۔ نان بائی کو حکم دیا کہ جاؤ اُسی تنور میں جاکر گر جاؤ اور اپنے وارثوں کو کہہ جانا کہ وہ تمہارے گرنے کے بعد تنور کا منہ بند کر دیں چنانچہ سنا ہے کہ نان بائی کو سوائے امیر صاحب کے حکم کی تعمیل کے کوئی چارہ نہ بن پڑا ہر چند کہ اِسکی نگرانی کے لیئے کوئی سپاہی متعین نہ تھا۔

نان بائی کی قبر نہ دریافت ہوئی

امیر صاحب کی علمی لیاقت ہر چند کہ بہت کم ہے مگر وہ بڑے وقفکار اور ایک لحاظ سے عالم آدمی ہیں۔ ڈاکٹر گرے امیر صاحب کی ہمہ دانی پر تعجب ظاہر کرتا ہے کہ جب کوئی معاملہ پیش ہوا ہے امیر صاحب کو اُسمیں نہایت باخبر پایا گیا ہے۔ مثلاً اگر طب یا ڈاکٹری کا ذکر آگیا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ امیر صاحب بھی خاصے طبیب ہیں اِسکے متعلق مجھے ایک قصہ یاد آگیا ہے۔ ایک دفعہ ایک انگریز کے حلق میں پھوڑا نکل آیا اور اتفاق سے اُسنے اپنی یہ حالت امیر سے بیان کی جنہوں نے اپنی بڑی ہمدردی ظاہر کی اور اِس بات پر اصرار کیا کہ مجھکو اسکا ایک حکمی علاج معلوم ہے اِسکی تم بھی آزمایش کرو۔ وہ علاج یہ تھا کہ ایک چڑیا ذبح کرکے حلق پر رکھدی جائے

امیر صاحب کی علم و واقفیت کی تعریف

اور جب تک ٹھنڈی نہو جاوے اُس وقت تک اسی طرح رکھی رہی چنانچہ چھ چڑیاں ذبح کرکے اسی طرح سے یکے بعد دیگرے اسکے حلق پر رکھی گئیں۔ اور اس بات کے بیان کرنے کی حاجت نہیں معلوم ہوتی کہ دوسرے روز عارضہ بالکل ہی جاتا رہا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو دوسرے روز پھر وہی ترکیب کیجاتی۔

ڈاکٹر گرے ایم ڈی کرجسکو امیر صاحب نے ایک معقول تنخواہ پر ملازم رکھا تھا دو تین سال تک انکی خدمت میں رہا۔ اور اس دوران میں امیر صاحب کئی مرتبہ بیمار ہوئے۔ مگر ایک مرتبہ بھی اُس ڈاکٹر کا علاج نہ کرایا۔ بلکہ صرف یونانی اطبا کا علاج اپنی مرضی کے مطابق کرتے رہے۔ اور ڈاکٹر گرے کا بیان ہے کہ مینے اسی رنج کی وجہ سے انکی ملازمت چھوڑ دی کہ اُنہوں نے میرے علاج پر اعتبار نہ کیا۔ خواہ وجہ ڈاکٹری سے علاج نہ کرانے کے ہو۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ امیر صاحب کو ہر بات میں اپنی ذات پر بڑا اعتماد ہے اور یہی وہ بات ہے کہ جس سے دنیا میں لوگوں نے بڑے بڑے کام کیے ہیں۔ ڈاکٹر گرے خود بہت اچھا مصور تھا۔ مگر جب امیر صاحب کے حکم سے اُسنے امیر صاحب کی تصویر کھینچی تو امیر صاحب نے اُسمیں بھی اصلاح کی ضرورت دیکھی اور ڈاکٹر مصور کو انکی تصویر نہیں کی بیاست کا تامیل ہونا پڑا۔ بلکہ امیر صاحب کو مصوری اور نقاشی کا خاص شوق ہے۔ اُنہوں نے گرے صاحب سے کابل کے مصوروں کو شاگرد بنا کر کام سکھلا دیا۔ مینے کسی اخبار میں یہ بھی دیکھا ہے کہ امیر صاحب لنڈن کے تصویردار اخبار لسٹریٹڈ لنڈن نیوز کو شوق سے دیکھا کرتے ہیں۔ الغرض وہ زمانہ جو امیر صاحب نے قلمرو روس میں جلاوطنی میں کاٹا ہے۔ اسمیں ہی اُنہوں نے دنیا کے ہر باب کے معلومات فراہم کر لیے ہیں اور نہایت پختہ مغزی حاصل کی ہے۔ یہ عربی ترکی فارسی اور پشتو زبانوں میں بات چیت کر سکتے ہیں۔ اُردو سمجھ سکتے ہیں۔ مگر بول نہیں سکتے۔

امیر صاحب کی اولوالعزمیوں اور بلند ارادوں کی نسبت ایک اخبار نے ایک تبصرہ

امیر صاحب کا مصوری کا شوق

انکی بلندخیالی

اس طرح لکھا ہے کہ ایسے بلند ارادوں کو دیکھکر کوئی شخص اونکی اولوالعزمی سے انکار نہیں کرسکتا۔ اُنکے پوشیدہ خیال پر اُنکے دوست اور درباری بہت کم اطلاع رکھتے ہیں۔ اُنکی طبیعت میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ ایک ہوشیار شخص بہ نسبت ایک مجمع کے اچھا کام کرسکتا ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنی رائے کو درباریوں پر بھی ظاہر کرتے ہیں۔ مگر انکا زبردست رعب کسی شخص کو مخالفت کی جرأت نہیں دلاتا۔ جب سے حکومت کی باگ اُنکے ہاتھ میں آئی ہے اُس وقت سے اُنکے ترقی خیز خیالات دن بدن افزوں ہوتے جاتے ہیں۔ افغانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو اب تک آزاد تھیں اُنکی آزادی کا خاتمہ ہوتا جاتا ہے۔ کافرستان جہاں کے باشندوں سے دوسری قوم میل جول نہیں کرسکتی تھی اور جہاں کے برفستانی پہاڑ اور پیچدار گھاٹیاں دور ہی سے اپنی طرف آنے والوں کو اشارہ کرتی تھیں کہ اس مصیبت خیز خطہ میں تم قدم نہ دھرنا وہاں اب امیر کا رعب اور دبدبہ بیٹھتا جاتا ہے۔ اِن کامیابیوں کی وجہ سے وہ کبھی کبھی اپنے دربار میں امیر یعقوب خاں اور اُنسے پہلے امیروں کو بودا اور کم ہمت اور کم عقل کہہ بیٹھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ریاست کابل کو انہیں لوگوں نے ضعیف کردیا تھا لیکن میں اپنی زندگی میں پہلے سے زیادہ وسیع اور خوشحال کرکے چھوڑونگا۔

اولوالعزم ارادے

سر لیپل گریفن ہی وہ انگریزی افسر تھا جسنے سرکار انگریزی کیطرف سے تخت کابل امیر صاحب کے سپرد کیا تھا۔ اُس نے امیر صاحب کی طبیعت کی بیباکی اور بلند نظری کے متعلق اپنے ایک مضمون میں حسب ذیل رائے دی تھی:-

امیر صاحب کی بیباکی اور بلند نظری

"امیر نے اپنا استغنا تخت نشینی کے وقت ظاہر کردیا تھا۔ وہ تخت نشینی سے پہلے ایک بے مایہ شخص تھے جو اُنکے ہمراہی تھے وہ بھی شکستہ حالت میں تھے اُسوقت کابل پر انگریزی فوج کا قبضہ تھا۔ امیر جب تخت نشین ہونے کے لیئے آئے تو

اُنہوں نے ایسی بے پروائی سے ملاقات کی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اُنہیں کچھ بھی پروا نہیں کہ سلطنت ملے یا نہ ملے گویا اُنکو سلطنت کا کچھ اشتیاق نہ تھا۔ اُنہوں نے مجھسے نزدیکوں کی بُرائی بیان کی نہ اُنکی عداوت کا اظہار کیا حالانکہ موقع یہ تھا کہ وہ بطور خوشامد کے سلطنت حاصل کرنیکیلئے ہمسے اِس قسم کی باتیں بہت کچھ کرتے مگر اُنہوں نے ایسی باتوں کیطرف کچھ بھی توجہ نہ کی جب اُن سے زر امداد کا وعدہ کیا گیا اور وہ تھیار دیئے گئے جو اُنکے دینے کے لیئے تجویز ہوئے تھے۔ اِن امور کو بھی بڑی بے پروائی سے اُنہوں نے سُنا۔ جوبات پوچھی گئی اُسکا صاف جواب دیا۔ کچھ ہماری خوشامد نظر نہ رکھی۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ تم لوگ صرف اِس وجہ سے یہ تاج مجھکو دیتے ہو کہ یہ بار اب تمہاری اُٹھائے نہیں اُٹھتا ہے اِسلیئے اُسکو اب میری پیٹھ پر لادے دیتے ہو۔ ہمیشہ اُنکا طرز گورنمنٹ انگریزی کے ساتھ ایسا ہی بے باکانہ گفتگو کا رہا چنانچہ اُنسے یہ بھی کہا گیا تھا کہ آپ گفتگو میں اب تقریر کا لحاظ رکھیں۔

دیگر مذاہب کی نسبت اُنکے خیالات

اِس سے پہلے امیر صاحب کے مذہبی خیالات کی نسبت ذکر ہو چکا ہے کہ ہر چند کہ وہ پکے مسلمان ہیں۔ تاہم دیگر مذاہب کی نسبت اُنکے خیالات سے نہایت وسیع اور روشن ہیں نومبر ۱۸۷۹ء کی بیبل سوسائیٹی کی رپورٹ میں امیر صاحب کا ایک عجیب خط چھپا ہے جو ۱۸۷۸ء میں اُنہوں نے پادری ورنگٹن صاحب کے نام لکھا تھا۔ اِس خط کے لکھے جانے کا باعث یہ ہوا کہ پادری صاحب نے امیر صاحب کو ایک جلد پشتو کی انجیل بھیجی تھی۔ امیر صاحب نے اُس انجیل کی رسید بھیجی اور حسب ذیل جواب لکھا:۔

آپکا خط وصول ہوا۔ آپ افسوس ظاہر کرتے ہیں کہ مجھسے ملاقات بوجہ کم فرصتی نہ ہوسکی مجھکو بھی بہت افسوس ہے کہ میں سرحد ہندوستان پر پہونچا۔ اور انگلستان کے سب سے زیادہ عالم اور عقلمند آدمی سے ملاقات میسر نہ آئی مگر کل امیر مرھوم

باوفا صلہ جو جلد انجیل کہ آپنے مجھے بھیجی ہے وہ مجھے پہونچی۔ اور میں نے بہت تعظیم کرساتھ اسے قبول کیا۔ اگرچہ ہمکو اسکے مضامین سے کوئی سروکار نہیں مگر چونکہ وہ منزل من اللہ ہے ہم اسکی تعظیم کرتے ہیں۔ میں بہت خوشی سے اسے پڑہونگا اور اسکی جو آیات ہمارے قرآن شریف سے ہم مضمون ہیں اُنکا خلاصہ کرونگا۔ علاوہ ازیں جو مضامین مجھپر ہیں اُنپر عمل کرونگا۔ مجھو اس تحفہ کے حاصل ہونے سے بہت خوشی حاصل ہوئی کیونکہ حقیقت میں بہترین تحفہ ہے۔"

باب یازدہم

ہندوستان کی سرحد شمالمغربی پر ۱۸۹۷ء کی شورش اور امیر صاحب کے تعلقات

ہرچند کہ یہہ اوراق ۱۸۹۷ء سے پہلے کے لکھے ہوئے ہیں۔ لیکن ابھی چھپکر شائع نہیں ہوئے تھے کہ وسط ۱۸۹۷ء میں ہندوستان کی سرحد شمالی و مغربی پر سرحدی قوموں نے آتش فتنہ و فساد بلند کردی۔ اور یہہ آگ اس تین سو میل لمبے سرحد کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک تمام پہاڑی قوموں میں پھیل گئی جب سے گورنمنٹ انگریزی نے پنجاب پر قبضہ کیا تہا اور اسکو ان سرحدی قوموں سے سابقہ پڑا تھا۔ ہرچند کہ ایک ایک اور دو دو قوموں سے گورنمنٹ کو ضرور لڑنا پڑا تھا۔ لیکن کبھی یہہ واقع پیش نہیں آیا تہا کہ تمام سرحدی قومیں جو سرحدات افغانستان و بلوچستان و ہندوستان کے مابین آزاد ہیں وہ ایک ہی وقت میں اور آپسمیں اتفاق اور مشورہ کرکے بگڑ جائیں اور گورنمنٹ انگریزی کے علاقہ پر حملہ کردیں۔ ان قوموں کے دفعتاً آتش فساد مشتعل کردینے سے بہت لوگوں کو بلکہ خود سرکار کو بھی گمان ہوا کہ شاید امیر عبدالرحمن خاں کی ترغیب و تحریک سے قوموں نے فساد بلند کیا ہے۔ یہانتک کہ انگریزی اخبارات نے

بلا محابا امیر صاحب کے ایک جنرل غلام حیدر خاں کو اس فساد میں شریک بتلایا۔ اور بیان کیا کہ ابتدائے فساد میں خواہ امیر صاحب کی سرحدی چوکیوں کے سپاہی سرحدی پٹھانوں کے ساتھ شریک ہو کر انگریزی فوج کے مقابلہ میں آتے رہے ہیں اور یہ شک تو اخیر تک باقی رہا ہے کہ سرحدی قوموں کے پاس اتنا گولی بارود اور اتنی بندوقیں کہاں سے آگئیں جو یہ اس کثرت سے چھ سات ماہ تک استعمال کرتے رہے ہیں۔ ہو نہ ہو امیر صاحب نے انہیں بہم پہنچائی ہونگی۔ لیکن بعد کے واقعات اور نیز امیر صاحب کے طریق عمل نے ان شکوک کو بالکل غلط اور بے بنیاد ثابت کر دیا ہے۔ اور چونکہ ان واقعات کو بالواسطہ امیر صاحب کی ذات سے تعلق پیدا ہو گیا ہے۔ اسلئے انکو اختصار کے ساتھ بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

امیر صاحب پر سرحدی فسادوں میں سازشوں کا شک

۱۰ جون ۱۹۱۷ء کو مسٹر گی پولیٹیکل آفیسر وزیرستان توچی میں سکھوں اور پنجاب انفنٹری کی تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ ایک سرحدی فوجی چوکی کے لیئے تجویز کر رہے تھے کہ وزیریوں نے اس جماعت پر حملہ کر کے کئی افسار مار ڈالے۔ اور اگر کمک وقت پر نہ جا پہنچتی تو ساری جماعت ماری جاتی یا گرفتار ہو جاتی۔ اس واقعہ کو سرحدی شورش کے ایک لمبے چوڑے سلسلہ واقعات کی ابتدا سمجھنا چاہیئے۔ ۱۴ جون کو گورنمنٹ ہند نے ان لوگوں کی دغابازی اور شورش کی سزا دینے کے لیئے ایک مہم بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وادی توچی کے واقعہ کی خبر جنگل کی آگ کی طرح تمام سرحد پر پھیل گئی اور ۲۶ جولائی کو وادی سوات میں بھی کہ جہانگیر قومیں دوست سمجھی جاتی تھیں فساد کھڑا ہو گیا۔ ایک دیوانہ ملا نے سواتیوں میں جہاد کا وعظ کہنا شروع کیا۔ ہزارہا پیرو جوان اور بچے اسکے جھنڈے کے گرد جمع ہو گئے۔ اور ان لوگوں نے قلعہ الگنڈ پر حملہ کر کے بازار کو لوٹ لیا۔ اور اس سے آگے قلعہ چکدرہ کا بھی محاصرہ کر لیا

وادی توچی کا فساد

قلعہ مالاکنڈ سے یہ لوگ پسپا کیئے گئے۔ مگر دوسرے روز تمام وادی فساد پر آمادہ پائی گئی۔ تعزیری مہم جو وزیریوں کے خلاف بھیجی گئی تھی وہ اس اثنا میں ملاکی میر کے دیہات تباہ کر رہی تھی۔ مروان سے فوراً ملاکنڈ کو بھیجی گئی اور جنرل سر بنڈن بلڈ تمام فوج کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔ مالاکنڈ سے دشمن کو بھگا کر ۴ اگست کو چکدرہ کو محاصرہ سے چھوڑایا گیا۔ اور قوموں کے بہت سے آدمی مارے گئے ابھی یہ فساد فرو بھی نہ ہوا تھا کہ ایک شخص ملا نے ہڈ آنے کہ جسکا افغانستان اور سرحدی قوموں میں بہت رسوخ اور اعتبار تھا مہمندوں اور دوسری قوموں کی ایک بڑی فوج تیار کر کے دریائے کابل کے شمالی کنارہ پر جمع کی۔ کہا جاتا ہے کہ انمیں سے بہت لوگ امیر صاحب کی رعایا تھے۔ اور ۸ اگست کو قلعہ شبقدر (شنکر گڈھ) پر جو پشاور سے صرف دس میل کے فاصلہ پر ہے حملہ کر دیا۔ لیکن نقصان اوٹھا کر پسپا ہوئے۔ اس وقت یہ خیال عام طور پر پھیل گیا تھا کہ اگر امیر صاحب قبائلیوں کو اس فساد کے لیئے مدد نہیں دیتے تو اغماض تو ضرور کرتے ہیں چنانچہ گورنمنٹ ہند نے اس بارہ میں امیر صاحب کا جواب طلب کیا۔ اور امیر صاحب نے بتلایا کہ یہ خبر بالکل بے بنیاد ہے۔ جو کچھ اخبارات سے معلوم ہو سکتا تھا اس سے پتہ ملتا تھا کہ امیر صاحب کے ان فسادوں سے بے تعلق ہونیکا اس وقت کسیکو یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن اس سے بعد کے زمانہ میں جبکہ آفریدیوں اور اورکزیوں کا ایک ڈیپوٹیشن انکی خدمت میں امداد کے لیئے گیا تھا تو جو جواب امیر صاحب نے اس ڈیپوٹیشن کو دیا تھا اور جو آگے چلکر درج کیا جاتا ہے۔ اُسنے امیر صاحب کی صداقت کا یقین دلایا تھا۔

سوات میں بھی فساد پھیل گیا

ملا ہڈا کا حملہ

بسرکردگی سر بنڈن بلڈ کے ایک زبردست فوج نے وادی فرازسوات میں بڑھکر تھانہ کے قریب لنڈکئی میں ۱۰ اگست کو دشمن کی جمعیت کو پریشان کیا

اور اسکے بعد اس وادی میں قوموں نے اطاعت منظور کرلی۔ لیکن ساتھ ہی اسکے ایک سب سے بڑی قوم نے سر اونچا لیا۔ یہہ آفریدی ہے جو دریائے کابل کے جنوبی کوہستانی علاقہ میں دور تک آباد چلے گئے ہیں۔ اور ۱۸۸۳ء سے گورنمنٹ انگریزی نے انکو درہ خیبر کی حفاظت سپرد کی ہوئی ہے۔ ساتھ ہی قوم اورکزئی کیطرف سے بھی خطرہ کے آثار نمودار ہوئے جو کوہاٹ کی شمال اور خیبر کے جنوب کی پہاڑیوں میں آباد ہیں۔ آفریدیوں نے حملہ کرکے قلعہ علی مسجد سے ۲۱۔ اگست کو اسبورین کو جو خیبر رائیفلز کے آدمیوں کو جو آفریدیوں میں سے ہی بھرتی کیئے ہوئے تھے نکالدیا۔ اور ۲۳۔ اگست کو قلعہ ماڑ پر قبضہ کرکے درہ خیبر کو بالکل بند کردیا۔ اور ۲۴۔ اگست کو لنڈی کوتل پر حملہ کرکے اسپر بھی قبضہ کرلیا اور پھر یہہ لوگ کچھہ عرصہ کے لیئے منتشر ہوگئے۔ اب اورکزیوں نے فوراً کوہاٹ کے پاس شور برپا کرکے محمد زئی اور سلسلہ کوہ سامانہ کے دوسرے قلعوں پر ۲۷۔ اگست کو حملہ کیا۔ اس وقت تمام سرحدی قومیں آمادہ فساد نظر آنے لگیں چنانچہ گورنمنٹ انگریزی نے جنرل سر ولیم لاکہارٹ ایسے تجربہ کار اور بہادر افسر کو جو عنقریب افواج ہندوستان کے کمانڈر انچیف ہونے والے تھے یہہ عظیم الشان کام سپرد کیا۔ اور بہت بڑی فوج کہ جسکا اندازہ ساٹھہ ہزار کے قریب کیا گیا ہی سرحد پر جمع کیگئی تاکہ اگر امیر صاحب بھی اس موقع پر نادوستانہ رویہ اختیار کریں تو پھر زیادہ فوج نہ جمع کرنی پڑے۔ غرض سر ولیم لاکہارٹ کو حکم دیا گیا کہ پہلے مہمندوں پر اور پھر آفریدیوں اور اورکزیوں پر فوجکشی کریں۔ اور گورنمنٹ نے ۹ ستمبر کو اپنا ارادہ ظاہر کردیا۔ کہ اسکا ارادہ مستقل طور پر انکے ملک پر قبضہ کرنے یا قوموں کی آزادی میں دخل دینے کا نہیں ہے بلکہ ملا ہڈا اور اسکے ساتھیوں کو سزا دینا منظور ہی۔ آفریدی اور اورکزیوں کے

آفریدیوں اور اورکزیوں کا بگڑنا

گورنمنٹ عالیشان مہم بھیجتی

لارڈ ایلگن گورنر جنرل ہند

ساتھہ کوہ سامانہ پر قلعہ گلستاں اور دوسرے قلعوں کے حملہ اور محاصرہ کرنے میں شریک ہوگئے اور قلعہ سارا گڑھی پر تمام محصورین کو کہ جنہوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا تھا قتل کرکے قابض ہوگئے۔ لیکن ۱۴ ستمبر کو انگریزی فوج نے سخت نقصان کے ساتھہ انہیں بھگا دیا۔ ہڈا ملاں اور صوفی ملاکہ جنہوں نے علاقہ مہمند میں فوجیں فراہم کی تہیں ۱۴ ستمبر کو شکست فاش کھاکر بھاگ گئے۔ اور بہت سے برج اور قلعے گرانے کے بعد ۴۔ اکتوبر کو ۳ ہفتہ کے بعد مہم مہمند کا خاتمہ ہوگیا۔ مہم مہمند کا خاتمہ

ایک دوسری قوم ہے اور اسنے بھی بہت تکلیف دی تھی۔ لیکن آخر کار اسے بھی خاموش کیا گیا اور اب تیراہ میں بھیجنے کے لئے جو آفریدیوں کا اصل ملک ہے ایک بڑی مہم تیار کیگئی کہ جسکی پہلی لڑائی ۱۳۔ اکتوبر کو درگئی پہاڑی پر لڑی گئی پہلے روز تو دشمن سے پہاڑی آسانی سے خالی کرالی گئی۔ لیکن دوسرے روز انگریزی فوج کا بڑا نقصان ہوا۔ پھر ۱۴۔ اکتوبر کو درہ سمپانگا اور ۱۵ کو درہ ارہنگا سے انگریزی فوج بلا کسی سخت مزاحمت کے گذر گئی۔ اور آخر کار وادی میدان مہم تیراہ میں کہ جہاں پہلے کبھی انگریزی فوج نہیں پہونچی تھی سر ولیم لاکہارٹ کی مہم پہنچگئی اُس وقت آفریدیوں کو سوجھا کہ انگریزی فوج سے مقابلہ کرنے کے وہ قابل نہیں لیکن جب کبھی انگریزی فوج کی کوئی جمعیت چارہ اور سامان رسد جمع کرنیکے لئے آفریدیوں کے دیہات کو جاتی تو اُسکے شام کو واپس لوٹنے کیوقت آفریدی تیار ہوکر اُسکے عقب اور یمین و یسار پر حملہ کرتے۔ اور اس طرح ان لوگوں نے بہت کچھہ نقصان جان و مال انگریزی فوج کو پہنچایا۔ اور اسکے سوائے راتوں کو بھی وہ لوگ انگریزی فوج میں گولیاں مارتے رہے۔ اس اثنا میں برف سخت پڑنے لگی اور انگریزی فوج کو واپس لوٹنے کی ضرورت معلوم ہوئی۔ اور جلدی میں نومبر کو آفریدیوں کو شرائط صلح بتلائی گئیں۔ جو سوائے زکا خیل اور اکا خیل آفریدی قبیلوں کے اور سب

قوموں نے منظور کیں۔ وہاں سے فوج نے باڑہ وادی کیطرف کوچ کیا جو پشاور سے قریب ہے اور یہاں کسیقدر کم جمعیت کے ساتھ قوموں کی گوشمالی شروع کی۔

تباہ سے فوجوں کی واپسی

آفریدیوں کے ملک سے انگریزی افواج کے اس طرح بلا تصفیہ معاملات کو واپس آجانے پر لڑائی کے اسقدر طول کھینچنے پر اور انگریزی فوج کا اتنا بھاری نقصان ہونے پر انگلستان کے پولیٹیکل فرقوں میں اس بات پر بحث چھڑ گئی کہ یہ سرحدی لڑائی ہی بلا ضرورت تھی۔ فرقہ لبرل کے ارکان اور اسکے اخبارات فریق کنسرویٹو کو الزام دینے لگے کہ تمام سرحد کے مشتعل ہو جانے کی وجہ یہ ہی کہ گورنمنٹ انگریزی نے چترال پر مہم بھیجنے کیوقت سوائتیوں سے وعدہ کیا تھا کہ اسکا منشا صرف عمراخاں کو سزا دینے کا ہے اور انکے ملک پر قبضہ کرنیکا نہیں۔ لیکن آخر کار گورنمنٹ نے چترال پر خلاف اپنے معاہدہ کے قبضہ کر لیا اور آزاد علاقہ میں چترال کی سڑک کھلی رکھنے کے لیئے قلعے قایم کیئے۔ اس سے قوموں کو گورنمنٹ کے عہد و پیمان پر اعتبار نہیں رہا۔ اور سب قوموں نے اتفاق کر کے سرکار انگریزی سے مقابلہ کرنیکا عہد و پیمان کر لیا چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ وجہ غلط نہیں کیونکہ آفریدیوں اور اورکزیوں نے بھی درخواست امداد امیر صاحب کیخدمت میں بھیجی تھی اسمیں ہی انہوں نے اپنے جہاد پر آمادہ ہونیکا جتلایا تھا اور امیر صاحب نے اسکی تردید کی تھی کہ سرکار کا تمہارے ملک پر قبضہ کرنیکا ارادہ نہیں۔ بلکہ صرف روس کے آنے کی روک تھام کے لیئے سرکار انگریزی نے

سرحدی فسادوں کا باعث

ف سرحدی جنگوں میں انگریزی فوج کا کل نقصان سرکاری اندازہ کے مطابق۔ اجون ۱۸۹۷ء یعنی وادی ٹوچی کے واقعہ سے یکم فروری ۱۸۹۸ء یعنی شن کماکے حادثہ تک حسب ذیل ہوا ہے:۔

۴۳ انگریز افسر ہلاک اور ۹۰ مجروح ہوئے۔ ۲۰ انگریز نان کمشنڈ افسر اور سپاہی ہلاک اور ۱۵۴ مجروح ہوئے دیسی ہلاک اور ۳۴ مجروح ہوئے ۱۵۳ دیسی نان کمشنڈ افسر اور سپاہی ہلاک اور ۸۱۰ مجروح ہوئے۔ کل ۴۸۴ ہلاک اور ۱۴۲۲ مجروح ہوئے۔ ۱۲ گوری اور ۱۰ دیسی سپاہی گم ہیں۔ شگار پیدہ لوگوں کے نقصان کی تفصیل معلوم ہونی دشوار ہے۔

پر قبضہ کیا ہے۔ بلکہ چترال کے ایک حصہ اراضی کا محصول عائد کر دیا ہے
ہے۔ اسکے سوائے ایک اور درجہ سواتیوں اور دوسری قوموں کی ناراضگی کی یہ
معلوم ہوئی ہے کہ جب وہ اخون صاحب کی مرقد کی زیارت کے لیئے کہ جسکے وہ بیحد
معتقد ہیں جاتے تھے تو راستہ میں سرکاری اثر اس علاقہ میں بڑھ جانے کی وجہ سے
انہیں تکلیف ہوتی تھی۔ پھر ان لوگوں نے شکایت کی ہے کہ نمک کی کان پر سرکاری
قبضہ ہو جانے سے نمک بہت گراں ہو گیا ہے۔ اور جو عورتیں ان لوگوں کی انگریزی
علاقہ میں بھاگ جاتی ہیں وہ واپس نہیں دیجاتیں۔ یہ چند وجوہات انکی ناراضگی
کے ہیں۔

انگلستان کا لبرل فریق اور ہندوستانیوں کا تعلیم یافتہ گروہ اعتراض کرتا ہے
کہ ہندوستان کی اُن قدرتی حدود سے سرکار کو آگے ہی نہیں بڑھنا چاہیئے کہ
جنکو انگلستان کے ایک نہایت قابل وزیر اعظم لارڈ بیکنسفیلڈ نے ہندوستان کی
علمی سرحد کہا ہے۔ کیونکہ واقعی یہ سلسلہ کوہستان ہندوستان کی قدرتی سرحد اور
بیرونی دشمنوں کے مقابلہ میں ایک مضبوط دیوار ہے۔ لارڈ جارج ہملٹن بہادر نے
جو آجکل وزیر ہند ہیں اپنی تقریر میں بیان کیا کہ ایسی پیشقدمی کی ہندوستان کی حفاظت
کے لیئے سخت ضرورت ہے کیونکہ سلطنت روس کی حدود بہت نزدیک ہو گئی ہیں اگر
ہم آگے نہ بڑھے تو وہ بڑھ آئیگا اسلیئے ضرور ہے کہ ہم علاقہ تیراہ کے راستے
کیلے رہیں اور انکی حفاظت کے لیئے قلعے بنائیں۔ اور کسی طرح ہمیں آفریدیوں کی
آزادی میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ لیکن سب سے آخر جو ۹ فروری ۱۸۹۸ء کو
حضور ملکہ معظمہ قیصرہ ہند نے افتتاح پارلیمنٹ کے وقت تخت سے تقریر فرمائی ہے
اُسمیں فرمایا ہے کہ سرحدی قوموں سے سلوک اور ملائمت کا برتاؤ کیا جاویگا۔
اور امید ہے کہ درہ خیبر کی حفاظت پھر آفریدیوں ہی کے سپرد کیجاوے گی جبتک

آئندہ سرحدی پالیسی کا فیصلہ

ملہ ایک خیل کے مطابق یہ رقم ۲۴ ہو گئی۔ صاحبزادے ہنے کے قول کے مطابق یہ رقم ۲۰ گنا کر دینے گراں کر دیا ہے

سرحد کی آئندہ پالیسی کا فیصلہ نہیں ہوا تھا مختلف مدبر مختلف رائیں دیتے تھے۔ یہانتک کہ بعض گرمجوش انگریز شاہراہ پر قبضہ کرنے اور تمام سرحدی قوموں کے ہتھیار چھین لینے کی صلاح ہی نہیں دیتے تھے۔ بلکہ انکی رائے میں انگریزی قبضہ کو ہندوکش تک بڑھانے کا یہہ پہلا قدم تھا اور اسکے کہنے کے سوائے چارہ نہیں تھا۔ بلکہ آخر کار تخت شاہی کی تقریر نے ان سب توہمات کا فیصلہ کر دیا۔

چونکہ آئندہ کی نسبت کارروائی کا ابتک فیصلہ نہیں ہوا تھا جنرل لوکہارٹ حضور وائسرائے سے گفتگو کرنے اور آئندہ کی کارروائی کے متعلق احکام لانے کے لیئے شملہ گئے ہوئے تھے کہ انکے چچیرے شن کمار کی چراگاہ پر کہ جہاں آفریدیوں کے مویشی چرا کرتے ہیں انگریزی فوج نے ۱۰ فروری کو حملہ کیا۔ اور چونکہ آفریدی یہانکی کھوؤں اور پہاڑیوں سے خوب واقف تھے۔ انگریزی فوج کا سخت نقصان ہوا گو تیسرے روز زیادہ جمعیت کے ساتھ انگریزی فوج کا انتقام لیا گیا۔ اس اثنا میں جنرل لوکہارٹ صاحب حضور وائسرائے سے ملاقات کرکے سرحد پر پہونچگئے۔ بعض لوگوں کو گمان تھا کہ اب سختی کے ساتھ آفریدیوں کی سرکوبی کیجاویگی اور جنکا رخ بہت صلح کی الجھا نہ کرینگے انہیں امان نہیں دیجاویگی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان میں ملائمت کی تدبیر کو پسند کیا گیا تھا۔ اسلیئے جنرل صاحب نے آفریدیوں کو آخری اطلاع دیدی کہ اگر آخر رمضان (۲۳ فروری ۱۸۹۸ء) تک تم لوگوں نے شرائط صلح نہ قبول کیں تو پھر تم سے جنگ کیجاویگی۔

سرحدی قوموں کے فساد اور بغاوت اور انگریزی علاقہ پر حملے کرنے اور سرحدی مہموں کی تو یہ کیفیت ہے جو اختصار کے ساتھ اوپر بیان ہو چکی ہے۔ لیکن اسکے اس کتاب میں درج کرنے کی ضرورت صرف اسلیئے پڑی کہ بعض لوگوں نے امیر عبدالرحمن خاں کو اس عام شورش کا تحریک کرنیوالا یا اس سے اغماض کرنیوالا قرار دیا۔ لیکن یہ بات

بالکل غلط تھی اور امیر صاحب نے جو جواب ان قوموں کو دیا ہے اسمیں بھی اُنہوں نے لکھا ہے کہ اگر کبھی جہاد کی ضرورت پڑی تو معلوم نہیں تم لوگ کہاں ہوگے۔ بلکہ میں ایسا بیوقوف نہیں ہوں جو تمہاری خاطر سرکار انگریزی سے بگاڑ لوں تم لوگ تو بہس میں آگ لگا کر الگ ہو جاؤ گے۔ بادی النظر میں بھی یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ امیر صاحب کی تحریک سے تمام سرحدی قومیں اپنے آپ کو تباہی میں ڈالنے پر آمادہ ہو جاویں۔ امیر شیر علیخاں نے سرکار انگریزی سے بگاڑ کیا تھا تو اس وقت اُسنے سرحدی قوموں کے پاس مذہبی جنگ کا وعظ کرنے کے لیئے معہ روپیہ اور سامان جنگ کے بھیجے تھے مگر قوموں نے سرکار انگریزی سے لڑنا نامنظور کیا تھا۔ تو اب جبتک کہ خود انہیں کوئی تکلیف نہ پہونچی ہو وہ کبھی سرکار کا مقابلہ کرنے کے لیئے نہیں اُٹھ سکتی ہیں۔ اور نہ آپسمیں اتفاق کر سکتی ہیں۔ کیونکہ ان قوموں کا آپسمیں اتفاق کر کے کارروائی کرنا ایک بالکل نرالی بات ہے۔

اگر امیر صاحب نے ان قوموں کو جنگ کی ترغیب دی ہوتی تو جب آفریدیوں اور اورکزیوں کے سرکردہ لوگ امیر صاحب سے مدد مانگنے کے لیئے کابل کو گئے تھے امیر صاحب انھیں کبھی ایسا روکھا پھیکا جواب نہ دیتے جیسا کہ اُنہوں نے دیا۔ وہ جواب اس قابل ہے کہ اسکو بجنسہٖ ذیل میں درج کر دیا جاوے۔

امیر صاحب کا اعلان آفریدی اور اورکزئی ڈیپوٹیشن کو

امیر صاحب نے اپنی شہر کی کوتوالی میں ایک اعلان اور اُس چٹھی کی ایک نقل چسپاں کرائی ہے جو آفریدیوں کی درخواستوں کے جواب میں بھیجی گئی ہے اُسمیں ہز ہائینس لکھتے ہیں۔

"تیراہ کے آفریدیوں نے اپنے ۱۸۔ آدمی جنمیں برگزیدہ ملا۔ ملک علما، اور بزرگ شامل ہیں میری طرف روانہ کیئے ہیں۔ اور ہر ایک فرقہ نے علیحدہ علیحدہ چٹھیاں بھیجکر مجھسے امداد چاہی ہے۔ یہ لوگ میرے حکم سے جلال آباد میں روکے گئے تھے

اور صرف انکی درخواستیں میرے پاس آئی تھیں۔ جنہیں انکی [illegible] سے انکار کر دیا ہے
اور انکی درخواستوں کا جواب لکھ کر جلال آباد بھیجدیا ہے [illegible] واپس چلے جائیں
انکی چٹھیوں کا مطلب یہ تھا:-

"برٹش گورنمنٹ مدت مدید سے بتدریج ہمارے ملک میں مداخلت کرتی چلی آرہی ہے
جس سے ملک افغانستان بھی نہیں بچا۔ اور اسنے مختلف مقامات میں قلعے تعمیر کرلیے ہیں ہم
گورنمنٹ افغانستان سے انکی بارہا شکایت کر چکے ہیں مگر امیر صاحب نے مطلق توجہ نہیں
فرمائی۔ لھذا ہمنے اپنی بے مدد حالت میں اسلام کی خاطر اور اپنے مذہب میں ثابت قدم
ہوکر گورنمنٹ کے مقابلہ پر جہاد کا دروازہ وا کر دیا ہے۔ اور گورنمنٹ انگریزی کے ہر طرح سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ ہمنے اسکے پانچ قلعے ہنگو کے اوپر کوہ سمانا میں اور ایک سلسلہ سمانہ کی ذیل میں اور ایک درہ ابلان میں اور ایک تھانہ تورا وادی میں ایک کا ہی ہیں۔ ایک تھانہ گھاو چنا میں۔ ایک تھانہ شمس الدین میں۔ ایک تھانہ چار دھیں۔ ایک تھانہ خٹک کے پاس قلعہ کار میں ایک تھانہ نیماک میں۔ ایک تھانہ نرائی آب میں۔ اور سند و بازار نرائی آب کو تباہ و برباد کرکے لوٹ لیا ہے۔ اب میرے بڑے قلعے پہاڑ مذکور کی چوٹی پر بننے باقی رہگئے ہیں۔ وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ ہم جلد خاک سیاہ کرینگے۔ تیراہ کے تمام لوگوں نے پہاڑ پر ڈیرہ جما لیا ہے اور اسکے ذیل میں کوہاٹ سے لیکر اودکریان تک بضلع کرم میں واقع ہے اور وہاں اورکزیوں کی سرحد ہے۔ تمام فرقے اپنے اپنے علاقوں میں جہاد کر رہے ہیں۔ ہم کبھی برٹش گورنمنٹ کی بیعت نہیں کرینگے اور نہ اسکی رعایا ہو کر رہینگے۔ اور نہ اپنے ملک کی عنان حکومت اسکے ہاتھوں میں دینگے۔ برعکس اسکے ہم شاہ اسلام کی حکومت کے زیر نگیں رہنا چاہتے ہیں۔ اسلئے اسلامیہ حکومت کو لازم ہے کہ صرف ہماری مفاد کو ہی نہ دیکھیے اور نہ ہماری حالت پر ہی غور کرے۔ بلکہ کل افغانستان کے بہبود

کتنے سرکاری قلعے سرحدی قبائل نے لے لیے ہیں

دسو دکو سوچے لہذا ہم اپنے یہ ۱۸ ملک علما اور بزرگ یورہ مینس کیخدمت میں بھیجتے ہیں
اب ہم سلسلہ سامانہ پر جہاد میں مشغول ہیں۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ شاہ اسلام
ہماری امداد کے واسطے جو کچھ مناسب سمجھیں گے ضرور کرینگے۔ اور ہم بعونہ تعالیٰ
آپکی ہدایت سے سر مو تجاوز نہیں کرینگے۔ کیونکہ ہم اپنے تمام معاملات اور انتظام طرح
سے آپکے ہاتھوں میں دیتے ہیں۔ ہمنے اپنے فرقوں کو آپکی خدمت کے واسطے آمادہ کیا
ہے۔ اب یورہ مینس کو دلی مراد حاصل کرنیکا موقعہ ہے۔ کیونکہ اس وقت تمام مسلمان
باقاعدہ افواج۔ توپخانہ اور نقدی کی صورت میں آپکے اقتدار میں ہیں۔ اگر گورنمنٹ
انگلشیہ مظفر و منصور ہوئی تو وہ مسلمانوں کو تباہ کردیگی۔ پس آپ اپنی اس طرف کی خدمات
ہماری سپرد کریں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ہماری درخواست ملاحظہ فرما کر ہمیں جواب سے
سرفراز فرمائیں گے۔ مورخہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ"

اسکے جواب میں امیر صاحب نے انہیں لکھا ہے:۔

"میںنے تمہاری تمام درخواستوں کو دیکھا ہے۔ اور ان سب کا ایک ہی مدعا ہے۔ اور
اب میں بجواب اسکے آپ لوگوں کو لکھتا ہوں کہ مجھے کابل میں آئے ہوئے سال گذرے
ہیں اور تم خود جانتے ہو کہ میں ایک فصہ خیبر کی راہ سے ہی راولپنڈی گیا تھا۔ میں لارڈ
گورنمنٹ کے ساتھ اپنے اتحاد کے خیال سے انکے ملک میں بطور انکے مہمان کے گیا تھا اور
میںنے راستہ میں تمہاری کئی فرقہ والے اس درہ کی دونوں طرف دیکھے ہیں جنہوں نے مجھے سلام کیا تھا
اب آپ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اگر یہہ صحیح ہے تو کیوں اس وقت مجھے نہیں کہا تھا تاکہ
میں اس وقت ہز اکسیلنسی وائسرائے کے ساتھ اسبارہ میں ذکر کرتا؟ اسکے چند سال بعد
جب سرحد قایم ہو رہی تھی اور سر مارٹیمر ڈیورینڈ خیبر کے راستہ سے گذر کر کابل آئے
تھے یہہ حال تمام فرقوں کو معلوم تھا۔ انہوں نے سفارت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا
تب کیوں آپکے ملا ملک اور علما میرے پاس نہ آئے جب سر مارٹیمر ڈیورینڈ سرحد کا فیصلہ

کرنے کے واسطے بااختیار ہو کر آئے تھے۔ تاکہ میں اس امر پر بھی بحث کرنے کے قابل ہوتا۔ اُس وقت تم سب خاموش رہے۔ اور اب میں نہیں جانتا کہ کیوں انگریزوں اور تمہاری درمیان تخالف پیدا ہو گیا ہے۔ اور ایسی حالت میں تم مجھے اطلاع دیتے ہو جبکہ تم نے اُنکے ساتھ لڑائی کر کے اُنکو ناراض کر دیا ہے۔

امیر صاحب کا انگریزی عہد دینی

معاملات ملک کی نسبت میرا برٹش گورنمنٹ کے ساتھ عہدنامہ ہو چکا ہے اور اس وقت تک اُنہوں نے باوجود عیسائی ہونے کے عہد کی خلاف ورزی نہیں کی۔ تب ہم کسطرح عہدنامہ کو توڑ سکتے ہیں؟ آپ کلام مجید کی آیۃ "اوفوا بعھدی اوف بعھدکم" کی نسبت کیا کہتے ہو۔ جسکا منشاء یہ ہے کہ اپنا عہد پورا کرو۔ اور قول کا پختہ ہونا مسلمان کا بھلا فرض ہے۔ خدائے تعالیٰ نے جب پہلا اقرار لیا تو اپنی تمام مخلوقات سے دریافت کیا کہ تمہارا خدا کون ہے۔ سب نے جواب دیا کہ "آپ ہی بیشک ہمارے خدا اور ہمارے خالق ہیں"۔ اسلیئے قیامت کے دن سب سے پہلا سوال قول و اقرار کے پورا کرنے کی نسبت ہوگا۔ اور یہی دینداروں اور بے ایمانوں کی شناخت کا معیار ہوگا۔ اس طرح آپ متیقن ہو جائیں گے کہ عہدنامہ کا معاملہ بہت ضروری ہے۔ میں کبھی بلاوجہ اور موقعہ اقرارنامہ سے انحراف نہیں کرونگا۔ کیونکہ انگریز ابتک اُس سرحدی لین سے منحرف نہیں ہوئے۔ جو اُنہوں نے میرے ساتھ قائم کی ہوئی ہے۔ تب میں کیوں اُسکے برخلاف ہوں؟ انحراف کرنا سراسر خلاف انصاف ہے۔ میں چند خودغرض اشخاص کے کہنے سے اپنے اور اپنے لوگوں کے نام کو بٹہ نہیں لگا سکتا۔

"جو کچھ تمنے اپنے اعمال سے کیا ہے اب اُسکا خمیازہ اپنی گردن پر اُٹھاؤ مجھے تمہارے ساتھ مطلق سروکار نہیں۔ تم اپنے معاملات کو خود اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔ اس وقت جبکہ تم معاملہ کو بگاڑ چکے ہو مجھ سے مدد مانگتے ہو۔ تمنے وہ وقت فضول گذار دیا ہے جبکہ معاملہ سدھر سکتا تھا۔ اب میں کچھ کہہ سکتا ہوں نہ کر سکتا ہوں۔ تمنے میرے پاس جو

ملک بھیجے تھے میں نے انکو واپس کر دیا ہے۔ میں نے ہر ایک کو ایک لنگی اور دس روپیہ نقد بطور زادِ راہ کے دیئے ہیں۔ اور انکو کابل آنے کی تکلیف نہیں دی۔

امیر صاحب نے مشرقی افغانستان اور افغانوں کی تنبیہ کے واسطے یہ اعلان جاری کیا ہے:۔

"یہ اعلان امیر ضیاء الملت والدین کی طرف سے ہے"

"افغانستان کے علماء و فضلائے کرام جو میرے ملک یا قطاع کوہ و جبال میں رہتے ہیں واضح ہو کہ مجھے تمہارے حالات تمہاری درخواستوں اور اپنے مخبروں کی زبانی معلوم ہوتے ہیں اور میں بخوبی جانتا ہوں کہ تم اپنے گھروں اور مجلسوں میں بیٹھکر کہتے ہو کہ میں نے تمکو برٹش گورنمنٹ کے ہاتھوں میں نقد کے واسطے فروخت کر دیا ہے۔

اندریں حالکہ تمہاری اور برٹش گورنمنٹ کے مابین لڑائی چھڑ گئی ہے میں آرام و آسایش سے بیٹھا ہوں۔ ان حالات میں میں مناسب مصلحت سمجھتا ہوں کہ تم سے تمام واقعات بوضاحت بیان کروں اور تمہارے تذکروں کے تخمینہ اور ہیروں"

اسکے بعد امیر صاحب امیر شیر علی خاں کے عہد میں برٹش گورنمنٹ کی پالیسی کا ذکر کرتے ہیں کہتے ہیں کہ شیر علی جاہل تھا۔ اور اسکا بیٹا یعقوب خاں اس وصف میں اسکا وارث تھا۔ دل الذکر کرنے تو روس کے ساتھ سازش شروع کر دی۔ اور وہ سوغرہ الذکر کرتے افغان ملک اور افغان فرقوں میں سے بجز کوگنری کی حفاظت کا ذمہ اوٹھایا۔ انگریزوں کو اندریں افغانستان کے الحاق کی کوئی آرزو نہیں تھی وہ صرف بجز کوگنری کی ہلاکت کا انتظام کیا چاہتے تھے اور یعقوب خاں کی جانشینی کا انتظام کرنیکے خواہشمند تھے۔ میں نے اپنا پورا اطمینان کر لیا انکی دلی تمنا صرف یہی تھی کہ وہ افغانستان کو دشمن کے حملہ سے بچاویں [illegible]

انگریزوں کی الحاق افغانستان کی آرزو

اسکے بعد فرقوں کیطرف توجہ رجوع کر کے بتایا گیا ہے کہ انہوں نے کسطرح برٹش گورنمنٹ

کی اطاعت کا جُوا اپنی گردنوں میں پہنا اور اُس سے وظیفہ لینے کا بندوبست کیا۔ اور
باینہمہ اب ایک فقیر کی انگیخت پر جسکے آباؤ اجداد کا حال شاہ اسلام کو مطلق معلوم
نہیں ہے۔ بے سوچے سمجھے کہلبلی اور بغاوت مچانے کے درپے ہوگئے ہیں اور چونکہ
اُنہوں نے اس حرکت کے مرتکب ہونے سے پہلے اُنکے ساتھ کوئی مشورہ نہیں کیا۔ لہذا
اب اُنکا امیر صاحب کو مطعون کرنا کسی صورت سے جائز نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ کئی بار
برٹش گورنمنٹ کو بتا چکے ہیں کہ ہم امیر سے بالکل خودمختار ہیں۔ اور اِنمیں سے
بجائے خود ہر ایک شخص بادشاہ ہے۔ پس اس حال میں وہ اپنا قضیہ آپ ہی
نمٹلیں۔

اسکے بعد امیر صاحب لکھتے ہیں:۔

"کیوں تم اس شورش کو جہاد یا مذہبی جنگ کہتے ہو؟ جہاد کا وقت آئیگا اور جب
یہہ آئیگا اُس وقت تمکو خود ہی اطلاع ملجاویگی۔ اگر تمنے اُس موقعہ پر دادِ مردانگی دی
تب میں تمکو مذہبی پیشوا کہونگا۔ لیکن جہاد کی سب سے پہلی شرط یہہ ہے کہ شاہ اسلام کے
ساتھ ملکر کارروائی کیجائے۔ اور یہہ عجیب بات ہے کہ شاہ کو تو انگریزوں کے ساتھ
اتحاد ہے اور تم جہاد جہاد لے اُٹھے ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم آپ ہی خودمختار
بادشاہ ہو۔ اور تمکو اپنے اوپر کسی بادشاہ کی ضرورت نہیں ہے۔ سال گذرے
ہیں کہ ایک فرقہ فرانس میں بھی ایسا ہی واقعہ ہوا تھا۔ اور لوگوں نے بادشاہ کے
مقابلہ پر باغی ہوکر اُسکو تخت سے اُتار کر لنڈن بھیجدیا۔ جہاں وہ بیوقت موت سے
مرگیا۔ میں کبھی تمہارے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دونگا۔ اور نہ تمکو اپنا مدعا پورا
کرنے سے روکونگا۔ بشرطیکہ یہ اصول مذہب کے مطابق ہو۔ لیکن موجودہ شورش کو
مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ تمام مسلمان خیرخواہ انگریز ہیں اور بہت فرقے انگریز دلکا
ساتھ دے رہے ہیں۔ جب تمہارے ہی لوگ اُنکو مدد دیتے ہیں تو میں کسطرح متہم

جہاد شورش امیر صاحب کی رائے میں جہاد نہیں

ہوسکتا ہوں"؟ اور چونکہ فرقوں نے اس شورش کی وجہ چترال اور سوات پر برٹش قبضہ ہونا بتائی ہے۔ لہذا امیر صاحب اسکے جواب میں کہتے ہیں:۔

"میں تمکو بتاتا ہوں کہ چترال کا قبضہ لینے سے گورنمنٹ کا ہرگز یہ مدعا نہیں ہے کہ لگان اراضی یا ٹیکس مشخص کیا جائے۔ اسکی خواہش صرف یہ ہے کہ اس ملک کی آبادی بڑھائی جائے اور روس کے آئندہ حملوں سے بچنے کے واسطے سرحد کو مستحکم کیا جائے چنانچہ اسنے سوات کے اُن رئیسوں کا مالیہ معاف کر دیا ہے جو واقعی گورنمنٹ مذکور کے قبضہ میں آچکے ہیں"۔

اخیر میں مزہ ائینس لکھتے ہیں کہ:۔

"غرض مجھے تمہارے دھندوں سے کوئی تعلق نہیں اور نہ مجھے تمسے کوئی کام ہے کیونکہ مجھے تم پر کوئی عتب نہیں ہے۔ اور تم کبھی یہ خیال اپنے دلوں میں نہ لاؤ کہ میں شیر علی کیطرح ایسا احمق ہوں کہ تمہاری خاطر دوسروں کو ناراض کرتا پھروں گا۔ اور اگر میں یہ حماقت کر بیٹھوں تو میں یقین کرتا ہوں کہ تم ہمیں میں آگ لگا کر الگ ہو جاؤ گے"۔

غرض امیر عبدالرحمن خاں صاحب سرکار انگریزی کی دوستی پر مضبوطی سے قائم ہیں اور اس دوستی کی قدر بخوبی جانتے ہیں۔

امیر عبدالرحمن خاں کی زندگی کا اعلےٰ مقصد یہ ہے کہ انکے دیکھتے دیکھتے افغانستان ایک نہایت مضبوط اور ایسی خود مختار سلطنت ہو جاوے کہ اُسے ہر وقت روس اور انگلستان کی ہمسائگت میں اپنی سلامتی کا خدشہ نہ رہے اور اس کام کی تکمیل کے لیئے وہ غیر معمولی تدبر اور دانشمندی سے اپنے ملک کے اندرونی اور بیرونی وسائل کو مستعدی کے ساتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ انگلستان کیطرف سے انہیں مداخلت کا کم اندیشہ ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ انگلستان افغانستان پر اپنا قبضہ نہ رکھ سکنے کی کمزوری سے بخوبی

امیر صاحب کی زندگی کا اصل مقصد

واقف ہے۔ اور جو وہ تجربے وہ اس بارہ میں کر چکا ہے اُس پر تیسرا اضافہ نہ کریگا۔
لیکن روس کی طرف سے انہیں خطرہ کا اندیشہ ہے۔ جبتک کہ روس کو ملک گیری اور
خصوصاً ہندوستان پر قبضہ کرنیکا شوق ہے۔ لارڈ چلمسفورڈ نے ایشیاٹک کوارٹرلی
ریویو میں ۱۸۷۹ء کے درمیان ایک مضمون میں جہاں انگریزوں کو صلاح دی تھی کہ آئندہ
افغانستان پر حملہ کرنیکا کبھی ارادہ نہ کرنا وہیں انہیں سمجھایا تھا کہ اگر روس نے افغانستان
پر قبضہ بھی کر لیا تو بھی ہماری سلطنت ہندوستان کو اس سے ہراساں نہیں ہونا چاہیئے
کیونکہ اگر قندھار اور غزنی پر روس قابض ہو گیا تو تب بھی دریائے سندھ سے تین سو
میل دور ہوگا۔ اور اگر کابل پر قبضہ کر لیا تو پشاور سے ۱۵۰ میل پر ہوگا۔ جالیکہ
دونوں کے درمیان سخت جنگجو سرحدی قوموں کی ایک خاصی باڑھ ہوگی۔ افسوس ہے
کہ لارڈ چلمسفورڈ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ جبکہ ہندوستان کی ہوس کے لیئے روس
ہزارہا میل طے کر کے کابل تک پہونچیگا تو آگے دو تین سو میل طے کرنے میں اُسے
کیا دقت رہیگی۔ بہرحال ہندوستان پر روس کے حملہ کا خطرہ مدت سے چلا آتا
ہے۔ اور انگریزی مدبر اسکی روک تھام کی تمام ممکن تدابیر عمل میں لا رہے ہیں
سرحدیں مضبوط کیجاتی ہیں۔ عہدنامے کیئے جاتے ہیں اور امیر صاحب کابل کو خوش
رکھنے اور مضبوط بنانے کی کوشش کیجاتی ہے۔ لیکن روس کے حملہ کا اندیشہ انگلستان
اور افغانستان کو برابر لگا ہوا ہے۔ سر لیپل گریفن نے ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو میں
ایک مضمون میں یہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ روس کم از کم موجودہ فصل
میں ایک لاکھ فوج سرحد افغانستان و ہندوستان پر نہیں لا سکتا اور اس سے کم فوج لانے
میں ہمیں اس سے کوئی اندیشہ نہیں۔ مگر روس بھی ان تمام حسابات سے واقف
ہے۔ اور وہ سرحد افغانستان پر بڑھنے کی برابر کوششوں میں مصروف ہے
امیر عبدالرحمن خاں کے لیئے ایسے زبردست دشمن سے اپنے ملک کو محفوظ کرنا بڑا

انگلستان اور روس کے افغانستان کی نسبت ارادے

اہم اور مشکل کام ہے اور وہ بڑی سرگرمی کے ساتھ اسمیں مصروف ہیں۔ کبھی کبھی لوگ کہہ دیتے ہیں کہ امیر صاحب روس کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات قائم رکھتے ہیں مگر پنجدیہ وغیرہ کے معاملات پر نظر کرکے اس بات پر یقین نہیں ہوسکتا۔ حال میں بعض حلقوں سے یہ بھی صلاح پیدا ہوئی ہے کہ دنیا کی تین مسلمان سلطنتیں یعنی ٹرکی ایران اور افغانستان آپسمیں اتحاد پیدا کرلیں۔ لیکن بادی النظر میں یہ بات سہل الحصول نہیں نظر آتی۔ گو کہا جاتا ہے کہ کم از کم ٹرکی سے ایسا اتحاد پیدا کرنے کے لیئے امیر صاحب رضامند ہیں اور شاہ مظفر الدین شہنشاہ ایران نے بھی اس ارادہ کے متواتر ثبوت اپنی طرف سے دیئے ہیں۔

مسلمان سلطنتوں کا اتحاد

میں نے ان اوراق میں تمام ایسے واقعات جمع کردینے کی کوشش کی ہے جو نہایت معتبر زبانی و سائل یا یوروپی رہند وستان کے اخبارات اور رسالجات سے مجھے ملے ہیں۔ اور گو ممکن ہے کہ انمیں سے بعض باتیں افراط و تفریط پر مبنی ہوں لیکن میں نے جس نیک نیتی سے اور زاجانب داری سے زمانہ حال کے افغانستان کے اس عظیم الشان امیر کے حالات جمع کیئے ہیں عیب پوش ناظرین سے امید ہے کہ وہ بھی انہیں اسی روشنی میں پڑھیں گے۔

تمام شد

ضمیمہ اوّل

عبدالرحمٰن خاں امیر افغانستان

[ایک تجربہ کار مشرقی سیاح کے خیالات جو اُنسے بخوبی واقف ہے]

[رسالہ ریویو آف ریویوز سے ترجمہ کیا گیا ہے]

شمالی اور شمالمغربی سرحد کی نسبت ہندوستان کی پالیسی کی کامیابی کا بڑا انحصار مسلمان بادشاہ کابل کے ساتھ ارتباط پر موقوف ہے۔ اُن حدود پر گذشتہ تین ماہ کے مضطرب حالات جنکی اگر بناء کا نہیں تو ترقی دینے کا الزام کئی اہل الرائے امیر صاحب کابل کے حوصلہ دلانے اور یاری کرنے پر موقوف رکھتے ہیں۔ ان امیر صاحب کے حالات مقتضی اس امر کے نہیں کہ تاریخ کے عظیم مشرقی بادشاہوں میں سے انکی طبیعت اور موجودہ حالت کا کسیقدر تذکرہ کیا جائے امیر عبدالرحمٰن خاں امیر دوست محمد خاں کے صاحبزادے سردار محمد افضل خاں مرحوم کے شاہزادے ہیں۔ جو کچھ عرصہ امیر بھی رہے تھے۔ پارلیمنٹ کے کاغذات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر صاحب جلال ان تمام ممالک پر مقاطعہ ہوئے ہیں۔ جو انکے چچا شیر علی سے انکے چچیرے بھائی یعقوب خاں کو ملے۔ جو ۱۸۷۸ء کی خونریزی کابل کے بعد انکے تخت سے دست بردار ہونے پر امیر عبدالرحمٰن خاں پر گذرے اس طرح امیر صاحب ہمیشہ سمجھتے ہیں کہ (سرحدی) فرقوں کا ملک ۱۸۹۳ء کی معاہدہ

ریورینڈ لائن سے اُنکی سلطنت کے باہر ہوگیا ہے۔ اور قیاس کیا جاتا ہے کہ بھی حالت بعد وفات امیر صاحب کی قائم رہنی چاہیئے۔ تاہم اُنہوں نے اپنے دورانِ حکومت میں اِن ممالک میں پاؤں جمانے کے واسطے ہر ایک حیلہ اور کوشش کی ہے۔ چنانچہ وزیرستان۔ باجوار اور علاقہ مہمند میں وہ ہر قسم کی تدبیر اور پیچ سے بتدریج دخل پانے کی کوشش کرتے رہے۔ حتےٰ کہ ایک دفعہ برٹش گورنمنٹ پہلے دو مقامات کی نسبت اُنسے بگاڑ کرنے کو بھی آمادہ ہوگئی تھی اور اُنکو یہاں تک دھمکی دیدی تھی کہ اگر اُنہوں نے اتنی جلدی اُن مقامات کو نہ چھوڑا ہوتا تو جبراً وہاں سے نکالے جائیں گے۔ اِنکی وفات کے بعد ممکن ہے کہ نئے امیر سے کہ جسکو اپنے مقدم جانشین کی نسبت برٹش سرحد پر اپنے ہم مذہبوں پر حکومت کرنیکا بڑا اشتیاق ہے۔ سرکار کی مڈبھیڑ ہوجائے۔ اور اگر لنڈن میں ایسے فریق کو عروج حاصل ہوگیا جو اس نئی تدبیر کے مزاحم ہونے کی پروا نکرے تو ہماری سرحدی ڈویژنوں کا ہر ایک حصہ خواہ وہ آگے بڑھنے والی یا پیچھے ہٹنے والی ساخت کا ہو سب غارت ہوجائیگا۔

امیر عبدالرحمٰن خاں کی عمر اس وقت ساٹھ سال سے تجاوز کرگئی ہے اور وہ دو تین دفعہ مرض نقرس سے لب گور تک پہونچ چکے ہیں۔ ۱۸۹۶ء میں اس مرض نے ایسا سخت عود کیا تھا کہ اسکے لاعلاج ہونیکا یقین ہوگیا تھا۔ اور کچھ دیر بلاشبہہ یہاں تک خدشہ ہوگیا تھا کہ وہ واقعی اسکے حملہ کی تاب نہیں لاسکے اس مرض کے کچھ نہ کچھ متوحش حملے برابر جاری رہتے ہیں۔ جسنے اِنکو بارہا مارے درد کے دربار چھوڑنا پڑتا ہے۔ لہذا انگلستان کو لازم ہے کہ اس بڑے مسئلہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے جو تخت کی دفعتاً خالی ہونے پر حل کیا جانا لازم ہے۔

(آئندہ امیر)

اگر امیر صاحب پچھلی دفعہ گذر جاتے۔ اور بہت سے ہندوستانیوں کے حسب اعتقاد امیر صاحب کے سب سے بڑے شاہزادے (سردار) حبیب اللہ خاں اُنکے جانشین ہوتے لیکن یہہ معلوم نہیں ہوا کہ ابھی اُنہوں نے کسی کو اپنا وارث نامزد کیا ہے یا نہیں۔ شائد کہ وہ عمر جان کے بڑا ہونے کے منتظر ہونگے۔ جو اس وقت خاندان میں شاہی والدہ کے بطن سے ہے۔ یہہ امیر صاحب کی سب سے پہلی منکوحہ بیگم "حرم صاحبہ" یا ملکہ کے بطن سے ہے۔ جو اپنے خاوند کیطرح امیر دوست محمد خاں کی پوتی ہے۔ اس طرح وہ ایک دوسرے کے چچازاد ہیں۔ اور بچہ عمر جان یورپین خیال کے مطابق صحیح شاہی سلسلہ ورثہ سے ہے۔ اور اسلئے صلبی اولاد ہے۔ شہزادہ حبیب اللہ خاں اور نصر اللہ خاں ایک کمتر درجہ کی بیوی کے بطن سے ہیں۔

عمر جان کی ماں بہت بھاری خصوصیت اور اپنے آقا اور مالک پر کسیقدر رسوخ بھی رکھتی ہے۔ کابل کے سیاحوں کا بیان ہے کہ اگر امیر صاحب کو بھی وراثت تخت چھوڑنے کے بغیر فوت ہوں تو وہ اپنے شاہزادہ عمر جان کو تخت پر متمکن کرنیکی کوشش کریگی۔ اور بہت کچھہ برٹش گورنمنٹ کے خیالات پر منحصر ہوگا۔ اگر یہہ کسی ایسے شخص کیطرف مائل ہوگی کہ جس سے اس مطلب کے واسطے اسکو معلوم ہو کہ کسی دوسرے کی نسبت اس سے زیادہ تر کامیابی سے ہمارا مطلب حل کرسکتی ہے تو یہہ بلاشبہہ اُسی کی مددگار رہیگی۔

امیر صاحب کے خاندان سے باہر کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جسکو کہ تینوں شاہزادوں کے مقابلہ پہ کامیابی کی امید ہو۔ لیکن اگر شیر علی کا بیٹا شہزادہ ایوب خاں کہ جسنے ۱۸۸۰ء میں برنز صاحب کے بریگیڈ کو میوند میں شکست دی تھی عین وقت پر افغانستان پہنچ جائے۔ تو پھر تو خوب ہی خانہ جنگی اور خونریزی

ہوگی۔ تاحال پرانے خاندان کے کئی تعلقہ دار موجود ہیں جو فوراً جمع کر آرام نوجوان جنرل کے گرد جمع ہوجائیں گے۔ جو اب ڈھلتی عمر اور معقول درجہ کے فہم و فراست کا شخص ہے۔

[امیر عبدالرحمن خاں کے ابتدائی حالات]

اس آرٹیکل کے ہیرو امیر عبدالرحمن خاں کا دور زندگی عجیب و غریب ہے۔ ابتدائی زمانہ سمرقند کیطرف بھاگنے کے پہلے یہ ہمیشہ اپنے باپ افضل خاں کے واسطے معرکوں میں مصروف رہے ہے کہ جنکے باعث اُنکو بحیثیت سپہ سالار اور سرغنہ کے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ اُنکی لڑائیاں جو عموماً لمبی ہوتی تھیں اور نہایت حکمت عملی کے ساتھ سر کیجاتی تھیں۔ انکا سلسلہ افغانستان کے ایک سرے سے لیکر دوسرے تک چلا گیا تھا جنمیں اُنہوں نے ایسے کثیر التعداد باغیوں کو شکست دی۔ جو کسی نہ کسی تخت کے دعویدار کیطرف سے برسر فساد تھے۔ اسطرح امیر عبدالرحمن خاں نے اپنے چچوں کا جو اُنکے باپ کے بھائی اور دوست محمد خاں کے بیٹے تھے۔ پورا پورا مقابلہ کیا مگر اخیر میں اُنکے واسطے ملک میں رہنا مشکل ہوگیا اور ایسے لشکر سے جو اُنکی اپنی فوج سے بہت زبردست تھا شکست فاش کھاکر اُنہوں نے وہ کارروائی کی جو افغانوں میں ایک تاریخی واقعہ ہے۔ یعنی وہ قلمرو سے روس کو بھاگ گئے۔ جہاں سے ۱۸۸۰ء میں اپنی آبائی گدی پر متمکن ہونیکے واسطے طلب کیے جانے تک زار کے تنخواہ سے وظیفہ پر گذارہ کرتے رہے۔

[اُنکی تخت نشینی]

امیر عبدالرحمن خاں کو یہ اعلےٰ منصب سپرد کرنے کی نسبت سر لیپل گریفن نے سلسلہ جنبانی کی جو اس وقت سر ڈانلڈ سٹوارٹ کے ساتھ پولیٹکل افسر تھے۔ اور کسقدر خط و کتابت کے بعد روسی افسر جو بعد میں پرنس آف ویلز کے ایڈیکانگ بھی ہوئے

امیر عبدالرحمن خاں کو افغانستان کے مقام زیمہ میں لانے کے واسطے بھیجے گئے تھے جہاں پر عبدالرحمن خاں اور سر لیپل گریفن کے مابین اسبارہ میں گفتگو ہوئی پہلے تو انکو اپنے لیئے یہہ مشرقی بار بہت گرانبار معلوم ہوا۔ مگر بعد میں سر لیپل گریفن کی ڈپلومیٹنگ چالیں غالب آئیں اور اُنہوں نے اُسکا خاطر خواہ فیصلہ کر لیا۔ اور جب امیر صاحب نے عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی تو اُنہوں نے باوجود ابتدائی مشکلات اور مزاحمتوں کے اپنی حکومت مستحکم کرنے میں کوئی وقت ضایع نہ کیا۔ اور نرم و گرم تدابیر عمل میں لاکر فائز بمرام ہوئے۔ ایوب خاں جو اپنے والد شیر علیخاں کے ماتحت ہرات کا گورنر تھا۔ اور لارڈ رابرٹس سے کامل شکست کھاکر قندہار کے قریب سے فارس کو بھاگ گیا تھا پھر اس موقعہ پر آموجود ہوا۔ اور اس شہر سے امیر صاحب کی جو افواج آئیں اُنکو شکست دیکر اُسپر فوراً قابض ہوگیا۔ اور جو لوگ وہاں سے نکل بھاگے اُنکا بڑے استقلال اور جرأت کے ساتھہ تعاقب کیا۔ امیر عبدالرحمن خاں نے یہہ حال دیکھکر سوچا کہ جبتک میں بذات خود میدان کارزار میں نہ آؤں گا اس قسم کی تکلیف سے نجات ناممکن ہے۔ اس خیال سے وہ ایک چیدہ فوج لیکر دشمن کیطرف روانہ ہوئے اور قندہار کے قریب ایوب خاں کی فوج کے مقابلہ پر جسنے اُس وقت تک میدان مارا ہوا تھا جا دھمکائے۔ اور اس مہم کو اُنہوں نے بہت جلد سر کیا۔ سردار ایوب خاں کی کیا بضاعت تھی کہ امیر عبدالرحمن خاں جیسے لایق جنرل کی حکمت عملی کا مقابلہ کر سکتا۔ اُنہوں نے جاتے ہی اسکو شکست فاش دی اور لوک دُم فارس کو بھگا دیا۔ جہاں ۱۸۸۱ء تک یہ شاہ فارس کے معزز مہمان رہے۔ اور اسکے بعد ہندوستان میں مناسب عزت کے ساتھہ لائے گئے۔

[امیر صاحب نے اپنی سلطنت کو کسطرح مستحکم کیا!

اس موقعہ پر امیر عبدالرحمن خاں کی کامیابی نے ملک میں دہشت پھیلا دی جو ابھی

سنگین حکومت کے تبدیرنج زیادہ سخت اور زیادہ بے مہر ہونے سے مسلمہ خوف میں مبدل ہوگئی۔ پہلے درجہ کی ہر شخص کی ذات سے بدلحاظی برتنے اور ذرہ بھی کمزوری نہ ہونیکے ساتھ انکی تند مزاجی اور سخت سرد مہری نے جلد انکی نسبت خیال بے اعتباری پیدا کردیا۔ اور ملک میں انکا رعب قایم ہوگیا۔ ایک حاکم کے بعد دوسرا۔ اور ایک رئیس کے بعد دوسرا تاکید اً دار الخلافہ میں بلوا کر کسی نہ کسی بہانہ سے برباد۔ قید یا ذبح کرانے شروع کیے اور اس وقت تک چین نہ لیا۔ جبتک کہ تمام ایسے اشخاص جنکو وہ اپنے دشمن یا بہت زیادہ ہر دلعزیز یا اپنی مخالف سمجھتے تھے دنیا کے تختہ سے نیست و نابود نہ کردیا۔ ہم انکو برٹش تہذیب کی نظر سے نہیں دیکھ سکتے۔ ان کارروائیوں سے بعد میں انکے جو مدعا پورے ہوئے وہ ہماری نظر میں بھلے اور وحشیانہ ہوں لیکن اسمیں کوئی کلام نہیں کہ وکٹوریہ کی شریف اور مہذب حکومت اس غیر مہذب ملک میں کسی مصرف کی نہیں ہے۔ جہاں ہر وقت "فولادی ایڑی" سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب انہوں نے تمام ملک اسی طرح پائمال کرلیا ہے کہ انکی ایک سرگوشی جو سلطنت کے بعید سے بعید حصہ میں پہونچ جائے۔ توپخانہ کی باڑی کا اثر رکھتی ہے۔ جس شخص نے مختلف اوقات پر سلطنت کے مختلف حصوں میں سیاحت کی ہو وہ ذاتی طور پر اسکی تصدیق کرسکتا ہے۔

[الشدا د بغاوت]

لیکن عبد الرحمن خاں کا یہہ بے عدیل زبردست حالت حاصل کرنا کسیقدر مشکل سے خالی نہ تھا۔ چنانچہ دس سال گذرے ہیں کہ غلزیوں کی بغاوت نے انکی خود مختار حکومت کی بنیاد ہلادی تھی۔ اور مدت تک تمام ملک میں طوفان خونریزی پھیلنے کا اندیشہ ہوگیا تھا۔ مگر امیر صاحب بہت خون بہانے اور بربادی پھیلانے کے بعد

اخیر میں اسپر بھی غالب آئے ؛

۱۸۸۸ء میں امیر صاحب کے چچازاد برادر اسحاق خاں کی بغاوت۔ جو اس وقت افغان ترکستان کا گورنر ہی نہیں تھا۔ بلکہ مطلق العنان حکمران تھا تخت کابل کی حفاظت کی وبال جان ثابت ہوئی۔ اسحاق خاں کئی بار صلح وصفائی سے امیر صاحب کے سامنے بلوایا گیا۔ لیکن اس خیال سے کہ سلطنت کے دیگر حصوں میں اسکے ہمعصروں کی بڑی تعداد کے ساتھ کیسا سلوک ہوچکا ہے۔ وہ مختلف حکمتوں سے اس بات کو ٹالتا رہا۔ امیر صاحب نے اس متواتر نافرمانی اور حکم عدولی سے برافروختہ ہوکر اسکے مقابلہ پر فوج روانہ کی جو اسحاق خاں نے شکست دیکر پسپا کردی اور اس فتح سے حوصلہ پاکر اپنی کائنات کو بھول گیا اور کابل کو مسخر کرنے کے بیہودہ خیال سے اس طرف چڑھائی کی۔ لیکن راستہ میں ہی اسکی ایک بڑی جرار فوج سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ جسکی کمانڈ خود امیر صاحب کے ہاتھوں میں تھی اس فوج نے اسحاق خاں کی سب شیخی خاک میں ملادی اور کسی مزید مقابلہ کی امید سے بے بس ہوکر وہ اپنے چند وفادار ہمراہیوں کے ساتھ دریاۓ آکسس کے پار ہوگیا۔ اور روسیوں کے شہر سمرقند میں جادم لیا۔ جہاں خود عبدالرحمن خاں نے اپنی جلاوطنی کے کئی سال بسر کیے تھے۔ اب اسحاق خاں مع اپنے رفقاء کے روس کا مہمان ہے۔ جو اسکو معقول وظیفہ دیتا ہے۔ ادھر امیر صاحب نے مزار شریف پہنچکر اسحاق خاں کے دارالخلافہ میں ایک سال کی رہائش میں معاملات گورنمنٹ سدھارے اور ان لوگوں کو تباہ اور غارت کیا کہ جنکی نسبت انکو اپنے دشمن کی طرفداری اور مدد کرنیکا یقین تھا۔

[اعلےٰ بادشاہ]

تب سے کئی بار انکے مقابلہ میں بغاوتیں ہوچکی ہیں جنمیں سے بڑی مہم کابل اور

ہرات کے مابین ہزارہ جات کی پہاڑیوں میں تھی۔ یہ شیعوں اور سنیوں کا مخلوط
تھا۔ اسمیں حسب معمول امیر صاحب مظفر و منصور رہی۔ ہز ہائینس پیغمبر صاحب کی
سنت کے مقلد اور اسلیئے سُنی ہیں۔ فارس کی بڑی آبادی شیعہ مذہب رکھتی ہے
جو بہت سے افغانستان میں بھی بالخصوص اسکی مغربی حدود میں آباد ہیں۔ اصل
ہزارہ کے ایک ملے جلے فرقہ نے قندہار کیطرف بھی سر اُٹھایا۔ اور اخیر میں انکو
بھی سخت زک ملی۔ ان قوم منگل کے لوگوں نے بھی جو کرم کے مشرق کیطرف صوبہ کابل
میں آباد ہیں۔ چند دفعہ دانت نکالے تھے۔ مگر اخیر میں امیر صاحب نے فتح و نصرت
کے زبور سے انہیں کچوکر ڈالا تھا۔ ان سب کارروائیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ اب امیر
صاحب کی عین حیات میں کسی بغاوت عظیم کا کھٹکا نہیں رہا۔ کیونکہ انہوں نے
ملک بغیر کسی شک کے اسقدر مطیع و منقاد کر لیا ہے کہ وہ اپنے دل سے سختی کے ساتھ
کسی قدر شاہی الوالعزمی اور توجہ خسروانہ سے کام لے سکتے ہیں۔ حالانکہ پیغمبر
صاحب کے نیچے انکے سب سے اعلے منصب کو جو کسی کو نصیب ہو سکتا ہے انکی رعایا
شخصی اور مجموعی طور پر نہایت تعریف و تعظیم اور زیادہ تر وفاداری کی نگاہ سے
دیکھتی ہے۔ انکے نام اور افعال پر تو دلی سرگوشیوں سے مکتہ چینی کیجاتی ہے اور تعریف انکے کی چوٹ کیجاتی ہے اور
اس حوصلہ برگشتہ بخت کے مقسوم میں اور بار لکھا ہے جو علانیہ کوئی ایسی بات کہے
کیا بلکہ اسکا بعید سے بعید بھی مشارٌ الیہ ہز ہائینس کے خلاف شان ہو۔

[برٹش کے ساتھ ارتباط]

ظاہراً امیر صاحب کو ماتحت گورنمنٹ کی وساطت سے انگلستان اور افغانستان
کے مابین ارتباط پر عملدرآمد ہونے پر اعتبار نہیں ہے۔ جسکا ثبوت انکی اس خواہش
سے ملا تھا جو انہوں نے اس غرض سے لنڈن میں سفیر رکھنے کے واسطے ظاہر کی
تھی۔ انکی اس درخواست کے نامنظور ہوتے سے انکی بہت دلشکنی ہوئی تھی

کیونکہ وہ اس امر کے دل سے خواہشمند تھے۔

امیر صاحب اپنے انگریز اور ممالک غیر کے دیگر ملازموں سے نہایت شفقت اور عنایت سے پیش آتے ہیں۔ اور انکو معقول تنخواہیں دیتے ہیں۔ اور بلاشبہ گورے لوگوں کی اس وقت تک بہت قدر و منزلت کرتے ہیں جبتک کہ وہ سیدھے رہیں اور عملی طور پر بہادر ثابت ہوں۔ جو عموماً امیر صاحب کو ان لوگوں کا وصف نظر آیا ہے۔ ہماری نسبت انکا شک صرف ہمارے ڈیپلومیسی اور ہمارے بین الاقوام برتاؤ کی نسبت ہے۔ اور غالباً وائسرائے سے بڑھکر اپنی ویٹیرینری سرجن کی اصلی عزت کرتے ہیں۔ چنانچہ سر سالٹر پین کے ساتھ انکا سلوک بہت ہی محبت آمیز ہوگیا ہے۔ مگر اسبارہ میں شک ہے کہ آیا سر سالٹر پین کا امیر صاحب پر بہت رسوخ تھا۔ یا اب ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ وہ انجنیری امور میں امیر صاحب کو مشورہ دیتے ہیں۔ لیکن معاملات قوم یا اسکی حکومت میں امیر صاحب کا کسی کے رسوخ میں آنا قرین قیاس نہیں ہے۔ اگر امیر صاحب کو ذرہ معلوم ہو جائے کہ سر سالٹر پین کی چال میں ڈیپلومیسی پائی جاتی ہے یا آنکہ انکی تجاویز میں اسکی بو ہے تو پین کو جلد اسکا رنج اٹھانا پڑے۔ امید ہے کہ سر سالٹر پین اس امر سے بہتر واقف ہیں۔

[انکے وظایف بصورت طلا و فولاد]

امیر صاحب کو ابھی تخت نشین ہوئے تین سال ہی نہیں گذرے تھے کہ انہوں نے اپنی مفلسانہ حالت کی شکایت شروع کی۔ اور کہنے لگے کہ امداد کے بغیر مہمات ملکداری کا انصرام ہونا ناممکن ہے۔ اسلیئے انکو ایک لاکھ روپیہ ماہوار کا وظیفہ دیا گیا تھا جسکو دس سال کے بعد سفارت ڈیورنینڈ نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ ماہانہ کر دیا۔ اسی اثناء میں انکو بہاری مقدار اسلحہ اور دیگر سامان حرب کی بھی دیگئی ہے جنمیں سے بعض اسلحہ میدان کارزار کے واسطے بہت مفید تھے اور بروئے اقرارنامہ ڈیورینڈ

مورخہ ۱۴ نومبر ۱۸۹۳ء (دیکھو گذشتہ بلیو بک) انکو صرف حسب مرضی اپنے ملک میں اسلحہ لانے کی اجازت ہی نہیں بلکہ ہماری طرف سے انکے ساتھ اقرار ہو چکا ہے کہ ہم انکو اسبارہ میں مدد دینگے۔ اب انکی فوج زمانہ حال کی رائفلوں سے خوب مسلح ہے اور جسکے پاس سامان حرب و ضرب بھی کثرت سے موجود ہے۔ حالانکہ ملٹری ڈریس اور مدارج ایسے ہیں جو کسی افغان امیر کے خواب میں بھی نظر نہیں آئے۔ کابل کے کارخانے جو اس باہمت اور کامیاب شخص نے سر سالٹر پین کی کوشش سے قائم کیئے ہیں۔ کئی سالوں سے مختلف اسلحہ۔ کلیں اور دیگر ذخایر تیار کر رہے ہیں۔ جنہوں نے ملک کی حالت کو بہت نمایاں ترقی دی ہے۔ اور ایسی صنعتی دستکاری داخل کی ہے۔ جو امیر صاحب اور انکے چیف انجنیر کے واسطے باعث فخر و مباہات ہے۔ ان نئی ترقیوں نے امیر صاحب کی حالت کو بھی بہت استحکام بخشا ہے۔ حتے کہ یورپین طاقت کے لیئے کابل پر حملہ کرنے کی کوشش کرنا طفلانہ کھیل نہیں رہا۔

آغاز حکومت میں امیر عبدالرحمن خاں کو اپنے ملک کے حدود معین کرنیکا بڑا خیال تھا۔ جس غرض کے واسطے ۱۸۸۴ء میں شمالی سرحد قائم کرنیکے واسطے برٹش اور روسی کمیشن مقرر کیا گیا تھا۔ جنے دریائے ہری رود سے لیکر جو سرحد فارسن پر ہے آمو دریا یا اوکسس تک جانب مشرق سرحد قائم کی۔ ۱۸۷۳ء میں جو ختم ہوا کر مقام سے جہیل وکٹوریہ تک و باقی نقشہ انگلستان اور روس کے مابین سرحد قرار دیا گیا تھا۔ خواہ اقرارنامہ کی بے ضابطگی نے عملی طور پر اسکو لاحاصل چٹھی کیطرح بیکار کر دیا۔ کیونکہ شیر علی اور عبدالرحمن اوکسس کے اس پار ملک پر مسلسل قابض رہے۔ اور صرف پچھلے دنوں ضلع پامیر میں جہیل وکٹوریہ اور چینی سرحد کے مابین کا علاقہ جنرل چیرامیڈاف اور روسی ڈیلیمیٹ کی قرارداد کے مطابق خالی کیا گیا تھا۔

فارس مے مشرق کیطرف سرحدمیں جو کرنل سر ڈسٹ جوے اور ایک روسی جنرل نے قایم کی تھی پھوری کامیابی ہوئی تھی اور یہ بجز مشہد اور منجوس واقعہ پنجدہ کے کہ جسمیں روسیوں نے واقعی ایسے وقت میں ملک پر قبضہ کرلیا جبکہ یہہ امیر صاحب کے قبضہ میں تھا کوئی ایسا امر وقوع پذیر نہیں ہوا کہ جسکو انگلستان تاسف کی نگاہ سی دیکھ سکے۔ ہندوستان کو لوٹتے ہوے سر ڈسٹ جوی اور انکے افسر امیر صاحب کو انکے دارالخلافہ میں ملے۔ اور انکے زبردست مستقل اور متکبرانہ برتاؤ کو دیکھکر دنگ رہگئے۔

[انکی لارڈ ڈفرن سے ملاقات]

اسی اثنا میں امیر صاحب نے (۱۸۸۸ء کے موسم بہار میں) لارڈ ڈفرن سے اولنڈی میں ملاقات کی جہاں ایسے اہم امور طے ہوئے۔ کہ جنہوں نے کہ ٹین اسپرس کی نسبت امیر صاحب کی وفاداری کو شہرت کردی اور برٹش ڈیم کے ساتھ انکے معاہدی تعلقات قایم کیے۔ ایک موقعہ میں جسمیں کہ علاوہ کئی اعلے درجہ کے ارکان سلطنت اور مقتدر اصحاب کے حضور وائسرائے لارڈ ڈفرن۔ ڈیوک آف کناٹ کنی ولسی ولیان ہاسٹ دوکناٹ انسپکٹر اور دوسرے افسر شامل تھے۔ امیر صاحب نے بلائی نیام سے وہ تلوار نکالی جو وائسرائے نے انکے پیش کی تھی اور یہ اظہار کیا کہ میں اس تلوار سے برٹش گورنمنٹ کے دشمنوں کو قتل کرونگا۔ ہماری افواج کے عظیم الشان نظارہ سے وہ بہت متعجب اور متاثر ہوئے جسکی گشت اور قواعد کو وہ سپاہیانہ نگاہ سے نہایت دلچسپی کے ساتھ دیکھتے رہے۔ اور کابل کو لوٹنے کے وقت پشاور کے ایک پادری نے پروٹسٹنٹ انجیل انکے پیش کی جنکو انہوں نے باوجود اپنے اسلامی مذہبی جوش کے بڑی عنایت سے قبول کیا۔

[افغانستان افغانوں کے واسطے]

امیر صاحب معاملہ تجارت اور اپنے ملک کے بیچ سے رستہ دینے کے لحاظ سے ناقابل صلح صفدی ہیں۔ اور پرلے درجے کے شکی ہیں۔ کیونکہ اس وقت تک کوئی تجارتی حلقہ یا سنڈیکیٹ انکو اسبارہ میں متحرک کرنیکے قابل نہیں ہوا۔ حالانکہ وہ بخوبی دیکھتے ہیں کہ بیرونی تجارت کے مفاد کے واسطے افغانستان کا کھولنا اخیر میں ملک کو مالا مال اور انکے اپنے مالیہ کو ترقی دیدیگا۔ اس قسم کی غیرت اور دوسروں کی نیتوں کا اعتبار ہونے سے وہ قریباً ایسی ہی خود غرضی سے اپنے ملک کو ممالک غیر کی تجارت سے مسدود رکھتے ہیں۔ جیسے کہ تبت والوں میں پائی جاتی ہے۔ صرف وہ خاص تبہ اور عظمت کے لوگوں کو محفوظ راستہ کا حق دیتے ہیں۔ تاہم نسبتاً افغانستان کے سفر کرنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ابھی بہت عرصہ نہیں گذرا کہ اس مضمون کا راقم خود اس ملک کے ایک ایسے بازار میں تھا جو کئی سال پہلے بدرجہ غایت غیر مہذب تھا۔ اور اب وہاں اس وقت پٹھان نہایت ہی خلیق اور ممنون کرنے والے تھے۔

[ایک فصیح البیان اور ایک طالبعلم]

امیر صاحب کی عام تقریریں سننے میں اعلےٰ درجکی دلچسپی پائی جاتی ہے۔ یہ فی الواقعہ فصاحت۔ لفاظی۔ خود ستائی۔ علم منطق۔ مبالغہ اور ظاہرداری اور تصنع کے مجموعہ کا عجیب مرکب ہوتی ہیں۔ اور انکے درباری اور دیگر سامعین پیکر دیلا کیطرح انکے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ اور وہ انکے ماضی طور پر برق زدہ طبیعتوں پر اپنی غضنفری کے شعبدے دکھاتے ہیں اور انکو اپنے تین چار گھنٹے کے آتش بیان نگر مخیل قابو میں رکھتے ہیں۔ گفتگو کے بعد رعب اور تعجب زدہ حالتیں منتشر کرتے ہیں ذکی اور فہیم ہونیکے علاوہ امیر صاحب بہت عالم و فاضل ظاہر ہوتے ہیں جنکا حافظہ نوع انسانی سے بلا استثنا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ مفید اور قابل باتوں کے علاوہ کتے ہیں اور جو کچھ انہوں نے پڑھا یا سنا ہو بیر ایسے اچھے طور پر بیان کر سکتے ہیں کہ جنکے واسطے دانیال نبی کو نوحہ کرنا پڑے مثلاً

گذشتہ پیچ میں اُنہوں نے تاریخ فرانس سے ایک ایسے امر کا حوالہ دیا تھا۔ کہ جسکو واقعہ ہوئے ۲۰۰ سال گذرے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے جنگ روم اور یونان کے واقعات کو نہایت احتیاط سے معلوم کیا ہے۔

[سکندر اعظم کا وارث]

اِنکے ساتھہ گفتگو کرنے میں بہت دلچسپی پائی جاتی ہے بشرطیکہ گفتگو کرنے والا فارسی یا پشتو زبان سے واقف ہو۔ وہ انگریزی نہیں بولتے اور ترجمان کی وساطت سے اُنکے ساتھہ گفتگو کرنا کماحقہ لطف نہیں دیتا۔ وہ اپنے آپکو سکندر اعظم کے ساتھہ ملانیوالا سلسلہ خیال رکھتے ہیں اور اِنکی دانست میں باقی سلسلے جو اُس نامور بادشاہ کے ساتھہ ملتے ہیں۔ زنگ آلودہ اور سڑے گلے تھے۔

امیر صاحب کی عادات بالکل باقاعدہ ہیں اور مشرقی بادشاہوں کی بڑی تعداد کیطرح نہ وہ پرخوار اور نہ کثرت سے شراب پینے والے ہیں۔ اور افیون کی عادت سے بھی اُنکو سخت نفرت ہے۔ اسکا استعمال بھی صرف اُس وقت کرتے ہیں جبکہ اُنکا پرانا عارضہ نقرس اُنکو سخت تکلیف دیتا ہے۔

[بعض امور جنمیں رگڑا اور شبہہ پیدا ہوتا ہے]

برٹش گورنمنٹ کے ساتھہ برتاؤ کرنے کے بعض پہلوؤں میں امیر صاحب نے صرف تخالف ہی ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ اپنے فایدہ پر اندھا دھند تلے رہے۔ خود مختار وزیرستان میں اُنکی مداخلت باجوڑ میں اسی قسم کے ملک پر ناجایز قبضہ۔ مہمندیوں اور دوسری اقوام پر فضیلت حاصل کرنیکے لیئے جدوجہد اور برٹش گورنمنٹ کے ساتھہ بالکل صاف باہمی قرارداد وں کی خلاف ورزی نے وقتاً فوقتاً بہت تکلیف دی ہے۔ اور اقرار کرنیکے بعد افغانستان و وزیرستان کی سرحد کے فیصلہ کے واسطے کمشنر بھیجنے سے انکار کرنے سے اُنکو فخر کا تمغہ حاصل ہوا۔ اسکے بعد وزیریوں کے باغی ہونے نے ہز ہائینس کے

کسی طرح اسمیں انگیخت کرنیکا بہاری شبہہ پیدا کیا۔ اور بالخصوص اس امر سے کہ امیر صاحب کے گزشتہ خطاب ضیاء الملت والدین اختیار کرنے پر ملا پاوندہ کے جو اونو پر حملہ کرنے اور وہاں تراجی کرنے میں بہاری سرغنہ تھا کابل میں ٹپاک کے ساتھ آوبھگت ہوئی اور امیر صاحب بڑے شفقت اور خلوص سے اس سے پیش آئے۔ یہہ بھی یاد رہے کہ اس وقت تک امیر صاحب اسکی جانی دشمن تھے۔ اور انہوں نے اسکا سر لانے والے کے واسطے ۱۰ ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ بلاشبہہ کل سرحد پر بالخصوص اسکے اس حصہ پر جو کرم اور قندہار کے مابین واقعہ ہے امیر صاحب کا عجیب ناقابل تصریح اندازہ رہا ہے جس سے انکی وفاداری ہندوستان اور انگلستان میں قدرتی طور پر مشتبہہ ہی ہے۔

[شاہزادہ کی سفارت]

اور ایک نظیر جس سے کہ وحشیانہ خلق کے سوا کچھہ اور مترشح ہوتا ہے۔ وہ شاہزادہ نصر اللہ خان کا متکبرانہ اور اجڈ برتاؤ تھا۔ جو ۱۸۹۵ء میں اسمارک (انگلستان) میں آئی۔ کوئی شخص جسکو چشم نیم وا سے بھی معلوم کر سکتا تھا کہ یہہ نوجوان جسکا میلا کانہ انداز اسقدر غرور دار تھا کہ یہہ بے شائبہ اسکی جبلی عادت کا شمہ بھی نہیں تھا۔ ٹھیک ان ہدایتوں کے مطابق کارروائی کر رہا تھا جو اسکو اپنے والد بزرگ سے ملی تھیں۔ ایسے وقت کی ہماری کوین امپریس کی نیاز کے واسطے۔ اور شاہی اور دیگر محلات اور مہذب سوسائٹی کے ساتھہ شائستگی برتنے کے واسطے جو بیجا فی الفور اعلےٰ درجہ کے مہذب انگلستان کا منزل جنت عرفی ہے۔ لیکن امیر صاحب کا جیسا کہ ظاہر ہے اپنے بیٹے کو روانگی سے پہلے ایسے غیر مہذب اخلاق کی تلقین دینا سراسر برائش قوم کی بیحرمتی کرنا ہے۔ امیر صاحب اس بات کی کسطرح توقع کر سکتے تھے کہ اس طرح [illegible] شاہزادہ کی تازک سفارت میں سینٹ جیمس کے دربار میں افغان سفیر کہنے کی حیثیت

ہر مجسٹی کی منظوری حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ اس فوجی اور کابل چالن افغانستان کی روانگی سے لیکر واپسی تک اسی عرصہ میں جبکہ وہ یورپ میں تھا کم از کم اس کے چند عشروں تک یاد رہیگا۔ بعض جگہ یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ وہ کیوں قسطنطنیہ نہیں گیا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ سلطان المعظم نے جو اپنے منہ میں زبان کے ساتھ امیر صاحب کا مسلمانوں کی لیڈری دینا اور نبوت کے معراج کا دعوے کرنا پڑتے ہیں۔ اُس سے کہ جسکو "پرنس نصف النہار" کہتے ہیں ملنا گوارا نہ کیا۔

[ناظرین کی نظر]

امیر صاحب کے سفر یورپ کے طریق مختلف حکمت کے ہیں کابل لندن سے اسقدر دور ہے کہ ہم سب کا حال نہیں سن سکتے۔ لیکن راقم کو یاد نہیں کہ آیا کچھ سال گذرے ہیں کہ ایک سیاح نے یا کہ سول و ملٹری گزٹ کے پشاور کی ایجنٹ نے اسبارہ میں امیر صاحب کی ذاتی ایجاد کی تین مثالیں بتائی تھیں۔ ایک بوڑھے آدمی کی ڈاڑھی کے بال امیر صاحب کی سکھا شاہی کے خلاف عمل کرنیکے واسطے سر دربار نچوائی گئی تھی اور ایک دوسرے کو جو نان بائی تھا اسکے اپنے تنور میں جلانیکا حکم دیا تھا۔ اور ایک تیسرا جسنے اپنے دوستوں کو (نہ) بتایا تھا کہ روسی کابل کیطرف پیشقدمی کر رہے ہیں ایک بلند کھمبے پر کہ جسکے اوپر سٹول باندھا ہوا تھا بٹھایا گیا۔ اور اسکو حکم دیا گیا کہ اونگنے اور تھمنے کے بغیر "روسی آرہے ہیں!" "روسی آرہے ہیں!" زور سے چلاتا رہے۔ اور جب ذرہ بھی ایسا کرنے میں غافل ہو نیچے سے سنتری اُسکو اپنی بندوق کے سنگین کی نوک سے یاد دلائی۔

اب اس امر کی کافی شہادت موجود ہے کہ سرحدی فرقوں کے ملکر برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ پہ علم بغاوت کھڑا کرنے میں امیر صاحب کے شامل ہونیکا شک کرنا سراسر غلطی تھی۔ اب معلوم ہو گیا ہے کہ نہ تو انہوں نے ان گمراہ فرقوں کو برسر آرزم

آنے میں مدد دی - اور نہ انکو حوصلہ دلایا - اور انکا ٹھیک طور پر اور وفاداری کے ساتھ
اس امر سے صفائی کرنا جب انکے مابعد برتاؤ اور کارروائیوں میں دیکھا جاتا ہے تو اسکی
اصلیت میں کوئی شبہہ نہیں رہتا - اور اس سے شکی مزاج والے کا بھی اطمینان
ہو جاتا ہے - اگرچہ امیر صاحب کی رعایا کے بعض متمرد لوگوں کے افعال سے بمعنوی طور پر
یہہ ثابت ہوتا تھا کہ وہ مذہبی شورش کے معاونوں یا پسند کرنے والوں میں سے تھے
تو ہم انکو گذشتہ معرکوں کے عجیب حالات سے اسکا ذمہ دار قرار نہیں دیسکتے تاہم
اس امر کا علم کہ انگلستان اس قسم کی کسی بیوفائی کے واسطے انہیں منتخب کرنے کو
تیار ہے - انکے لیئے آئندہ عہدہ بھی ہو سکتا ہے - چنانچہ الہ آباد کے اخبار "پائونیر"
مطبوعہ ۲۰ اکتوبر کا انتخاب اس بارہ میں عمدہ درس دیتا ہے -

"برٹش ایجنٹ یعقوب کابل کیطرف سے مزید خط و کتابت ظاہر کرتی ہے کہ امیر صاحب
فرقوں کی کارروائی کو جو انہوں نے برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ پر معاندانہ اقدام کرنے
میں اختیار کی ہو مذموم قرار دینے میں استقلال سے تلے ہوئے ہیں - انکے ان احکام کے
بعد جو گورنر جلال آباد کو ان تمام فرقوں کے ڈیپوٹیشنوں کو واپس کرنے کی نسبت
دیئے گئے تھے جو مدد دلنے کی امید سے کابل آ رہے تھے - انکے تک سے اعلان ہی انکی رعایا
کو جنگی کارروائیوں میں کوئی حصہ لینے کی ممانعت کیگئی تھی - اور انکے اہلکاروں کو ہدایت
ہوئی تھی کہ فرقوں کا جو جمع کہ مضطرب قبیلہ میں جانے والا ہو اسکو منتشر کر دیں - ثابت
کرتا ہے کہ ابتک امیر صاحب اپنی پولیسی پر ثابت قدم ہیں - اور انکی طرف سے پہلو بدلنا
قرین قیاس نہیں ہے * * * خبر آئی ہے کہ ہزاہ خیل آفریدیوں پر خصوصیت سے
سخت ناراض ہیں - کیونکہ درہ خیبر کے بند کرنے سے انہوں نے تجارتی کاروانوں
کو ہی نہیں روک دیا - بلکہ ان اسلحہ اور ذخائر کا راستہ بھی مسدود کر دیا ہے
سے لاکر پشاور میں رکھے گئے ہیں - یہہ ریلوے سٹیشن پر پڑی ہیں - جہاں درہ خیبر کے

کھلنے تک پڑے رہیں گے۔

امیر صاحب آفریدیوں کو انکی احمقانہ۔ پُرتذویر اور شرارت آمیز حرکت پر انکو سخت لعن طعن کر رہے ہیں۔ اور علانیہ کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے اس برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ پر علم بغاوت بلند کیا ہے جو ہمیشہ انکے ساتھ بہت عمدہ سلوک کرتی رہی ہے۔ انہوں نے جہان کے معاملہ میں ان فرقوں کے دعاوی کی نہایت زور سے رد کیا ہے اور انکو صاف الفاظ میں کہا یا ہے کہ انکو برے وقت ان سے جہاد کرنیکا اختیار نہیں ہے چنانچہ وہ اپنے لوگوں کے نام اعلان میں برملا کہتے ہیں کہ "ان فسادوں کو کیوں تم جہاد یا غزا کہتے ہو؟ × × × جہاد کی پہلی شرط یہہ ہے کہ بادشاہ اسلام (یعنے وہ خود) انکے ساتھہ ملکر کارروائی کرے۔ یہہ بڑی تعجب کی بات ہے کہ "بادشاہ کا تو انگریزوں کے ساتھہ اتحاد اور موافقت ہو اور پھر بھی تم جہاد جہاد پکارو"۔ اسکے بعد وہ کہتے ہیں کہ فرقے آپسمیں گفتگو کرتے ہوئے اس تمام شورش کی وجہ چترال اور سوات میں برٹش قبضہ بتاتے ہیں۔ اسکے آگے امیر صاحب کہتے ہیں کہ "میں تمکو بتاتا ہوں کہ چترال پر قبضہ کرنے سے برٹش کا مدعا لوگوں سے کوئی ٹکس وصول کرنیکا نہیں ہے" اور پھر باغی فرقوں کو لکھتے ہیں کہ "مجھے تمہارے معاملات سے کوئی سروکار نہیں ہے اور نہ تمہاری ذات سے کوئی تعلق ہے کیونکہ مجھے تم پر مطلق اعتبار نہیں ہے تم کبھی یہ خیال نہ کرو کہ میں امیر شیر علی کیطرح ایسا احمق ہونگا کہ دوسروں کو تمہاری خاطر ناراض کرونگا تمہارا اصل مدعا یہہ ہے کہ میں انگریزوں کے ساتھہ بھڑ پڑوں۔ اور اگر میں ایسی حماقت کر بیٹھوں تو میں یقین کرتا ہوں کہ تم بھس میں آگ لگا کر الگ ہو جانے پر عمل کر کے دور سے تماشا دیکھو۔

ف امیر جسکے ساتھہ ۱۸۷۸ء میں جنگ ہوا تھا۔

انکے اعلان اسقدر بھاری ہیں کہ انکا اس مختصر مضمون میں درج کرنیکی گنجائش نہیں ہے لیکن یہ بہت دلچسپ کاروائی کا غذات ہیں۔ اسقدر لکھنا ضروری ہے کہ انمیں ایک خط جو جہاد کے خیال کو مذموم ظاہر کرتا ہے وہ ۱۳ اگست کا ہے یعنی اس سے ۴ روز پہلے کا جبکہ انکے پاس گورنمنٹ ہند کیطرف سے انکے اور انکی افواج اور انکے کمانڈر انچیف کے بغاوت میں شریک ہونے کی نسبت چٹھی پہنچی۔ انکے اعلانوں میں ایک امر قابل توجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پاگل ملا کے تمام علم سے وہ اغماض کرتے ہیں۔ فرقوں کی گذشتہ حالت کا مفصل تذکرہ کرنے اور یہ دکھانیکے بعد کہ انہوں نے کسطرح برٹش گورنمنٹ کی اطاعت قبول کی اور الائنس قبول کرکے اقرار نامی لکھدیئے۔ امیر صاحب کہتے ہیں کہ اب انہوں نے کسی وجہ کے بغیر اس فقیر کے کہنے پر جسکی ولایت کا حال بادشاہ اسلام کو بھی معلوم نہیں ہے۔ فساد و بغاوت پھیلا رکھی ہے۔ اس پاگل ملا کا حال سوائے اسکے کہ اسکی نسبت ہندوستان اور انگلستان امیر صاحب سے ہر طرح سے پشتو اور فارسی میں سن چکا تھا۔ ہز ہائینس نے ملاؤں کی حالت اور انکے آدمیوں کی بے عقلی و قلت واقفیت کو خیال کیا ہوگا کہ برٹش سرحدی افسر بہت ہی کم مآل اندیش ہیں کہ انہوں نے ایسی لاپرواہی سے اس فساد کو ابتدائے میں ہی کیوں نہ روکا۔ بہت تھوڑی چنگاری اگر یہیں پاؤں سے نہ بجھادی جائے تو بڑے بڑے شہروں کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ یہی صورت اس موقعہ پر تھی اگر ابتدا میں ہی پاگل ملا کو (جو ایسا سودائی نہیں تھا جیسا کہ کہنے والوں نے اسپر دھبہ لگایا۔) قابو کرنے کی کوشش کیجاتی تو آتش فتنہ اسقدر بالاتر نہ ہوتی۔

[خلاصہ]

امیر صاحب کے چال چلن کا اختصار کے ساتھ اس امر کی نسبت رائے قائم کرنا مشکل ہے کہ آیا اسکی کثیر التعداد اور بڑی قابلیتیں انکی عجیب اور جبلی اندرونی

سقموں سے بڑھکر ہیں۔ لیکن ہم بلا خطش خیال کر سکتے ہیں۔ کہ انکے نیچرل اور خواص ان قابلیتوں کے ایسے متضاد ہیں کہ بعض انگریز جنکو وہ عمدہ سمجھتے ہیں۔ غالباً وہ جنکو مُبرّا خیال کرتے ہیں۔ اور انمیں سے بہت جو ظاہری مقدم ہیں اور ترقی دینے سے زیادہ تر متمرد ہونیوالی ہیں انکے زعم میں انکے چال چلن کا سنگار ہیں۔ تاہم جب کبھی انکو کسی انگریز سے ملاقات کرنیکا اتفاق ہوتا ہے۔ باوجود اپنی غیر معمولی اور تحکمانہ عقل کے پرانے باشندہ انگلنڈ کیطرح مانوس اور خلیق ہوجاتے ہیں۔ راقم ذاتی طور پر اسکا ذمہ کر سکتا ہے کہ علاوہ اسکے ہز ہائینس اُن سب سے بڑھکر مشرقی مہمان نواز صاحبوں میں سے ہیں کہ جن سے اُسکو ملنے کا فخر حاصل ہوا۔ اور جسکو وہ ایک فعہ اپنا مہمان کر دیں اُس سے بڑھکر کوئی عمدہ بات نہیں ہے۔ لیکن افغان پہر بھی افغان ہیں۔ کہ جنکی مزاج کے ذاتی خاصوں کو بدلنے کے واسطے صدیاں درکار ہیں۔ امیر صاحب کا ایک سب سے اعلےٰ وصف نظر انداز نہیں ہونا چاہیئے۔ یعنی کہ وہ اعلےٰ درجہ کے محب وطن ہیں اور اُنہوں نے جو کچھ کیا ہے خواہ وہ ہماری نظروں میں کیسا بُرا معلوم ہوا ہو لیکن اُس سے اُنکو ہمیشہ اپنے ملک اور رعایا کی بہبودی مرکوز خاطر رہی ہے۔

بحیثیت مجموعی اسمیں انگلستان کا سراسر فائدہ ہے کہ مدتستا ملک اس سے جدا نہوں اور ہم اس آرٹیکل کو اس دعا پر ختم کرتے ہیں۔ انکی عمر دراز اور اقبال زیادہ ہو۔ جسمیں ہز ہائینس امیر عبدالرحمٰن خاں کے سی۔ ایس۔ آئی۔ کی اصلی سعادت۔ نجابت اور تزاید حشمت ہو۔

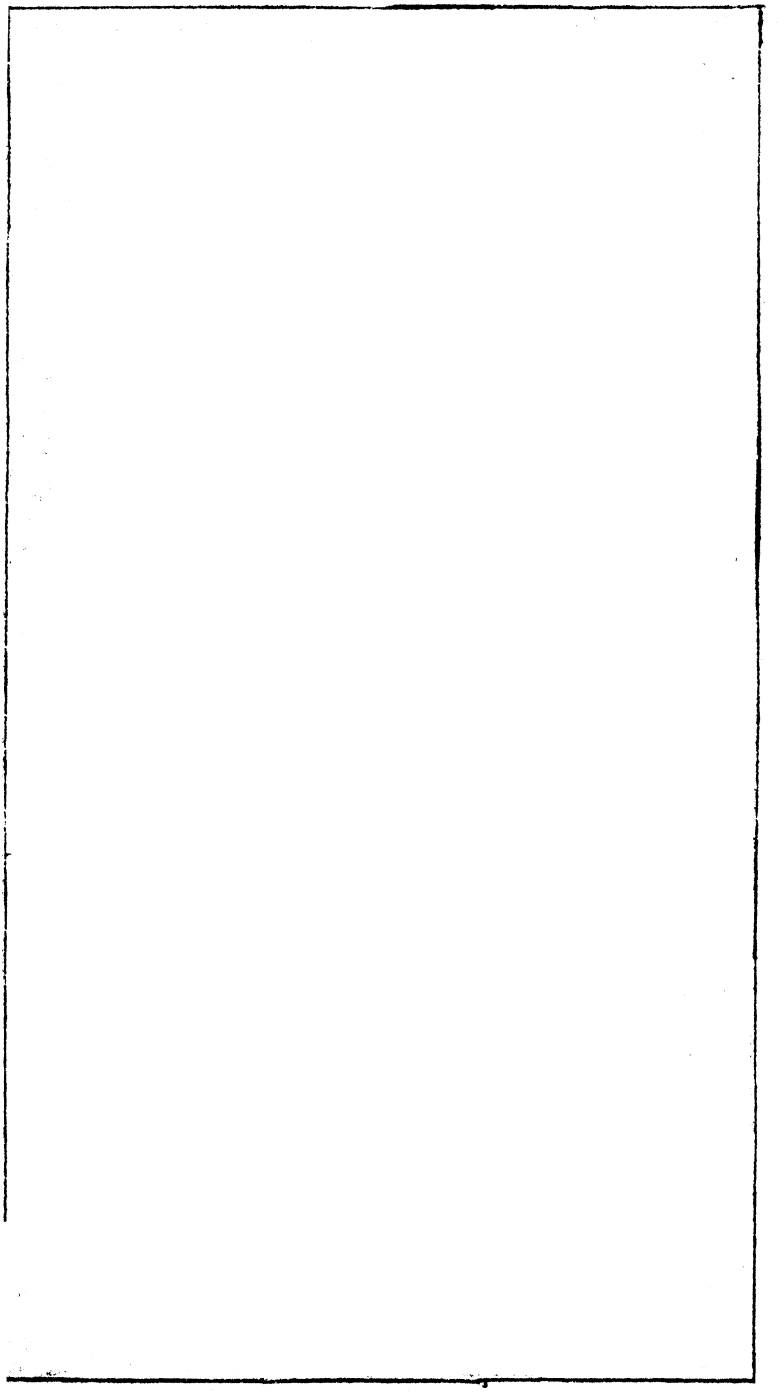

ضمیمہ دوم

ہندوستان پر روس کا حملہ

[رسالہ نائینٹنتھ سنچری سے ترجمہ کیا گیا]

مندرجہ ذیل آرٹیکل ایک روسی افسر نے اپنی گورنمنٹ کی آگاہی کے واسطے تحریر کیا ہے۔ اسکے لکھنے سے راقم کی یہہ غرض ہے کہ وہ عظیم الشان جنگی مسئلہ جو ایک روز انگلستان اور روس کو حل کرنا پڑیگا۔ اسمیں گورنمنٹ روس کو زیادہ آزادی سے کارروائی کرنیکا موقعہ ملے۔

جو معلومات سینٹ پیٹرزبرگ کے وزیر جنگ کو حاصل ہیں افسر مذکور انسے باخبر معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ بریں اسنے کئی انگریزی سیاحوں کے سفرنامے اور کتابیں بھی مطالعہ کی ہیں جو اس مضمون پر لکھی گئی ہیں۔ (اڈیٹر انیسویں صدی)

میں نے بڑی تیزی سے اس مضمون پر قلم اوٹھایا ہے کیونکہ اسمیں ذرا بھی شک نہیں کہ بہ نسبت سپہ سالار اعظم سکوبیلاف کے یہ کام میرے لیئے ہزاروں گنا آسان ہے جب میں اس بارہ میں شہنشاہ پال و شہنشاہ نپولین کی معلومات پر نظر ڈالتا ہوں تو انکے مقابلہ میں اپنی واقفیت کا میدان نہایت وسیع و عریض دکھائی دیتا ہے ہندوستان پر حملہ کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو ساحل بحیرہ کاسپین سے لشکر کشی کیجائے۔ لیکن اپنی موجودہ ایشیائی سرحد سے ہندوستان پر چڑھائی کرنا پہلے سے بالکل مختلف اور نہایت ہی سہل صورت ہے۔ علاوہ اسکے اس وقت جنرل کافمین

کھولیفس۔ کوراپٹکن اور سکوبیلاف کے خیالات اور تجاویز میرے دماغ میں گونج رہی ہیں۔ بہت سی دیگر کتابیں جو فوجی افسروں یا پرائیویٹ اشخاص نے لکھی ہیں میری نظر سے گذری ہیں۔ بالخصوص مسٹر جارج کرزن کی جدید تصنیفات سے مجھے بہت بڑی مدد ملی ہے۔

یہ عظیم الشان جنگ شاید کہ سب سے عظیم ہوگا جو دنیا کی قسمت میں دیکھنا لکھا ہے۔ ایم لی ہاٹ کورٹ کی رائے میں دنیا کی تاریخ پر اس سے ایسا اثر پڑیگا کہ جسکا قبل از وقت معلوم کرنا ناممکن ہے۔ اور توقع کیجاتی ہے کہ یہ خصوصیت کے ساتھ ایسی پولیٹکل پیچیدگیوں سے پُر ہوگا کہ جو ایک حد تک اس مسئلہ کے صاف فوجی معنوں کو غبار آلود کر دیگا۔ اگر ہم انکی طرف دیکھیں اور تھوڑی دیر کے لیئے کسی یورپین پیچیدگی یا اتحاد کا ذکر نظر انداز کر کے صرف اس مسئلہ کے ایشیائی پہلو پر بحث کریں۔ تو روس کے لیئے قدم اور نہایت ضروری پولیٹکل مقصد ایران کی سلطنت ہے کیونکہ شاہ کا ملک روسی فوج کی آمد و رفت کے تمام راستہ بین پہلو میں واقع ہے۔ فوجی طاقت کے لحاظ سے اگرچہ ایران کیطرف سے چنداں اندیشہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن ساتھ ہی ہمکو یہ امر فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ بہت سا اعلےٰ درجہ کا سامان حرب یعنی لڑنے کے قابل آدمی ایران بالخصوص صوبہ خراسان میں موجود ہے۔ اگر عمدہ اسلحہ کے ساتھ انگریزی افسر بھی انکو ملگئے۔ تو پھر ایران روس کا ایک نہایت خوفناک دشمن ثابت ہوگا۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کی یہ رائے ہے کہ شاہ ایران روس کی ناراضی کے خیال سے علانیہ روس کے دشمنوں کے ساتھ شامل نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ اس امر کو گوارا نہیں کریگا کہ انگریز اسکی بے روررعایت پالیسی کو توڑنے کا خیال تک بھی دلمیں لاویں۔ اسلیئے وہ در پردہ بھی انگریزوں سے سازش نہیں کرسکتا۔ شاید یہ معاملات کی ایسی ہی صورت ہو جیسا کہ اہل الرائے تصور کرتے ہیں۔ تاہم ایران کی مخالفت کا خیال

دل سے محو کرنا شایان دانشمندی نہیں ہے۔ بطور ایک دوست کے ایران ہمارے لیئے ایک نہایت گرانقدر بیچ میں حائل سلطنت ہوگا۔ اور ہمارے صرف ایک طرف سے ننگے وسنتے کا بلحاظ جغرافیہ کسی قسم کی سعی سے محافظ ثابت ہوگا۔ ایران کے بعد افغانستان کی پولٹیکل۔ وبہ پر غور کرنا ہمارے لیئے نہایت ضروری ہے۔ ایک ایسے ملک میں لڑائی کے واقع ہونے سے کہ جہانکی دقتیں ہمارے مخالف ہی نہوں بلکہ ہمارے خون کی پیاسی ہوں جو مشکلات اور پیچیدگیاں پیش آسکتی ہیں وہ مخفی نہیں ہیں۔ اور انہیں غالب آنا مشکل ہے۔ برٹش گورنمنٹ اور افغانستان میں باہمی رابطہ و اتحاد قائم رکھنے کے متعلق جو عہد پیمان ہوئے ہیں اگرچہ میں انکی مضبوطی کا قائل نہیں ہوں لیکن پھر بھی میں مناسب سمجھتا ہوں کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے اگر ممکن ہو تو اس ظاہری دوستی کا خاتمہ کیا جائے۔ بہرکیف پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ افغانستان کے زر شناس اور غباز لوگوں کی دوستی کا رخ جنگ سے پہلے بدل دیا جائے۔ بعض لوگ اگرچہ ایک مکار دوست کے مقابلہ میں ایک علانیہ دشمن کو بہتر سمجھتے ہیں۔ جہانتک یہ مسئلہ افغانوں کو فوجی ملازمت دینے کے متعلق ہے۔ میں بھی اندیشہ کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ اور اسکے اتفاقاً لئے ظاہر کرتا ہوں لیکن سامان رسد فراہم کرنیکے معاملہ میں کسی ملک کے فرمانروا اور رعایا کا برائے نام بھی ہماری دوستی کا دم بھرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

افغانستان سے آگے بڑھکر جن لوگوں سے ہمیں سابقہ پڑیگا۔ انکو انگریز سرحدی اقوام کہتے ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں پہاڑی اضلاع میں ہندوستان اور افغانستان کے مابین واقع ہیں۔ اگر ہم افغانی سرحد کو عبور کرکے ان پہاڑی اقوام کے علاقہ تک پہنچگئے۔ تو یہہ ریاستیں ہمارے لیئے ایک اہم مسئلہ پیدا کرینگی۔ گو ان جنگجو لوگوں میں کسی قسم کا فوجی انتظام نہیں پایا جاتا۔ اور اسلحہ بھی یہہ درست نہیں رکھتے۔ لیکن پھر بھی وہ بہت سے جنگی اوصاف سے متصف ہیں۔ اور جا بجا

چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنے کے فن میں بیطولی رکھتے ہیں۔ اگر ہم ان اقوام کو دوست بنالیں تو نہ صرف ہماری راہ سے ایک سنگ گراں دور ہو جائیگا کیونکہ ہندوستان کا ہر ایک درہ انہیں قزاقوں کے ہاتھ میں ہے) بلکہ ہم ان شورہ پشتوں کی ایک بہت بڑی جماعت کو اپنے دشمنوں پر کہلی چھوڑ دینے کے قابل ہونگے۔

انگلستان کے واسطے اپنی رائے میں سب سے ضروری پولیٹکل امر افغانستان کا دوست بنانے کہنا ہے کیونکہ اسی مسئلہ سے ایک دوسرا ایسا ہی اہم معاملہ وابستہ ہے اور وہ ہندوستان کے والیان ریاست اور رعایا کی ہمدردی کا رخ ہے۔ انگلستان نے جو افغانستان کے ساتھ ٹینیو اور ڈیفنسو معاہدہ کیا ہوا ہے اس سے صرف یہی فائدہ اسکو حاصل نہیں ہے کہ روس افغانستان سے دوستی کا عہد و پیمان کر سکے۔ بلکہ اسکے علاوہ انگریزوں کو نہایت عمدہ بہانہ ہاتھ آیا ہوا ہے کہ امیر صاحب کی سلطنت کو محفوظ رکھنے کے بہانہ سے وہ میدان جنگ کو ہندوستان کی سرحد سے دور رکھ سکتے ہیں۔ میں بہانہ کا لفظ اس واسطے استعمال کرتا ہوں کہ روس اس وقت ایسی سنرس رکھتا ہے کہ یہ بات بالکل انگلستان کی طاقت سے خارج ہے کہ براہ راست یا غالباً بالواسطہ افغانستان کے نصف ملک کو محفوظ اور روسی حکومت کو قائم رکھ سکے۔ میدان جنگ کو افغانوں کی سرزمین پر بدل دینے سے اہل ہندوستان نہ صرف اپنی سرزمین میں جنگ کے خطرات سے ہی محفوظ رہیں گے۔ بلکہ چپ چاپ ایک بہت بڑی مقدار خوفناک آتش گیر مادہ کی جس سے کہ مراد دیسی ریاستوں کی باقاعدہ فوجوں سے ہے کافی دور فاصلہ پر پھینک سکیں گے۔

ایران اور ایرانی مسئلہ انگلستان کے واسطے اسقدر جلدی غور طلب نہیں ہے جسقدر کہ روس کیلئے ہے۔ گو یہ ممکن ہے کہ آئندہ کے عظیم الشان اور طویل معرکہ جنگ کی قسمت میں سرزمین ایران پر طے ہونا ہی لکھا ہو۔ اور مشہد

کی لڑائی دنیا کی ایک مشہور فیصلہ کن جنگ ثابت ہو۔

انگریزوں کے لیئے ایک اور پیچیدہ معاملہ سرحدی اقوام کی مشتبہ دوستی کا ہے جو سلطنت ہند یا افغانستان کی مطیع تصور کیجاتی ہیں شمال میں چترال سے لیکر سوات اور بنیر سے گذر کر آفریدیوں اور وزیریوں کے مساکن کی نسبت کچھ کہنا ایک مشہور قصہ کا بار بار دوہرانا ہے۔ یہ فسانہ بدعہدی۔ بیرحمی۔ دغا بازی وحشیانہ مذہبی تعصب اور علانیہ مخالفت کی حالات سے لبریز ہے۔ انمیں سے کسی ایک قوم کی دوستی پر ایک روز کے لیئے بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

میں قصداً ایک اہم مسئلہ آخر میں ذکر کرنے کے لیئے چھوڑ دیا تھا جو انگریزی فوج کی وفاداری کے متعلق ہے۔ ہندوستان کی محافظ فوج میں دو تہائی ایسے سپاہی شریک ہیں۔ میں اس مسئلہ کی اچھی طرح چھان بین کرنیکے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ سکھوں اور گورکھیوں کے سوائے دیگر ہندوستانی قومیں ایسی ہوشیاری سے مختلف جتھوں میں بھرتی کیگئی ہیں کہ وہ کسی طرح خود بخود انگریزی تاج سے بغاوت نہیں کرسکتیں۔ میں سکھوں کو اور سب سے زیادہ گورکھیوں کی وفاداری کو شک و شبہہ سے پاک و صاف سمجھتا ہوں۔ لیکن پٹھان اور پنجابی مسلمان برٹش گورنمنٹ کی نمکحلالی میں چنداں ثابت قدم نہیں ہیں۔ قدرتاً انکی طبیعتیں فرانسیسیوں کیطرح واقع ہوئی ہیں۔ اور انکے سینوں میں آگ بھری ہوئی ہے۔ چونکہ یہ زر آشنا ہیں۔ اسلیئے انکو شکست دینا چنداں مشکل نہیں ہے۔ غرضکہ خود غرضی کا امیر سخت نقص ہے۔ اصل بات یہہ ہے کہ انگریزوں کی قسمت میں فتحمندی لکھی ہے تو ہندوستان کے ہر باشندہ سے انہیں مدد پہنچ سکتی ہے۔ مگر شکست کی صورت میں انگریزی آبادی کا وہ حصہ جو انگریزوں کی قسمت کے ستارہ کے کبھی نہ ڈوبنے کا قائل نہیں ہے اپنے نئے آقاؤں اور فاتح قوم سے رابطہ و اتحاد قائم کرنے میں مستعجل ہوگا۔ جو

بڑی شان و شوکت سے دور دراز شمالی ملک سے آرہے ہونگے۔

یورپ کے رخ کی نسبت بحث کرنے میں ہر گز نہ کرتا ہوں کچھ تو انگریزی خیالات کی بنا پر میدان کارزار کے موقعہ کے بدلجانے کے متعلق مجھے شبہہ ہے۔ اور کچھ اس وجہ سے کہ انگلستان کے پولیٹیکل گروہوں کے اختلاف بیانات کے باعث سے گورنمنٹ مدبر کے ارادوں کا کچھ پتہ نہیں ملتا۔

اسکے بعد ہمکو ہندوستان کی دو سرحدوں کے مواقع کو دیکھنا چاہیئے نقشہ متعلقہ سے معلوم ہوگا کہ روس کی سرحد آج کہانتک پہنچگئی ہے۔ گلگت کے قریب انگریزی اور روسی سرحدیں (۱۲۰) میل کا فاصلہ ہے۔ یہہ سرحد ہندوستان کے نہایت قریب ہے۔ دوسری سرحد کا فاصلہ کوئٹہ تک (۵۵۰) میل ہے۔

بادی النظر میں اس نقشہ سے یہ معلوم ہوگا کہ اس وسیع سرحد کا ایک انجام انگریزی سرحد گلگت کے نہایت قریب ہے جسپر دفعتاً حملہ ہو سکتا ہے۔ اور دوسری سرحد دور دراز فاصلہ پر ہے جو چنداں کارآمد نہیں۔ لیکن دراصل یہہ خیال درست نہیں ہے۔ سرحد گلگت چند سر بفلک پہاڑوں اور دنیا کی بلند ترین دشوار گذار راہوں سے محفوظ ہے۔ بخلاف اسکے دوسری سرحد یعنی ہرات سے کوئٹہ تک ایک شخص گاڑی میں بیٹھکر تمام راہ طے کر سکتا ہے۔ بلکہ محاصرہ کا ایک بھاری توپخانہ بھی اس راستہ سے بھیجا جا سکتا ہے۔ ہندوستان دفعۃً حملہ کے صدمہ سے محفوظ ہے۔ کیونکہ اسکی طویل سرحد کافی طور سے مضبوط اور مستحکم ہے۔ روس اور انگلستان کی سرحد کے مابین افغانستان اور نیم خودمختار اقوام کی ریاستیں واقع ہیں۔ انگریز ان درمیانی ممالک کو بطور سد کے خیال کرتے ہیں جو سرحد ہند سے دور روسی فوج کے حملوں کو رد کرینگے۔ فی الواقعہ اس ملک کو سرحدی ڈیفنس کا پشتہ خیال کیا گیا ہے۔ جو مضبوطی کے لحاظ سے ایک قلعہ کے پشتے سے کچھ کم نہیں ہے۔ عملی دشواریوں کے علاوہ

اسمیں قدرتی رکاوٹیں بھی موجود ہیں۔ روس کو امید ہے کہ وہ سد راہ قوموں کو یا تو اپنے ہراول میں تبدیل کر دیگا۔ یا کم سے کم اپنے ہمراہ لیکر آگے بڑھیگا۔ یہاں ہمیں ایک اور پیچیدگی کا حل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو یورپ کے ماہران جنگ کے خیالات سے کسیقدر مختلف ہے یعنی اگر روس اور جرمن میں جنگ شروع ہوجائے تو چونکہ دونوں کی سرحدیں باہم ملی ہوئی ہیں۔ اسلیئے میدان جنگ کا موقع اس سلطنت کے خلاف میں کھینچے گا جسکی فوجی حس و حرکت کی سستی دشمن کو آغاز جنگ کا موقع دیگی۔ دوسرے الفاظ میں جنگی جنگی تیاریاں جلد درجہ تکمیل کو پہونچینگی وہی حملہ آور ہوگا۔ اب ایک اور پہلو سے دیکھیے اگر روس اور فرانس میں لڑائی ہو تو چونکہ ان دونوں سلطنتوں کے مابین جرمنی اور آسٹریا کی سلطنتیں واقع ہیں اسلیئے۔ روس یا فرانس کو حملہ آور ہونے کے واسطے بحری رستہ اختیار کرنا پڑے گا جیساکہ فرانس نے کریمیا کی لڑائی میں کیا تھا۔

بادی النظر میں ایشیا کی حالت موخر الذکر (فرانس و روس کے مثال) سے مطابق معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ روسی اور انگریزی سرحد کے مابین افغانستان اور دیگر چھوٹی چھوٹی ریاستیں واقع ہیں۔ لیکن یورپ و ایشیا میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ کسی سلطنت کا اثنائے جنگ میں ثالث یعنی فریقین جنگ سے بے رو رعایت اور بے لوث رہنا اس صورت میں ممکن ہی جبکہ وہ کافی طاقتور ہو۔ یا اسکے ملک کی طبعی صورت ایسی واقع ہوئی ہو کہ وہ ایک یا دو نو جنگ آزماؤں پر اثر ڈال سکے مثلاً اگر ایران ایک اعلےٰ درجہ کی جنگی سلطنت ہوتی۔ تو جنگ ایشیا میں اسکا بولبالا ہوتا جیساکہ ۱۸۷۷ء میں جنگ روس و روم میں آسٹریا کو وقعت حاصل تھی مگر ایران اور افغانستان کی سلطنتیں طاقتور نہیں ہیں۔ اسلیئے ہم انکو اصل معنوں میں ثالث سلطنتیں نہیں کہہ سکتے۔ روس اور انگریز جب چاہیں انکو فتح کر سکتے ہیں

بنا بریں افغانستان ایک درمیانی ملک ہونیکے بجائے سلطنت ایشیا کی فیصلہ کرنیوالی لڑائی کا میدان ہوگا۔ انگریز افغانستان کو اپنی سرحد کے آگے منزل سد کے خیال کرتے ہیں۔ لیکن میں اس امر میں انکے ساتھ متفق نہیں ہوں۔ اگرچہ انگریز بظاہر دوستانہ اوضاع رکھنے کے واسطے بہت سا روپیہ افغانستان کو دیتے ہیں۔ مگر اہل افغانستان ہمیشہ انگریزوں سے نفرت کرتے رہتے ہیں قبل اسکے کہ انگلستان باخبر ہو ہم افغانستان کے بہت بڑے حصہ پر قبضہ کرلینگے۔ انگریز اس وقت افغانوں سے اس حصہ ملک کے چھڑانے میں مدد دینے کا بہت سا وعدہ کرینگے۔ لیکن ہم اسکے مقابلہ میں صرف انکا نصیحت کیا ہوا ملک ہی انہیں پیش نہیں کرینگے بلکہ پشاور کے وادی اور مزید براں انکی پرانی سرحد تک کا ملک انہیں عطا کرنیکا وعدہ کرینگے۔ علاوہ بریں انکو ہندوستان کی قیمتی لوٹ میں شمولیت کا طمع بھی دلائینگی۔ ان قیمتی عطیات کا انپر کیا اثر ہوگا؟ بعض شاید کہیں گے کہ افغان انگریزوں کی گذشتہ عنایتوں کے صلہ میں انکے ساتھ رہنا زیادہ پسند کرینگے۔ لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے دنیا میں بالعموم ایشیا میں بالخصوص کونسی ایسی قوم ہے جو اپنے فوائد کی پرواہ نہیں کرتی۔ اور پچھلے احسانات کیلئے ہمیشہ گریدہ رہی ہے۔

افغانستان کی سپاہ کے حالات کا یہاں قلمبند کرنا غیر موزون نہ ہوگا۔ کیونکہ فوج یا تو انگریزی سرحد کے حق میں بطور ایک مضبوط سد کے ثابت ہوگی یا خوشی سے شکر روس کا ہراول بننا منظور کریگی۔

افغانستان کا دعوے ہے کہ اس وقت اسکے پاس ۳۶۸۰۰ باقاعدہ سوار اور پیدلوں کے علاوہ ۱۸۶ توپیں مختلف کیلیبر کی ہیں۔ یہ سپاہ مارٹینی ہنری رسائفلز اور انفیلڈ رائفلوں سے مسلح ہے۔ انکے واسطے گولہ بارود اگرچہ کابل میں بنتا ہے لیکن اسکا بہت سا ذخیرہ برٹش گورنمنٹ نے وقتاً فوقتاً کابل کو دیا ہے جو اسلحہ

انگریزوں نے تحفتاً امیر کو دیئے ہیں۔ یا خود امیر نے یورپ سے خریدے ہیں۔ انکی تفصیل یہہ ہی۔ یورپ کی ساخت کی پہاڑی توپیں ۶۰- (۴۰۳۱۰) رائفلیں اور قرابین جنمیں سے اکثر سنائڈر اور مارٹینی قسم کی ہیں۔ اور صرف چند ایک برڈن ہیں ایس۔ ایچ گرل بارود کے (۳۰۰۰۰۰۰) دو کروڑ اور توپ کے گولہ بارود کی ۲۳۰۰۰ راؤنڈ ہیں۔

بقاعدہ سپاہ کی تعداد ۲۳ ہزار ہے۔ یہہ آباواجداد کیوقت کی پرانے فیشن کی لمبی نالی کی پتھر کلا اور دوسری بہتی بندوقوں۔ تلواروں اور بہاری چھروں سے مسلح ہیں۔ انمیں دس ہزار سوار ہیں۔ جو مختلف قسم کے گھوڑے اور ٹٹو رکھتے ہیں۔ اور ایک موثر گروہ غارت گروں کا نظر آتے ہیں۔

ایشیا کے دو لوجنگ آزما اس تاک میں ہیں کہ کوئی ایسا مقام قبضہ میں آجائے جو جنگی یا پولیٹکل پہلو سے عسکر رزم کی کنجی ہو۔ لیکن ایسی حالت میں بھی اس کیواسطے افغانستان کی باقاعدہ یا بیقاعدہ سپاہ سے قطع نظر کرنا دانشمندی سے بعید ہوگا۔

مجھے اسمیں بہت کم شک ہے کہ روسی لشکر پہلے ہرات بلخ اور فیض آباد کیطرف حرکت کریگا۔ اور اس رائے میں جنرل کو اپاتکن میری تائید کرتا ہے ہمیں دیکھنا چاہیئے روسی سپاہ کتنے دنوں میں اور کسقدر جمعیت سے اس کام کو انجام دینے کے قابل ہوگی۔ بلاشبہہ ہرات اس لائن پر کیا پولیٹکل اور کیا جنگی اور کیا خیالی حیثیت سے نہایت ضروری مقام ہے۔ اگرچہ یہہ تینوں فوجی کالم ایک ہی وقت میں روانہ ہوں گے لیکن بہرکیف ہرات کے کالم کیطرف خاص توجہ مبذول ہوگی۔

مرو میں ۲۰ رائفل پلٹن ہیں۔ چارعاشق آباد میں اور سرخس اور پنجدہ کے بادغی میں دو (میزان) ۸۰۰ پیادہ سپاہ۔ عاشق آباد مرو میں کاساک سواروں کی بھی ایک ایک رجمنٹ ہی۔ اور سرحد پر چند چھوٹے چھوٹے دستے ترکمان سواروں کے بھی ہیں

ایک کوہی توپخانہ عاشق آباد میں۔ ایک میدانی توپخانہ مرو میں اور ایک کاسک اسپی توپخانہ کابل میں ہے کل توپوں کی تعداد ۴۰ ہے۔ یورپین اقوام کے خلاف روس کے اسپی توپخانہ کی ہر ایک باٹری میں توپیں ہیں۔ پس جسقدر فوج جمع ہوکر ہرات کو خطرہ میں ڈال سکتی ہے اسکی کل تعداد ۶۸۰۰ پیادہ اور ۱۵۰۰ سوار ہے اور ۳۰ توپیں بھی اسمیں شامل ہیں۔

قلعہ ہرات کی سپاہ کی تعداد ۶۰۰۰ پیادہ اور ۲۰۰۰ سوار ہے علاوہ بریں قلعہ میں ۷۰ توپیں ہیں۔ یہانکی قلعبندی ایک انگریزی انجنیر کے نقشے اور ہدایت کے مطابق کیگئی ہے۔ یہاری توپوں میں سے چھ۔ اٹھارہ پونڈر سموتھ بور وصاف چھ کے ہیں۔ ۱۰۔ آٹھ نو انچ ہوٹزر۔ ۱۲۔ ۴ پونڈ ہوٹزر ساخت کی ہیں۔ علاوہ بریں برٹش گورنمنٹ کیجانب سے چودہ ہزار سامان جنگ کی پٹیاں موجود ہیں۔

نقشہ دیکھکر جس چیز سے ناظرین کو حیرت ہوتی ہے۔ وہ ہرات کے دوسرے مقامات سے علیحدگی اور دوری ہے۔ بخلاف اسکے ٹیونس کاسپین ریلوے روسی حمل و حرکت کی سب سے بڑی معاون ہے۔ غالباً چند اعداد میرے اس بیان کو زیادہ واضح کردینگے۔

ہرات سے کابل تک براہ موجودہ سڑک ۵۰۰ میل کا فاصلہ ہے۔ اس سڑک کے بعض حصے ایسے ہیں جہاں سے توپخانہ نہیں گذر سکتا۔ ہرات سے قندہار تک ۳۶۹ میل اور کوئٹہ تک ۵۳۳ میل کی مسافت ہے۔ اگر بڑی تیز رفتاری سے بلا واسطہ پندرہ میل روز کے حساب سے کوچ کیا جائے تو ۳۴ روز میں کمک کابل سے ہرات پہونچ سکیگی کوئٹہ سے ۳۶ دنوں میں۔ اور یہہ بھی اس صورت میں کہ تمام فوج کابل یا کوئٹہ میں جمع ہو اور ایک منٹ کے نوٹس پر روانہ ہوجائے۔ اگر خود کابل حملہ کے خطرہ میں ہو تو فوج کمک کے پہنچنے میں کم سے کم ۳۶ روز لگیں گے۔

آؤ اب ہم دیکھیں کہ ہماری آنروے کا سپین کی فوجیں ان چھتیس دنوں میں کیا کچھ کر سکتی ہیں؟ پنجدہ اور ذوالفقار کی فوجی چوکیوں سے ہرات ۳۳ میل دور ہے۔ مرو سے ۲۷۲ میل۔ مرو سے عاشق آباد تک بذریعہ ریل ۲۰۰ میل کا فاصلہ ہے۔ سٹیشن دوشق ان دونوں مقامات کے وسط میں واقع ہے۔

ایشیائی اقوام سے سابقہ پڑنے کی صورت میں جاننا چاہیے کہ جس چیز میں ذرہ بھی تامل یا توقف نظر آوے اسکو ترک کر دینا چاہیئے۔ اسلیئے کمک کے انتظار کے بغیر فوراً پیشقدمی صواب ہوگی۔ دو پیادہ رجمنٹیں اور مرو[1] کی رجمنٹ سواران فوراً کوچ کرکے سرپاری کی رجمنٹ کو ہمراہ لیکر دسویں دن پنجدہ پہنچکر سرحد کو عبور کرنیکے قابل ہو جائینگی۔ علے ہذا القیاس عاشق آباد[2] کی پلٹن سٹیشن دوشق پہنچکر براہ سرخس بارہویں روز سرحد ذوالفقار پر وارد ہو جائینگی۔ (۴۸۰۰) پیادہ سپاہ (۶۰۰) سوار اور ۸ توپیں پنجدہ سے براہ دورہ باد حرکت میں آئینگی۔ ذوالفقار سے ۴۸۰۰ پیدل سپاہ ایک ہزار سوار معہ ترکمان ملیشیا کے اور ۲۲ توپیں سلسلہ پہاڑیوں کے راستہ سے ذوالفقار کو شان گوریاں کی سڑک سے یا درہ افضل کے سیدھے راستہ سے پیشقدمی کرینگے۔ دشمن کی چوکیوں پر اس سپاہ کو جو قلیل وقفہ کرنا پڑیگا اسکو مجرا دیکر ۲۲ روز کے بعد ۷۲۸۰ پیادہ فوج ۱۵۰۰ سوار اور ۳۲ توپیں دادی ہرات میں پہنچ جائینگی اس طرح ہمکو قلعہ ہرات کی سپاہ کو شکست دینے کے واسطے پورے ۱۴ روز ملینگے کیونکہ ۳۶ روز سے پہلے اہل قلعہ کے پاس ہرگز کمک نہیں پہونچ سکتی

میں خیال کرتا ہوں کہ روسی بہادری کی خوشامد کرنیکے سوائے میں کہہ سکتا ہوں

---

[1] مرو سے پنجدہ تک ۳۳ میل کا فاصلہ ہے۔

[2] عاشق آباد سے دوشق تک بذریعہ ریل ۲۵ میل۔ دوشق سے سرخس تک ۴۰ میل۔ دوشق سے ذوالفقار تک ۱۵ میل۔ پنجدہ سے ہرات تک ۱۴۰ میل۔

کہ ۹۱۸۰ روسی فوج ۷۲۰۰ افغانی سپاہ کے درمیان کافی سے کہیں زیادہ ہے۔ خواہ مخواہ الذکر فصیل کے اندر ہی کیوں نہ لڑیں۔ اس بارہ میں انگریزی لڑائیوں کے نتائج میری تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ جب کبھی انہوں نے بہادری اور جرات سے افغانوں پر حملہ کر دیا ہے۔ افغان اپنے مضبوط سے مضبوط مورچوں کو بھی چھوڑ کر بھاگ نکلے ہیں۔ شاید بعض کو یہ خیال گذرے کہ اس پیشقدمی میں جو سخت دقتیں روسی فوج کو پیش آئینگی۔ جنکو خفیف ظاہر کرنیکی کوشش کی ہے۔ اسلیئے ہمیں ہرات کے مسئلہ کو اور بھی نظر غائر سے دیکھنا لازم ہے۔ ہرات کے متعلق اہل روس کے دماغوں میں انگریزی مصنفوں کے خیالات سمائے ہوئے ہیں۔

اگر ایران بطور ایک مضبوط نیوٹرل (ثالث) یا ایک معتدل طاقت کے ہماری دوست سلطنت ہوتی۔ تو پھر ہرات کی حالت کے خاطر خواہ ہونے میں کچھ شک نہیں تھا۔ دوشق سے بُرخ۔ فوولقفار اور وہاں سے ہرات تک کی سیدھی سڑک نہایت مخدوش حالت میں ہے۔ مرو سے ہرات تک کی سیدھی سڑک اس لیئے کم خطرناک ہے کہ وہ ایرانی سرحد سے دور دراز فاصلہ پر ہے۔ ہرات سے قندہار تک روس کی پیشقدمی کرنیوالی سپاہ کو ایک طویل راہ سے اور غالباً ایک دشمن ملک سے گذرنا پڑیگا۔ کوہ ہلمند پر انگریزی فوج کیمپ کانٹے سے لیس لڑائی کے لیئے ہمہ وجوہ تیار ہوگی۔ یہانکی فتح گو ہمارے لیئے نہایت کارآمد ہوگی۔ مگر اس سے قندہار اور کوئٹہ میں لڑائی کے دونئے اور میدان نکل آئیں گے۔ شکست کی صورت میں ہماری تمام امیدوں پر پانی پھر جائیگا۔ جنگی پہلو سے کابل بہ نسبت ہرات کے زیادہ وقعت رکھتا ہے۔ پس پھر کیوں ہم کابل کو چھوڑ کر ہرات کی طرف رُخ کریں؟ ہرات ایشیا کا ایک مشہور مقام ہے۔ اور اسکے مفتوح ہوجانے سے ہمکو لڑائی سے بہت تقویت پہنچسکتی ہے۔ ہرات جنگی اصولوں کے مطابق خواہ چنداں ضروری نہو۔ مگر اسکے قبضہ میں

آنیسے تمام ایشیا میں روس کی بہادری کی دھاک بیٹھ جائیگی۔ لیکن شکست یا فتح کرکے واپس دینے کی صورت میں روس کی ناموری کو اسیقدر نقصان پہنچیگا اندیشہ ہے۔ پاسہ پھینکا جا چکا ہے اور ہم ضرور ہرات کیطرف بڑھیں گے۔ اگر انگریزوں نے ہرات کے چھڑانے کی کوشش کی تو وہ اسمیں ایسی سرگرمی سے مصروف ہونگے جس سے ایشیا میں انکی طاقت کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اگر انہوں نے ہرات کو اپنی قسمت کے حوالہ کر دیا۔ جو ایک محفوظ اور فوجی اصول کے مطابق ہوگا۔ تو انگریز اپنی سرحد ہند کے قریب گو اسقدر جوش سے نہیں مگر خوب جمکر لڑینگے مجھے خیال پیدا ہوتا ہے کہ غالباً انگریز ان دونوں امور کے بین بین میں رہنا پسند کرینگے یعنے چند انگریزی افسروں کو قلعہ ہرات کی فوج کی کمانڈ کے واسطے بھیجدیں گے انگریزی افسروں کا ایک ایسا گروہ نہایت تیزی سے جسکے راہ میں گھوڑے انکے سفر کے لیئے تیار رہوں۔ اور ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں جو بحساب اسپچاس میل روزانہ سفر کرکے کوئٹہ سے دس روز میں ہرات پہونچ سکیں گے۔

اس طرح انگریزی افسروں کو روسی لشکر کے پہنچنے سے بارہ روز پہلے قلعہ ہرات کو مضبوط و مستحکم کرنیکی فرصت ملجائیگی۔ لیکن جب انگریزی افسر ہرات کے بچانے کے لیئے آپہونچیں گے تو اس وقت ہم کو بھی سمجھ سوچکر پوری تیاریوں اور بہت سے لشکر کے ساتھ پیشقدمی کرنے کی ضرورت ہوگی۔ لیکن مجھے اسمیں شک ہے کہ انگلش گورنمنٹ اپنے افسروں کو ہرات روانہ کرنے پر رضامند ہوگی۔ کیونکہ خود انگریزوں کا ڈیفنس کیسا ہی مضبوط کیوں نہ ہوتا ہم وہ جنگی اصولوں کے مطابق کبھی پانچسو میل آگے جاکر خطرہ میں مبتلا ہونا پسند نہ کریں گے۔ روسی لشکر کے قرب اور انگریزوں کی عدم مداخلت کی وجہ سے ہرات بڑی آسانی سے ہمارے قبضہ میں آجائیگا۔

جاسکی جنگی لائن پر ہے اسکے بعد ۱۰ میل کے فاصلہ پر آباد ہیں۔ بلخ کی طرف پیشقدمی کرنے میں ہمیں بہت کم رکاوٹیں ہونگی لیکن زیادہ تعداد میں سپاہ روانہ کرنے کے لیے ہمیں ہر ممکن ذریعہ سے مدد لینی چاہیئے۔ جو روسی سپاہ اس لائن پر بھیجنے کیلئے تیار ہے اسکی تفصیل یہ ہے (سمرقند و کاتی کرگان) ۵ پلٹنیں (کرکی) تین پلٹنیں (چارجوئی) ایک پلٹن علاوہ ہیں۔ ان کی امداد کیلئے پیٹرو الگزنڈروسک میں بھی دو پلٹنیں ہیں۔ سمرقند میں مزید برآں ایک جسٹ کا سکول کی رسالہ اور ایک پہاڑی توپخانہ اور ایک کاسکوں کا بھی توپخانہ ہے۔ دوکل سپاہ کے چھوٹے چھوٹے دستے بھی مختلف مقامات میں ہیں۔ قصہ مختصر ۸۶۴۰ پیادہ ۹۰۰ سوار ۴۸ توپیں پچیس روز کے سفر کے بعد بلخ کے مقابل پہنچ سکتی ہیں۔

اب ہمیں امیر کے مقابلہ کی طاقت کا بھی پتا چاہیئے۔ افغانستان کے صوبہ ترکستان میں بلخ جبل السراج اور اطراف ہی ۸۰۰۰ باقاعدہ پیادہ اور ۳۰۰ سوار اور ۳۰ توپیں ہیں۔ باقاعدہ فوج میں دو ہزار سوار اور تین ہزار پالنو پیدل ہیں۔ کل ۱۰ ہزار فوج بلخ ہمارے مقابلہ کے لیئے آمادہ ہے لیکن کابل یہاں سے ۳۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے جہاں سے بہت جلد کمک پہونچ سکتی ہے۔ غالباً قلعہ کابل میں دس ہزار باقاعدہ اور ساڑھے چار ہزار بیقاعدہ سپاہ اور ۶۰ توپیں ہونگی۔ اس امر میں شک ہے کہ امیر اس فوج کو بلخ بھیجنا پسند کرینگے یا نہیں۔ ظن غالب ہے وہ پانچ ہزار فوج بامیان کی حفاظت کے لیئے بھیجدینگے جو کابل کا درہ ہے۔ چونکہ دار الخلافہ کابل سازشوں کا گھر ہے اسلیئے امیر اپنی کل یا فوج کا زیادہ حصہ کابل کے دروازوں سے باہر بھیجنا خلاف مصلحت تصور کرینگے۔

پس لڑائی کی یہہ صورت ہوگی روسی سپاہ ساڑھے ۷ ہزار مع ۳۶ توپوں کے افغانی فوج بارہ ہزار جسمیں بیقاعدہ بھی شامل ہیں اور ۳۰ توپیں

اس جنگ کا نتیجہ مشکل سے مشتبہ ہو سکتا ہے۔ اگر شکست سے محفوظ رہنے کی کوشش کیجائے۔ تو ہمیں ذرا بھی دقت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس لائن پر فوج کا پیشقدمی کرنا چنداں ضروری نہیں ہے۔ بلخ کیطرف بڑھنے والی سپاہ کمک کا انتظار کر سکتی ہے تیسرا وہ فتح ہرات کی خبر سننے کی بھی منتظر رہ سکتی ہے۔ جس سے افغانوں کے جی چھوٹ جائینگے اور روسیوں کے حوصلے بڑھکر ایک سے دو چند ہو جائیں گے۔

اب بدخشاں کے روسی دستہ کو لینا چاہیئے۔ جنکا منشا فیض آباد پر بڑھنا ہوگا جسقدر روسی فوج اس جنگ کے واسطے بہم پہونچ سکتی ہے وہ یہ ہے:۔ (تاشقند) ۶ پلٹنیں معہ انجینیر وغیرہ کی نصف پلٹن کے۔ کاسکوں کی ایک رجمنٹ۔ ایک میدانی توپخانہ کل ۶۳۰ سپاہی۔ اور ۸ توپیں (مارگیلان) ۴ پلٹنیں۔ ایک رجمنٹ کاسک۔ ایک میدانی اور ایک پہاڑی اسپی توپخانہ کل ۴۹۰ سپاہی۔ اور ۱۴ توپیں (انڈیمان) ۹۶۰ سپاہیوں کی ایک پلٹن (کوکند) ۹۶۰ سپاہیوں کی پلٹن۔

اس سپاہ کو اسک کی فوجی ضلع سے امداد ملسکتی ہے۔ جہاں سات پلٹنیں ۴ سوار وغیرہ کی رجمنٹیں۔ پانچ توپخانے اور ایک کمپنی سفر مینا کی موجود ہے۔ نیز سائبیریا کی ۴ پلٹنیں۔ آٹھ کاسک رجمنٹیں بھی اس فوج کی پشت پر ہونگی۔

اس طرح دس ہزار سپاہ فیض آباد کیجانب بڑھیگی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ایک چھوٹا سا فوجی دستہ جو دو پلٹنوں۔ ایک پہاڑی توپخانہ اور ایک کاسک سکوڈرن پر مشتمل ہوگا۔ پامیر سے حرکت میں رہیگا۔

تاشقند سے فیض آباد تک کا فاصلہ حسب ذیل ہے:۔ تاشقند سے سمرقند ۲۸۰ میل۔ سمرقند سے جانگیلہ (دریائے آکسس پر) ۲۷۰ میل۔ جانگیلہ سے فیض آباد ۹۰ میل۔ ۵۴۷ میل راہ طے کرنے کے واسطے ضروری وقفوں سمیت ۴۶ روز لگا تار سفر کرنا پڑیگا۔ بہرکیف ۵۲ روز سے پہلے ہم اس دستہ کے فیض آباد پہونچنے کی توقع نہیں

کرسکتے۔ دستہ مذکور کے مقابلہ میں امیر کی فوج کا تخمینہ یہہ ہے۔ باقاعدہ فوج بدخشاں میں ۴ پلٹنیں۔ ۲ سواروں کی رجمنٹیں تین توپ خانے۔ یا تقریباً ۳۲۰۰ سپاہی اٹھارہ توپیں۔ تیرہ سو بیقاعدہ فوج کل ۴۵۰۰ سپاہی۔ اور ۱۸ توپیں۔

یہہ تمام دستے جو تین مقامات کو روانہ ہونگے محفوظ سپاہ کے ہیں۔ انکے علاوہ سپاہ امداد بھیجی جاسکتی ہے۔ جسکا عقب میں ہونا ضروری ہے۔ ہرات کا کل کو رسد اور کمپ کا تمام انحصار ٹرینس کاسپین ریلوے پر ہے۔ کاسپ بلخ کو دریائے آکسس کے فلوٹیلا سے بامداد ریلوے مذکور اعانت لیگی۔ دستہ فیض آباد کو سامان رسد بخارا اور ترکستان سے اور فوجی کمک ضلع اسکاسے روانہ کیجائے گی۔

کوراٹیکن میں چالیس ہزار سپاہ مستعد جدال و قتال موجود ہے۔ اگر محفوظ لشکر بھی اسمیں شامل کردیا جائے تو یہہ تعداد ۷۰۰۰۰ یعنے تقریباً دوگنی ہوجاتی ہے۔

"سکوبلاف کا جنگی تخمینہ اس سے بھی کم ہے۔ اسکے خیال میں گو اٹھارہ ہزار سپاہ سے ہندوستان پر حملہ ممکن ہے۔ لیکن خطرہ سے خالی نہیں۔ ہاں پچاس ہزار فوج سے ہندوستان کی نہایت محفوظ اور قابل اطمینان مہم سر ہوسکتی ہے"۔ لیکن اس وقت خود سکوبلاف تنہا بیس ہزار آدمیوں کے برابر تھا۔

بخلاف اسکے سر چارلس میگریگور اور دیگر انگریزی مصنفوں کی رائے میں ہندوستان پر حملہ کرنیکے لیئے کم سے کم ایک لاکھہ فوج کی ضرورت ہے۔ غالباً یہہ آخری تخمینہ زیادہ محفوظ سمجھا جائیگا۔ اگرچہ یہہ مہم تھوڑی سی فوج سے بھی شروع کیجاسکتی ہے۔ لیکن جیسا کہ ہمارے سکیم سے خاکہ معلوم ہوگا ہندوستان کا فتح کرنا ایک دن کا کام نہیں ہے۔

ہم یہاں آسانی کے واسطے روس کے تینوں کالموں کی منزل بمقصود تک پہنچنے کے دنوں کو مکرر قلمبند کرتے ہیں۔ ۹۱۸۰ سپاہی اور ۳۰ توپیں ۲۲ روز کے

سفر کے بعد ہرات پہنچے گی۔ ۹۵۰۰ سپاہی ۳۸ توپیں ۲۵ دنوں کے بعد بلخ۔ دس ہزار سپاہ (اگر ضرورت ہو) اور ۶۰ توپیں ۵۲ روز سفر کرکے فیض آباد وارد ہونگے۔ انگریزوں کے ارادوں پر غور کرنے کے وقت پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا پولیٹیکل یا جنگی مصالح کو علیحدہ علیحدہ اثر ڈالنے کی اجازت دیجائے گی۔ یا وہ دونوں سے کام لینا پسند کیا جائیگا۔ ہرات سے قطع نظر اب میں کابل کی مثال پیش کرتا ہوں۔ کابل پشاور سے ۱۸۰ میل کی مسافت رکھتا ہے۔ فی الواقع یہہ ایک طول طویل درہ ہے۔ جنکے آس پاس وحشی قومیں بستی ہیں۔ جنکو دشمن بنتے ذرا دیر نہیں لگتی فوج کابل کو اس درہ کے ذریعہ سے امداد یا رسد کا پہنچنا درانحالیکہ قرب وجوار کی قوموں کی بغاوت اور غارتگری کا ہنگامہ برپا ہو۔ نیز جبکہ روس بھی فیض آباد وچترال میں آپہنچے۔ بہت مشکل نظر آتا ہے۔ انگلش اہل الرائے کے خیالات کے مطابق صرف یہی بات کابل کی تائید میں کہی جاسکتی ہے کہ اسکا قلعہ جنگی اصولوں کے لحاظ سے نہایت مضبوط ہے۔ ذرا سی توجہ اور گرد نواح کے پہاڑوں کی مورچہ بندی اور تیس سے چالیس ہزار تک سپاہ کے تعینات کردینے سے قلعہ کابل ناممکن التسخیر بنجائیگا لیکن مجھے اسمیں شک ہے اور آیندہ اعداد سے اسکی تائید بھی ہوسکتی ہے کہ باوجود افغانوں کی اعانت کے اسقدر فوج کابل میں فراہم ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یہہ تو خاص جنگی پہلو سے اعتراض وارد ہوتا ہے اگر پولیٹیکل حیثیت سے دیکھا جائے۔ تو بعض انگریزی مدبروں کے قول کے موافق انگلستان خواہ کچھہ ہی کیوں نہ ہو افغانستان کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ اگر جنگ شروع ہونے کے وقت انگلستان کی عنان حکومت ایسے ہی خیال کے مدبرین کے ہاتھوں ہو۔ اور انگلستان امیر کی حفاظت کی نیت سے افغانستان کی انتہائی سرحد پر اپنی فوج لیجائے۔ تو اس صورت میں آخری لڑائی کا نتیجہ دیر تک مشتبہ نہیں رہیگا۔ جب تک انگلستان اس بات کو نہیں سمجھ

نہیں سمجھ لیگا کہ روس جب چاہے نصف افغانستان پر قبضہ کر سکتا ہے۔ اور دورخہ امیر اور اسکی سرتاپا دغاباز۔ مکار رعایا کو گانٹھ کر اسے اپنا کام نکال سکتا ہے۔ تب تک اسے اپنے آپکو محفوظ تصور نہیں کرنا چاہیئے۔ انگلستان امیر کو کچھ سہارا دینے کے علاوہ اسکے خزانہ کو روپیہ سے مالا مال کر رہا ہے۔ اور اسکے سلحہ خانہ میں رائفلیں اور بندوقیں بھیج رہا ہے۔

انگریزوں کے کابل میں آنے پر اسکی سپاہ کا اندازہ کرنا ضروری ہے۔ روس کی پیشقدمی کا پھلا جواب انگریزوں کی جانب سے یہہ ہوگا کہ قندہار پر قبضہ کر کے وہاں تک ریلوے کو پہنچائینگے۔ اسکے علاوہ دیگر تجاویز کچھ لائحہ سی ہیں۔ وہ غزنی یا کابل یا کم سے کم جلال آباد اور چترال پر تسلط کر سکتے ہیں۔ یہہ بھی ممکن ہے کہ وہ پیچھے کیطرف ہٹ جائیں۔ اور پشاور۔ اور بنوں میں سپاہ کو متعین کر کے دروں کو دشمنوں پر بند کر دیں۔ تیسری صورت یہہ ہے کہ افغانستان اور ہندوستان دونو مقامات میں دشمن کو روکنے کی قطعی تجویز قرار پا جائے۔

انگریز یقیناً غزنی کیطرف بڑھیں گے جو کابل سے اچھی خاصی مسافت رکھتا ہے۔ لیکن قندہار کی کمک سے دور نہیں ہے۔ مقابل سے ہزارہ پھاڑیوں نے اسکو ناقابل گذر مقام بنایا ہوا ہے۔ اسکا قلعہ بنوں سے بھی تعلق ہے۔ جہانتک ریلوے پہنچنے والی ہے۔ غرضکہ قندہار کے بعد غزنی بھی ایک مضبوط جنگی مقام ہے۔ جہاں انگریز اپنی سپاہ کو بھیجا سکتے ہیں۔

کابل میں یقیناً امیر کی سپاہ دارالخلافہ کی محافظت کریگی۔ انگریز جلال آباد اور گندمک کی ضرور مورچہ بندی کریں گے۔ جہاں سے کابل کو امداد پہونچ سکتی ہے۔ لیکن افغانی سپاہ کی پوری حفاظت تب ہی ہو سکتی ہے جب چترال کا ناکہ بھی مضبوطی سے بند کیا جائے۔

اگر ضرورت کے وقت اس کام کے خیال سے پشاور میں پہلے ہی سے مورچہ بندی کر لیجائے تو اس لائن پر انگریزوں کیلئے ایک اور مفید بات ہوگی۔

چترال کے متعلق مجھے چند شبہات ہیں۔ یہ جنگی پہلو سے ایک نہایت مستحکم مقام ہے لیکن انگریز درمیانی قوموں کی مخالفت کی وجہ سے یہانتک آمد و رفت کے واسطے کوئی محفوظ سڑک نہیں بنا سکے۔ اسلیئے چترال پر تصرف کرنا فوجی اصولوں کے مطابق سخت خطرناک ہے۔ اور انگریزی فوج کا وہاں رہنا چنداں مفید بھی نہ ہوگا۔ شکست کی صورت میں اسکو گلگت بھاگ آنا پڑیگا۔ اسطرح جلال آباد اور پشاور کے رستے دشمنوں پر کھل جائینگے۔ چترال اور ہندوستان کے مابین جو قومیں آباد ہیں وہ بلا حفاظت رہجائینگی۔ اور غالباً وہ بڑی خوشی سے حملہ آوروں کے ساتھ شامل ہو جائینگی۔ اور ہماری قلیل فوج کو دادی پشاور کا راستہ بتانے میں بدرقہ کا کام دینگی۔

اب ہمیں دونوں سلطنتوں کی سرحدی ریلوے کی نسبت اس پیش بینی کے ساتھ غور کرنا چاہیئے کہ آئندہ کس جانب کو انکو وسعت دیجائیگی۔ ٹرینس کاسپین ریلوے عاشق آباد سے سمرقند تک پہنچگئی ہے جسطرح ہندوستان کی ریلوے دریائے سندھ سے گذر کر سرحد کو گئی ہے۔ اسی طرح یہہ روسی لائن بھی سیدھی جنگی اصولوں پر بنائی گئی ہے۔ صرف ایک لائن اوزن اڈا نامی اس سے پیوستہ ہے۔ اور دریائے سندھ کی ریل سے لاہور پشاور لائن اور اسکی شاخیں مثلاً راولپنڈی سے خوشی الگڈہ وزیر آباد سے کالا باغ اور لاہور ملتان لائن ملی ہوئی ہیں۔ اور بحری رستہ سے کراچی بھی لائن مذکور سے پیوستہ ہے۔

جنگی لحاظ سے صرف وہی ریلوے کارآمد کہی جا سکتی ہے۔ جو پیش نظر مقام کے کہ جسپر قبضہ کرنا مطلوب ہے متوازی چلے اور بہت دور نہ ہو۔ کیونکہ اس طرح اسپر

دشمن کے مسلط ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اور نہ عقب سے بہت فاصلہ پر ہو۔ ایسی ریلوے وسط میں ہونی چاہیئے بشرط امکان لمبائی میں یہ لائن کسی سلسلہ کوہ یا دریائے ناقابل گذر و دخار سے محفوظ ہو۔ اس قسم کی لائن مختلف حصوں کی سپاہ میں تعلق پیدا کرنے اور اسے فائدہ اٹھانیکا باعث ہو سکتی ہے۔ ریلوے مذکور کو زیادہ جنگی بنا پر قائم کرنے کے لیئے صرف یہی ضروری نہیں کہ عقب میں بہت سی محفوظ شاخیں بنوائی جائیں۔ بلکہ مقابل میں بھی دو تین جگہہ زاویہ نما شاخیں نکالنی ضروری ہیں عقب میں یہ مسلسل تقاطع کرنے والی چھوٹی چھوٹی لائنیں بنانے والوں کے حق میں نہایت مفید ثابت ہونگی۔ اور دشمنوں کو اسسے کچھہ بھی فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ کیونکہ شکست کی صورت میں ہزیمت یافتہ گروہ بہت سے انجنوں اور گاڑیوں کو اپنے ساتھہ لیجائیگا۔ علاوہ بریں چھوٹی چھوٹی لائنیں دشمنوں کی بہت بڑی فوج کی حسن حرکت کے واسطے چنداں کارآمد ثابت نہیں ہو سکتیں۔

نظر بریں حالات ہمیں روس اور انگریزوں کی ریلوں کا باہم مقابلہ کرنا چاہیئے جیسا کہ پہلے ظاہر کیا جا چکا ہے۔ روس کی جانب پیش صرف ایک لائن ہے جو کیسپین سے دوشاک کو جاتی ہے اور سیدھی ایرانی سرحد سے گذرتی ہے۔ ایسے نازک وقت پر سلطنت مذکور کا مخالفانہ رویہ اختیار کرنا ناممکن نہیں ہے۔ دوشاک سے سمرقند تک لائن کا حصہ جنگی لحاظ سے عمدہ ہے۔ لیکن ساتھہ ہی چارجوئی کے پل کے بار بار ٹوٹنے کا اندیشہ لگا ہوا بھی برابر ہے۔ اسمیں ایک اور نقص بھی ہے یعنی یہ سلسلہ یہ چھوٹی چھوٹی شاخوں سے ملا ہوا نہیں ہے۔ روسی ریلوے کو مکمل بنانے کیلیئے مندرجہ ذیل چند برانچوں کے نکالنے کی ضرورت ہے (۱) دوشاک (یا مرو) سے ذوالفقار (یا نجدہ) تک (۲) چارجوئی سے کلف تک (۳) سمرقند سے جانکیلہ تک۔ مؤخر الذکر لائن پر بہت روپیہ صرف ہوگا۔ اراال سے چارجوئی تک بحری اتصال کے علاوہ ایک ریلوے

لائن کا بھی اضافہ ہونا چاہیئے۔ آخر کار ان لائنوں کو ہرات بلخ اور فیض آباد تک وسعت دیجائے۔ ان سب مارچ کو طے کرنیکے بعد روسی ریلوے جنگی اصولوں کے لحاظ سے بہمہ وجوہ مکمل ہوجائیگی۔

انگلش ریلوے دریائے سندہ سے محفوظ ہے۔ سکھر کی لائن بعض وجوہات سے دریا کے دوسرے کنارہ پر رکھی گئی ہے۔ سکھر کا پل پولیٹکل حیثیت سے نہایت وقیع ہے۔ اسکے ہاتھ سے نکل جانے کے یہ معنی ہونگے کہ بندرگاہ کراچی پر سے قبضہ جاتا رہا۔ اس لائن کا ایک حصہ مابین اٹک و کالا باغ کے ابھی مکمل نہیں ہوا۔ انگریزی ریلوے سسٹم میں جن اضافوں کی ضرورت معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہیں۔ (۱) چمن سے قندھار تک (۲) دریائے سندہ سے بنوں اور شائد غزنی تک پشاور سے جلال آباد (یا گندمک) تک۔

دونوں سلطنتیں جہانتک ان شاخوں کو وسعت دینگی اسی پر تک ہم انکو لڑائی کے واسطے آمادہ کہہ سکیں گے۔

مسٹر کرزن نے ایران میں اجرائے ریلوے کے متعلق اس امر پر زور دیا ہے کہ انگریزوں کو جنوبی ایران میں اپنے اثر سے کام لینا چاہیئے۔ تاکہ وہ چمن سے براہ سیستان خلیج فارس یا دریائے کارون تک ریلیں بنا سکیں۔ اس طرح لائن کی جنوبی شاخیں گویا دریا بحر ہند کے کسی حصہ سے اور شمالی شاخیں بیرجند یا مشہد سے ملا دینی چاہئیں۔ اگر انگریز اس ریلوے کے بنانے میں کامیاب ہوجائیں تو یہ جنگی مسئلہ جسپر ہم غور کر رہے ہیں سرے سے پانسہ بدل جائیگا۔ لیکن دانائی اس بات کی مقتضی ہے کہ ہم اس وسیع سلسلہ ہی کو نہ چھوئیں جسکا موجودہ حالت میں محض خیالی کھٹکا بیجا نہ ہوگا۔

ایک روسی مدبر کے خیال میں جنگ شروع ہونے پر انگریز اس سے بہتر کوئی

صورت اختیار نہیں کرسکتے کہ قندہار پر قبضہ کرکے ریلوے کو کوئٹہ سے وہاں تک بچھائیں اور قندہار کے قلعہ کو انتہا درجہ کا استحکام دیں۔ یا کم سے کم مورچہ بندی کرکے اسکو فوجی کمک قرار دیں۔

میرے خیال میں انگریز قندہار میں متوقف نہ ہونگے بلکہ فوراً ہلمند کیطرف حملہ آور ہونے یا مدافعت کرنیکے خیال سے بڑھیں گے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ جنگ کا انگریزی سپاہ کے لیئے نہایت مبارک ثابت ہوا ہے اور ہنکورٹ پانکسٹر سن نینشولر اور واٹرلو کے معرکوں میں اسی طرح انگلستان نے کامیابی حاصل کی ہے انکے سوار فوراً ہمیں روکنے کیلیئے آگے روانہ ہونگے اور غالباً ہرات اور ہلمند کے وسط میں روسی لشکر کو دیکھکر صف ہائے جنگ آراستہ کرینگے۔ عین اسوقت انگریزوں کے دو اور دستے ایک بنوں سے غزنی کیطرف اور دوسرا پشاور سے کابل کیجانب حرکت میں آئیگا۔

انگریزوں کے ان تینوں دستوں کے لیئے ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ کسقدر سپاہ بہم پہنچ سکتی ہے۔ روسی اور انگریزی اہل الرائے نے تخمینہ کیا ہے کہ ہندوستان میں امن قایم رکھنے کے واسطے جسقدر سپاہ کی ضرورت ہو سکتی ہے اس سے قطع نظر باقی ایک لاکھ فوج سرحد کے بچانے کے واسطے دستیاب ہو سکتی ہے۔ فوج ہند کی تازہ فہرست یعنی آرمی لسٹ کے معائنہ سے معلوم ہوگا کہ یہ تخمینہ مبالغہ آمیز نہیں ہے۔ ہم روسی لوگ جو انگریزی سپاہ کو ناکارہ سمجھنے کے ایسے عادی ہوگئے ہیں کہ جب ہم یہ سنتے ہیں کہ انگریز اگر زیادہ نہیں تو اسیقدر سپاہ سرحد پر لاسکتے ہیں جسقدر ہم انکے سرحد ہند پر حملہ کرنے کے لیئے بھیجیں گے۔ تو ہمکو سخت حیرت ہوتی ہے۔

حسب ذیل فہرست میں ہم صرف اُسی فوج کا ذکر کرینگے۔ جو انگلو انڈین

سپاہ میں لڑائی کے واسطے نہایت عمدہ تصور کیجاتی ہے۔ بنگال و بمبئی کی تمام سپاہ اور مدراس کی فوج کے کچھ حصہ کو ہندوستان میں قلعوں کی حفاظت پر چھوڑنا چاہیئے۔ ریاستوں کی امپیریل سروس فوج شاید آمدورفت کے راستوں کی حفاظت پر مقرر کیجائے گی۔ مگر پالیسی کی ضروریات سے یہ بات اغلب معلوم ہوتی ہے کہ انسے عین لڑائی میں کام لیا جائیگا۔

مدافعت کرنے یا حملہ آور ہونیکے لیئے کوئٹہ میں جسقدر سپاہ بہم پہنچیگی ہے اسکی تفصیل راجن پور اور ڈیرہ غازیخاں کی فوج سمیت یہ ہے۔ ساڑھے نو ہزار پیادہ۔ تین ہزار سوار۔ ۴۴ توپیں اور ایک کمپنی سفر مینا کی۔ جنوں میں جسمیں کوہاٹ و ڈیرہ اسمٰعیل خاں کی سپاہ شامل ہو۔ تریسٹھ سو پیادہ۔ بارہ سو سوار۔ ۲۴ توپیں اور پشاور میں بمعہ نوشہرہ و ہوتی مردان۔ پچہتر سو پیدل۔ پندرہ سو سوار اور ۶ توپیں ہیں۔

وہ تین بڑھنے والے دستے بالخصوص مندرجہ بالا فوج سے ترتیب دیئے جائینگے انکی کمک میں کثیر التعداد قلعوں کی سپاہ ہوگی جنکا سلسلہ قلب بنگال تک پہنچتا ہے چونکہ انگریز ہندوستان کے قبضہ کو بزور شمشیر خیال کرتے ہیں۔ اسلیئے سپاہ جابجا ملک میں پھیلا دیگئی ہے۔ ان قلعوں کی سپاہ بتفصیل ذیل ہے:۔ راولپنڈی ڈویژن بمعہ ایبٹ آباد دس ہزار پیادہ۔ تین ہزار سوار۔ ۶۰ توپیں۔ لاہور ڈویژن بمعہ ملتان۔ فیروزپور۔ امرتسر۔ بکلوہ و دھرمسالہ۔ ۱۴ ہزار پیادہ۔ ۲ ہزار ۴ سو سوار اور ۳۰ توپیں۔ راولپنڈی ڈویژن پشاور کے بہت قریب ہے۔ ریل میں جانے پر جنوں کا لمبھی یہاں سے چھ گھنٹہ کے فاصلہ پر رہیگا۔

لاہور ڈویژن گو کسیقدر دور ہے لیکن بذریعہ ریل کوئٹہ سے ملحق ہے۔ اسلیئے اسکو بھی ایک اعانتی ڈویژن تصور کرنا چاہیئے۔

لاہور سے کلکتہ تک کی بڑی سڑک پر نظر ڈالنے سے مفصلہ ذیل مزید سپاہ کا پتہ لگتا ہے۔

ضلع انبالہ ۵ ہزار پیادہ ۱۲ سو سوار اور بارہ توپیں۔ میرٹھ ڈویژن ۶۰۰۰ پیادہ ۱۲ سو سوار ۴۸ توپیں۔ ایک کمپنی سفر مینا کی۔ یہاں پانچ کمپنیوں کا ہیڈ کوارٹر ہے

ضلع لکھنؤ بمعہ روہیلکھنڈ ۷۵۰۰ پیادہ ۳ ہزار پانچ سو سوار ۳۰ توپیں (الہ آباد ڈویژن بمعہ آگرہ و جھانسی) ۱۱ ہزار پیادہ ڈیڑھ ہزار سوار ۴۲ توپیں۔ پس جسقدر انگریزی فوج میدان جنگ میں آنیکے قابل ہے۔ اسکی میزان ۱۰۵۰۰۰ (ایک لاکھ پانچ ہزار) سپاہ اور ۴۲۰ توپیں ہیں۔

ممکن ہے کہ یہہ اعتراض کیا جائے کہ ہمنے کراچی اور انگلنڈ کی امدادی سپاہ کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن لارڈ ڈنٹج کی کمیٹی کے سامنے جو شہادتیں دیگئی ہیں۔ اُنسے ظاہر ہوتا ہے کہ انگلستان موقعہ جنگ پر ہندوستان کو مطلق امداد نہیں دیسکتا اور ہندوستان کے اچھی طرح کان کھولدیئے گئے ہیں کہ اگر اسکو کسی سے لڑنا پڑا تو اُس وقت اُسکو صرف اپنی ہی طاقت پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ لیکن ہمکو یہہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ہندوستان کی گورہ سپاہ یا اُسکا جو حصّہ ولایت میں ہے اس سے میدان جنگ میں کام نہیں لیا جائیگا۔

ہندوستان کی گورہ سپاہ مقیم ولایت کراچی پہنچکر بذریعہ ریل تمام ملک میں جہاں ضرورت ہو تقسیم ہو جائینگے۔ محفوظہ سپاہ تربیت یافتہ اور دیسی فوج سے نہایت قریب ہے۔ یہہ ایک لاکھ سپاہ جسطرح ہندوستان کی حفاظت پر مامور کیجائیگی اسکی نسبت میں قیاساً کہہ سکتا ہوں کہ برٹش گورنمنٹ سب سے پہلے ۴۰ ہزار سپاہ اور مناسب توپخانہ کو کوئٹہ سے قندہار کیطرف حرکت کرنیکا حکم دیگی۔ میں اس نتیجہ پر حسب ذیل وجوہات سے پہنچا ہوں۔ (۱) صرف یہی ایک رستہ ایسا ہے جس پر بڑی فوجوں

کے گذرنے کے لایق ہے۔ اور عظیم الشان معسکر کہ جنگ کے واسطے ابھی اس سے بڑھکر کوئی موزون مقام نہیں ہوسکتا۔ (۲) کوئٹہ و قندہار کے قریب مورچہ بندی کیئے ہوئے سپاہیوں سے سپاہ بھی آسانی سے ملسکتی ہے۔ (۳) قندہار کی سپاہ صرف ایک ہی درہ پر کام نہیں آئیگی بلکہ وہ کمال حفاظت سے براہ سڑک یا چکر کھا کر بذریعہ ریل قبیلہ دو کالموں کی کمک کے واسطے بھی جاسکتی ہے۔ یہہ چالیس ہزار سپاہی غالباً سہولیت کے خیال سے اس طرح جمع کی جائے گی۔ ساڑھے بارہ ہزار کوئٹہ سے ۱۶ ہزار چار سو لاہور سے ۶۲۰۰ انبالہ سے ۷۲۰۰ میرٹھ سے میزان کل ۴۲ ہزار تین ہو۔

اگر یہ فرض کیا جائے کہ تیس ہزار سپاہ قندہار میں اور دس ہزار کوئٹہ میں متعین کیجائیگی تو اس امر کا سرسری اندازہ کرنا بیجا نہوگا کہ یہ سپاہ کسقدر عرصہ میں مقامات مذکور میں پہونچیگی۔ کوئٹہ کا دستہ ڈیرہ غازیخاں اور راجن پور کے رستے سے چھٹے دن قندہار جا پہنچیگا۔ چمن سے قندہار ساٹھ میل ہے اور کوئٹہ سے چمن تک بذریعہ ریل چالیس میل کا فاصلہ ہے۔

مسٹر ڈیوڈ راس کے قول کے مطابق جو ہندوستان کی ریلوں کے متعلق خصوصیت سے تجربہ رکھتے ہیں۔ اگر آٹھ سپیشل ٹرینیں ہر روز چھوڑی جائیں تو انمیں ۲۱۶۰ سپاہی بمعہ شاگرد پیشہ گھوڑوں اور توپ خانہ و جنگی ساز و سامان کے جاسکتے ہیں۔ لاہور میں اطراف و جوانب کی جمع شدہ فوج جنگی تعداد ۱۶۴۰۰ ہوگی۔ آٹھ روز میں مقام جنگ کے پاس پہونچ سکتی ہے۔ تین روز ریلوے پر سفر کرنے کے بعد ستر ہوں دن ۸۹۰۰ سپاہ بمعہ ساز و سامان گھوڑوں اور توپ خانہ کے قندہار پہونچ جائیگی۔ اور ہلمند کے میدان جنگ کیطرف حرکت کرنیکے لیئے تیار ہوگی۔ انبالہ کی ۶۲۰۰ سپاہ کو ۲۲ دن چمن پہنچنے میں اور ۲۸ دن قندہار پہنچنے میں لگینگے جہاں یہہ غالباً متعین کیجائیگی۔

میرٹھ کی سات ہزار دو سو فوج محافظت کی غرض سے کوئٹہ کے بالمقابل متعین کیجا سکتی ہے اور اسکے وہاں تک پہونچنے میں ۳۱ دن صرف ہونگے۔

یہ وہ تجاویز ہیں جو انگریز قندہار کے متعلق اختیار کر سکتے ہیں۔

شمال کیجانب دوسرا انگریزی دستہ غزنی روانہ ہوگا۔ یہہ یاد رکھنا چاہیئے کہ پہنچے ۴۳۰۰ سپاہ معہ سواروں اور توپخانہ کے قندہار کیواسطے مخصوص کی ہے۔ باقی ۶۱۰۰ فوج کے دو حصے کیے جائینگے۔ ایک حصہ تو محفوظ رکھا جائیگا اور دوسرے سے کابل غزنی کیطرف بھیجنے کے لیئے دستے بنائے جائینگے۔ میرے قیاس میں غزنی و کابل کے کالم دس دس ہزار جوان کے ہونگے۔ دس ہزار راولپنڈی میں اور ۳۳۰۰ فوج لاہور میں محفوظ رکھی جائیگی۔

غزنی کالم بنوں کے ۷۵۰۰ سوار اور پیادوں توپخانہ اور ۵۰۰۰ سپاہی راولپنڈی کی فوج سے یکبارگی مرتب کیا جائیگا۔ دس سے بارہ روز تک اس فوج کو بنوں میں فراہم ہونے لگیں گے اور غزنی پہونچنے میں اور بارہ روز صرف ہونگے گویا تقریباً تین مہینے بھر کے سفر کے بعد یہہ دستہ غزنی میں وارد ہوگا۔ اور اسکا فرض یہہ ہوگا کہ اگر روسی لشکر بخ یا بامیان سے کابل پر حملہ کرنا چاہے۔ تو اسکا مقابلہ کرے نیز اگر ضرورت ہو تو یہہ دستہ قندہار کے اسقدر نزدیک قیام پذیر ہو سکتا ہے جہاں سے نازک وقت آنے پر فوراً فوج قندہار کے ساتھ شامل ہو سکے۔ غزنی کا سامان جیسا کہ پہلے ظاہر کیا جا چکا ہے۔ ہزارہ کی پہاڑیوں کے سبب سے بہت ناقابل محفوظ ہے۔ اسلیئے یہہ رستہ بڑی سہولیت سے کابل خواہ قندہار کیطرف کوچ کر سکتا ہے۔ حالانکہ یہ امر بادی النظر میں بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔

کابل کالم نو ہزار سپاہ کا ہوگا۔ جسمیں سوار توپخانہ وغیرہ شامل ہیں یہہ فوج پشاور اور اسکے قرب و جوار سے فراہم کیجائے گی اور اسکے واسطے راولپنڈی

سے بھی ایک ہزار سپاہی لیئے جائینگے۔ کالم مذکور یا تو پشاور جلال آباد یا کابل میں لڑائی کا منتظر رہیگا۔ اسکو چترال کیجانب بھی ہوشیاری سے نگاہ رکھنی پڑیگی مجھے اسمیں ایک نقص معلوم ہوتا ہے جسکو میں آئندہ ظاہر کرونگا۔

پس لڑائی کے ابتدائی حصہ میں معاملات کی یہ صورت ہوگی۔ روس:- (۱) ۹۱۸۰ روسی سپاہ بائیس روز میں ہرات پہنچے گی۔ (۲) ۹۵۰۰ فوج ۴۵ دن میں بلخ (۳) دس ہزار فوج ۵۲ روز میں فیض آباد۔ بہتر ہزار فوج محفوظ جسکو مرو سے چارجوی کیطرف حرکت کرنا پڑیگا اگر اسکے ۲۱۶۰ سپاہی روزانہ روانہ ہوں۔ تو تمام فوج کو ضروری مقامات تک پہنچنے میں اٹھاون سے ساٹھ روز تک لگیں گے۔ اسوا ہر کا کہ سپاہ مذکور کس کس جگہ بھیجی جائیگی۔ دیدہ و دانستہ ابتک فیصلہ نہیں کیا گیا اسکی وجہ آگے ظاہر کیجائیگی۔ برٹش گورنمنٹ:- ۳۸۹۰۰ انگریزی سپاہی ستر ہویں روز قندہار پہنچیں گے۔ ۶۲۰۰ اٹھائیسویں دن چمن۔ ۲۰۰۰ تیسویں دن کوئٹہ ۱۰۰۰۰ بائیسویں دن غزنی۔ ۱۰۰۰۰ بارہویں دن جلال آباد۔ چترال کی مقامی سپاہ انگریزی افسروں کے ماتحت (یعنی ۱۰۰۰) محفوظ:- دس ہزار راولپنڈی اور ۳۳ ہزار لاہور میں۔

بحیثیت حملہ آور ہونے کے میں یہ بتاتا ہوں کہ ہماری آئندہ کارروائی کیا ہوگی۔ برٹش گورنمنٹ چند سال سے ظاہر کر رہی ہے۔ کہ اسکو بالخصوص ہرات کیجانب سے حملے کا سخت اندیشہ ہے۔ کیونکہ یہی ملک بڑی بڑی فوجوں کی آمد و رفت اور عظیم معرکہ جنگ کے لیئے زیادہ موزوں واقع ہوا ہے۔ اسی غرض سے انہوں نے کوئٹہ کے نزدیک نہایت استحکام سے مورچہ بندی کی ہوئی ہے۔ جسکو وہ ناقابل تسخیر بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے ریلوے کو سبی سے چمن تک وسعت دی ہے۔ اسکے خاتمہ پر قندہار تک لائین کے لیجانے کا سامان جمع پڑا ہوا ہے۔ نیز ہلمند کا موقعہ

بھی انتخاب کیا گیا ہے۔ قندہار کی نلبندی کی تجاویز فیصل ہو چکی ہیں جنکی بموجب اسکو فوراً مضبوط کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ بریں ممکن ہے کہ برٹش گورنمنٹ ایران سے ساز باز کر کے سیستان میں اپنے پاؤں جمالے۔ ہمکو اس خطرہ سے کبھی غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ انگریزوں کی جنگی تیاریوں کو دیکھکر غالباً لوگ یہہ کہینگے کہ کونسا عقلمند ہوگا۔ جو اپنے سر کو ایک شیر کے منہہ میں دیدینا پسند کریگا۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں۔ بلکہ میں بڑے زور سے اس امر کو پیش کرتا ہوں کہ ضرور ہرات لائن پر فوجکشی کیجائے۔ اس طرح ہم ترکمان سواروں کا سک اور چند پیادہ پلٹنوں سے انگریزوں کے دلوں میں یہہ خیال پیدا کرنے میں کامیاب ہونگے کہ تمام روسی لشکر ہرات پر چڑھ آیا ہے۔ اور وہ اپنی زیادہ طاقت ہرات لائن پر صرف کر دینگے۔ اس طرح ہمیں اپنی پوری طاقت کو کسی اور رخ کیطرف پھیر دینے کا موقعہ ملجائیگا۔ کہ جسکے محفوظ ہونے میں ذرا بھی کلام نہیں ہو سکتا جنرل کوماٹیکن کے نزدیک دس ہزار سوار جنمیں آٹھہ ہزار ترکمان ہوں اس غرض کے لیئے کافی ہیں لیکن اس وقت ہمارے پاس صرف تین سو ترکمان ہیں۔ معلوم نہیں کہ آٹھہ ہزار میں سے بقیہ ۷۷ ایک لحظہ کے نوٹس پر کہاں سے ہم پہنچ سکیں گے۔ اس قسم کے ناتربیت یافتہ اور غیر قواعد دان دستے سے بجائے فائدہ کے ہمیں سخت نقصان پہنچیگا۔ تاہم بہرکیف میں اصولاً اس سے اتفاق کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ لائن سواروں کی ترکتاز کے لیئے اچھا میدان ہے۔ اور اسمیں شک نہیں کہ انگریز بھی یہاں فوج سواروں سے ہی کام لیں گے۔ ہرات کیطرف رخ کرنا محض برٹش گورنمنٹ کے فریب دینے کے لیئے ہوگا۔ تاکہ وہ ہمارے اصلی ارادوں سے واقف نہ ہونے پائے۔ جن سے ہم آخر دم تک اسکو تاریکی میں رہنے کی کوشش کرینگے اگر کابل کیطرف پیشقدمی کیجائے تو معاملات کی کیا صورت ہوگی؟ اسمیں کچھ شک

نہیں ہے کہ انگریز ہمسے بہت پہلے کابل پہنچ جائیں گے۔ کیونکہ لنڈی کوتل سے کابل تک ۳۳
میل فاصلہ ہے۔ نیز ہندوکش کی پہاڑیاں ہماری سدراہ ہونگی حالانکہ پشاور سے
کابل تک کی مسافت ۱۸۰ میل ہے۔ اور ایک عمدہ سڑک ان دونوں شہروں کو باہم
ملاتی ہے۔ اگر وہ جلال آباد یا گندمک سے آگے بڑھیں تو یہ مسافت نصف سے بھی کم
رہجائیگی۔ اسلیئے ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ کابل کو بڑی سرگرمی سے استحکام دیا جائیگا
اور اسکو پشاور سے براہ راست اور غزنی سے بالواسطہ کمک ملسکتی ہے۔

اب چترال کو لیجیئے۔ میں جانتا ہوں کہ چترال ایک غریب ملک ہے۔ اور وہ
دس ہزار سپاہ کی بھی پرورش نہیں کرسکتا۔ نیز مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ
ملک نہایت دشوار گذار ہے اور موجودہ حالت میں اس راہ سے توپخانہ اور سواروں
کو نہیں لیجایا جاسکتا۔ باوجود ان سب تکلیفوں کے میں اسی لائن کے اختیار کرنے
پر زور دونگا۔ خواہ چترال تہیدست ہو۔ لیکن بدخشاں جہاں سے ہمیں گذرنا پڑیگا
کثرت سے سامان رسد مہیا کرسکتا ہے۔ درہ دورہ کی سپاہ خواہ وہ انگریزی
افسروں ہی کے ماتحت کیوں نہ ہو۔ ہمارے حملوں کی تاب نہیں لائیں گے۔ انگریزی
فوج نے ایک دفعہ جب چترال میں شکست پائی تو پھر اسکو ہندوستان کیطرف
واپس جانیکا سیدھا راستہ نہیں ملیگا۔ کیونکہ انکی عجیب پالیسی نے راہ کی چھوٹی چھوٹی
قوموں کو خودمختار اور آزاد رکھا ہوا ہے۔ اسطرح جلال آباد اور پشاور کی
سڑکیں روس کی پیشقدمی کے واسطے کھل جائینگی۔ بدخشاں سے رسد بہم پہنچا کر ہم
چترال کو اپنی پیشقدمی کا صدر مقام قرار دے سکتے ہیں۔ یہاں سے جو سڑک
جلال آباد سے وادی کنار تک اور براہ دیر و لاہوری درہ پشاور کو جاتی ہے
انکو ہم توپخانہ اور سواروں کے گذرکے قابل بنا سکتے ہیں۔ میں اس حالت میں پولیٹکل
ایجنٹ ان قوموں کو جو لڑائی میں تتر بتر ہوگئی ہونگی دوبارہ اپنے جھنڈے

کے نیچے جمع کرلیں گے۔ چترال میں ہماری ایسی مضبوط حالت امید ہے کہ انگریزوں کو کابل لائن پر اپنے تمام مورچے چھوڑ دینے پر مجبور کریگی۔ چترال پر حملہ انگریزوں کے واسطے ناگہانی ہوگا گو اور ناکوں پر انہوں نے اپنا جنگی ساز و سامان مکمل کر لیا ہے۔ لیکن وہ چترال میں ہماری مدافعت کیلئے تیار نہیں ہیں۔ اسمیں ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ اگر ہمیں شکست ہوئی تو آکسس اور بدخشاں ہمیں پناہ دینے کیلئے کافی وسیع ہے۔

اگر چالیس یا پچاس ہزار سپاہ کابل پر انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے واسطے روانہ ہو۔ اور دس ہزار فوج انگریزوں کے عقب میں متعین کیجائے۔ درانحالیکہ ملہند کیطرف روس بالکل حرکت نہ کرے۔ جہاں کہ انگریزوں نے کثیر التعداد لشکر و سامان مدافعت جمع کیا ہوا ہوگا۔ تو ظن غالب ہے۔ انگریز بائیں سمت کو چھوڑ کر داہنی طرف بڑھیں گے۔ اور کالم فرنی سے امداد حاصل کرکے حملہ آور ہونیکے لیئے تیار رہجائینگے نیز ممکن ہے کہ اسکے ساتھ ہی چترال کیجانب سے فوجکشی کو روکنے کیلیے جلال آباد اور پشاور میں مورچہ بندی کیجائے۔

میرے خیال میں معاہدہ صلح کے قرار دینے کے واسطے اس سے بہتر کوئی موقعہ نہ ملیگا۔ جنکی شرائط غالباً یہہ ہونگی کہ روس ہرات فیض آباد اور بلخ پر اور انگریز قندہار۔ غزنی۔ کابل اور چترال پر قبضہ کرلیں۔ جسکو دوسرے الفاظ میں افغانستان کی تقسیم کہنا چاہیئے۔ پیدائش کی لائن دونو سلطنتوں میں بطور سرحد کی ہوگی۔ میں بمشکل کہہ سکتا ہوں کہ یہہ صلح دیرپا ہوگی۔ بلکہ اسکو چند روز کے لیئے التوائے جنگ سمجھنا چاہیئے کہ آئندہ جنگی کارروائی اختیار کرنے سے پہلے دم لے لیا جائے انگلستان کے بعض اعلے درجہ کے مدبرین کے خیالات سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریز شرائط مذکور پر فوراً رضامند ہوجائیں گے۔

چترال میں روسی فوج کے پہونچ جانے کے بعد اگر ہم براہ راست کابل پر حملہ کریں۔ تو قبل اسکے کہ انگریز اس لائن پر بڑی فوج جمع کرسکیں ہمیں کامیابی کی بہت کچھ توقع ہے۔ سر ہنری راولسن نے جو ایک مشہور مضمون نگار ہیں۔ اس بارہ میں جو خیالات ظاہر کئے ہیں۔ انسے بھی میری رائے کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ انگریزی قبضہ کابل کی نسبت لکھتے ہیں کہ "غالباً ایشیا بھر میں کابل ہی ایک ملک ہے کہ جسکا نظم ونسق اور قبضہ قابل اطمینان طور پر نہیں ہوسکتا اول تو یہ کہ دار الخلافہ اور اسکے قرب وجوار میں ایسے متعصب اور فتنہ انگیز لوگ رہتے ہیں۔ کہ جنہوں نے آجتک کبھی اپنے بادشاہوں کی پوری متابعت نہیں کی خواہ برٹش گورنمنٹ انپر کتنا ہی دباؤ کیوں نہ ڈالے وہ قابو میں آنے والی چیز ہی نہیں ہیں" فی الواقعہ جب روسی فوج باہر سے حملہ آور ہوگی تو ملک کی اندرونی سازشوں اور بغاوتوں سے اسکو بہت کچھ مدد ملیگی۔

اگر کابل پر ہمارا قبضہ ہوجائے۔ تو انگریز گنڈمک کے قریب دے جگدلک کی حفاظت پر ہی قناعت کرلینگے۔ نیز کالم غزنی سے کمک حاصل کرکے کابل کے چھڑانے کی کوشش بھی غیر ممکنات سے نہیں ہے

ابتک میںنے ان مقامات اور ناکوں کی نسبت بحث کی ہے جہاں سے انگریزی فوج ہماری مدافعت کیلئے آمادہ ہوسکتی ہے۔ اسکے ساتھ ہی میںنے ایران کی حالت کیطرف بھی اشارہ کردیا ہے۔ جیسا کہ میں ظاہر کرچکا ہوں۔ ایران لڑائی کے لحاظ سے ایک نہایت ضروری سرزمین ہے۔ چونکہ میدان جنگ سے بہت قریب ہے اسلئے براہ ایران ایک ایسا حملہ روس پر ہوسکتا ہے جو ممکن ہے کہ اسکے حق میں سخت خوفناک بات ہو۔ شاہ ایران کی منظوری سے یا خود بادشاہ کے ایماد سے انگریزوں کو سیستان یا خراسان میں لڑائی

سرحد کے تسلیم کیا جاتا ہے گو تمام سرحدوں میں باستثنا کفدست میدان کے شاید پہاڑی حدود کو فوقیت حاصل ہے۔ لیکن ساتھ ہی تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ آجتک کوئی پہاڑ دشمن کے حملہ آور ہونے کو قطعی طور پر نہیں روک سکا۔ اس سلسلہ کوہ کے عقب میں دریائے سندہ کو بھی سرحدی استحکام کا باعث کہہ سکتے ہیں مگر نپولین اعظم اس قسم کی رکاوٹوں کی کچھ پرواہ نہیں کیا کرتا تھا۔

خواہ سلسلہ کوہ و تیز و تند دریا سے سرحد کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو مگر انگریزوں کا عزم راسخ اثبات استقلال ان پہاڑوں اور دریاؤں سے بھی زیادہ مستحکم ہے۔ اور یہ قومی خصوصیات فوراً میدان جنگ کے پاسہ کو پلٹ کر فتح کو انگریزی جھنڈہ کے نیچے پناہ لینے پر مجبور کرینگی۔ بعض روسی مدبر امریکہ کی تمثیل پیش کرکے کہتے ہیں کہ جسطرح انگریزوں نے اسملک کو بیدلی سے چھوڑ دیا۔ اس طرح جب روس کیطرف سے دباؤ پڑا تو وہ ہندوستان کو بھی اسکی قسمت کے حوالے کرکے جائینگے۔ لیکن میں اس بارہ میں انسے متفق نہیں ہوں۔ کیونکہ امریکہ و ہندوستان کی حالت باہم مختلف ہے۔ پہلے لڑائی ایک ہی خون اور ایک ہی زبان کی قوموں میں تھی اور جنگ کا باعث ایک خانگی معاملہ تھا۔ بخلاف اسکے جنگ دو ایسی سلطنتوں میں ہوگی جو مدت سے ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہیں۔ اور فاتح کا انعام بھی کچھ کم نہ ہوگا یعنی کل براعظم ایشیا کی سلطنت۔ یہاں وہ کہر کی ناممکن الدخل تیرگی کو پھاڑ کر اور جنگی حدود سے گذر کر سن غیر محدود میدان میں جانیکی کوشش کرینگی۔ جو عزت اقوام کے نام سے موسوم ہے۔

[جے۔ جی۔ بنگھم بنڈ]

ضمیمہ سوم

امیر صاحب اور گورنمنٹ ہند کی خط و کتابت ۱۸۹۷ء کے سرحدی جنگوں کے متعلق

ترجمہ چٹھی جناب امیر صاحب افغانستان بجانب صاحب کمشنر و سپرنٹنڈنٹ پشاور ڈیٹڈ ان مورخہ ۱۸ اگست ۱۸۹۸ء۔

بعد مراسم۔ آپکی چٹھی مورخہ ۱۳ اگست ۱۸۹۸ء مطابق ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ میرے پاس پہنچی اور حقیقت مندرجہ معلوم ہوئی۔ اسمیں آپ لکھتے ہیں کہ:۔ یعنے کوائف مندرجہ سمجھ لیئے ہیں۔

میں نے آپکی چٹھی سپہ سالار جنرل غلام حیدر خاں اور اُن لوگوں کی نسبت حالات معلوم کرنیکے لیئے پڑھی ہے۔ جو جلال آباد کے علاقہ میں رہتے ہیں اور اُسکی نسبت آپ مجھے لکھتے ہیں۔ اب بجواب اسکے میں جنرل غلام حیدر خاں سپہ سالار اور باقاعدہ افغان افواج کی نسبت لکھتا ہوں کہ اِنمیں سے ملا نجم الدین کے ساتھ بہ مطلق کوئی شامل نہیں ہوا اور نہ ہے۔ اور نہ آیندہ کبھی ہوگا۔ فرقوں کی نسبت آپ خود جانتے ہیں کہ میرے خوف سے کوئی بھی اس الجہاد میں علانیہ شامل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی شخص نے ایسا کیا ہو تو وہ خفیہ کیا ہوگا۔ آپکو بخوبی معلوم ہے کہ چند سال گذرے ہیں ملا نجم الدین کابل سے بھاگ کر ضلع پشاور کے مقام جارو بی میں جا آباد ہوا تھا۔ اور برٹش گورنمنٹ کے

معتمدوں نے بارہا اُسکو اپنے پاس بلوایا تھا۔ اور گو وہ حاضر نہ ہوا تاہم اسکی انکے ساتھ خط و کتابت جاری رہی۔ اور وہ میرے ملک سے بھاگا ہوا تھا۔ اپنی بد اعمالیوں کیوجہ سے جنکا وہ مرتکب ہوا تھا۔ اور کئی فسادوں کی وجہ سے جو اُسنے لوگوں میں برپا کیے تھے وہ اپنی بدکرداریوں سے خود ہی اسقدر ڈرتا تھا کہ اُسنے پشاور کے قریب شاہ جالی۔ مہندی اور جلال آباد کے لوگ اور جلال آباد کے پہاڑی اضلاع کے لوگ انکو اپنا پیغمبر مانتے ہیں۔ اور اُسکے ملائکی کے ایمار سے اُسکے ہزارہا گرویدہ مرید ہیں جسطرح پرانے وقتوں میں یورپ میں پوپ کو بہشت اور دوزخ کے مالک ہونیکا دعوے تھا اور لوگوں کو بھی ایسے بیہودہ پیشواؤں پر اعتقاد تھا۔ اسی طرح ان ملاؤں کو بھی اسی قسم کی طاقت رکھنے کا دعوے ہے۔ اور ان گذشتہ چند سالوں میں اُنہوں نے میری افغان رعایا کو بھی میرے مقابلہ پر باغی کر دیا تھا۔ اور ہر موقعہ پر خواہ یہ فساد قندہار میں ہوا۔ یا ملامشک عالم کا یا اوزبک ملاؤں کا تھا جو بلخ میں اسحاق خاں کے ساتھ جا ملے تھے۔ یہ ملا ہی فساد کے بانی تھے۔ وہاں ایک موضع ہڈ نام ہے جسمیں چمار یا چرم کمانے والے رہتے ہیں۔ وہاں یہ شخص ملا نجم الدین رہتا ہے۔ اور اُسکے مریدوں نے اس ناپاک موضع کو ہڈ اشریف مشہور کر دیا ہے۔ کیونکہ اسکے طالبعلم اور مرید اسکو پیغمبر مانتے ہیں۔ اسکے لایعقل احکام سے کونسی مصیبت ہے جو اسپر نازل نہیں ہوئی۔ اور کونسا خون ہے جو بہایا نہیں گیا۔ ؟ اب اُسنے اپنا مسکن ایسی جگہ اختیار کیا ہے جو کابل سے خود مختار ہے اور پشاور کے پڑوس میں ہے۔ اور اپنے آپکو بہت نامور کر لیا ہے۔ ان حالات میں برٹش گورنمنٹ کے معتبر افسر انصاف سے کہیں کہ میں کسطرح کوئی برتاؤ اُسکے ساتھ کر سکتا ہوں۔ اور کسطرح میں اسکا اور اسکے مریدوں کا انتظام کروں جو اسکو پیغمبر سمجھکر خفیہ اسکے جمع ہوتے ہیں۔ ہر ایک ملا کئی سال سے مجھے کئی طرح کافر اور مرتد کہہ چکا ہے۔ اور اسکی انگیخت سے اسکے مرید میرے ساتھ لڑائیاں

کر چکے ہیں۔ انکے گھر تباہ اور انکی گردنیں تہ تیغ کیگئی ہیں۔ انہوں نے ۱۴ سال افغانستان کے ہر ایک حصہ کو خواہ وہ میدانی یا پہاڑی تھا۔ اُس وقت تک میرے مقابلہ پر پکڑا رکھا۔ جبتک کہ جانبین کی ہزارہا جانیں تلف نہ ہوئیں۔ اور خود یہ مفسد ملا بھی اپنے ہزارہا مریدوں کے ساتھ کام نہ آئے۔ ہر ایک ملا نے جسقدر اسکا بل چل سکا ہے میرے مقابلہ پر بغاوت کرانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اور وہ ہمیشہ اپنے کئے کا خمیازہ اوٹھا کر برٹش حدود میں پناہ لیتے رہے ہیں۔ اور اس گورنمنٹ کی اولعزمی سے روگردانی کا نوالہ لیتا رہا ہے۔ جس سے یہ ملا اپنا پیٹ پالتے رہے ہیں اور یہ وہی ملا ہیں جو مجھ سے بھاگ کر پشاور کے قریب آزاد ملک میں جا آباد ہوئے ہیں۔ کہیئے میں کسطرح انکا انتظام کر سکتا ہوں۔ سپہ سالار اور باقاعدہ فوج کی نسبت میں پھر آپکو یقین دلاتا ہوں کہ وہ کبھی کوئی معاندانہ کارروائی نہیں کرینگے اور آپکے پاس جو خبر پہنچائی گئی ہے یا اُسکا پہنچایا جانا ممکن ہے کہ باقاعدہ فوج اور غلام حیدر خاں سپہ سالار اس فساد میں کوئی حصہ لے رہی ہیں۔ یہ سب افترا ہے۔ اور میں خود قسمیہ کہتا ہوں کہ نہ میری فوج اور نہ افغانستان کے معتبر افسر اس سے کوئی سروکار رکھتے ہیں۔ برٹش گورنمنٹ کے ذی اقتدار حکام کے کانوں تک جو کلمہ پہنچایا گیا ہے وہ سراپا بے بنیاد ہے۔ ان ملاؤں کی آپکے قرب کی وجہ سے جو حین آپکے ملک کے پاس ہے اور اب سرحدی لائن کی وجہ جو برٹش گورنمنٹ کی حدود میں ہے۔ میں ان دلائل پر اور کیا اضافہ کر سکتا ہوں۔

(بذریعہ تار) منجانب صاحب کمشنر و سپرنٹنڈنٹ پشاور ڈویژن بخدمت قائمقام چیف سکرٹری گورنمنٹ پنجاب مورخہ ۲۰ اگست ۱۸۹۳ء۔

میں نے کرنل اسلم خاں کو بلوایا تھا۔ وہ کل جمرود سے یہاں آیا اور اسکے ساتھ مشورہ

مورخہ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ مطابق ۲۱ اگست ۱۸۹۷ء۔

بعد آداب و کورنشات۔ بموجب اُن معلومات کے جو بوساطت رہائینس کے شاہ غاسی کی وساطت سے حاصل ہوئے ہیں۔ میں عرض پرداز ہوں کہ مینے یہہ افواہ سنی ہے کہ بچہان غازیین۔ اور سورہین وغیرہ کے لوگ غازی ہونے کے واسطے مُلّا ہڈا کے ساتھ شامل ہونیوالے ہیں۔ اور مینے یہہ بھی سُنا ہے کہ خان لالپورہ اُسکو آرد۔ گھی۔ اور دیگر اشیاء سے مدد بہم پہنچا رہا ہے۔ جو اِس غرض کے واسطے مختلف دیہات سے جمع کیا جاتا ہے۔

مینے یہہ بھی سُنا ہے کہ باقاعدہ افواج کے بعض آدمی جو اِس وقت اسمار میں مقیم ہیں۔ ایسا ہی کرنیوالے ہیں۔ اگر یور ہائینس مناسب سمجھیں تو کوئی ایسا انتظام فرمائیں کہ زیادہ تر لوگ مُلّا ہڈا کے ساتھ شامل ہونے سے رُک جائیں۔

ہز ہائی نس امیر صاحب کا پرلٹش ایجنٹ کو جواب۔

بعد ما وجب "جشن متحدہ" کے روز آپ بھی موجود تھے اور اِس موقعہ پر مینے جو کچھہ کہا تھا وہ آپنے خود سن لیا تھا۔

مسلمان ملاکے صدقدل سے عقیدتمند ہیں۔ لیکن میرے خوف سے اسکو کسیطرح پر مدد نہیں دیسکتے۔ لیکن میں اِس مدد کی نسبت کچھہ نہیں کہہ سکتا۔ جو وہ خفیہ دیسکتے ہیں۔

یہہ خبر صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر مُلّا کے پیرو اِسکی مدد نہ کریں تو اسکو کہانے کے واسطے کسطرح خوراک ملسکتی ہے؟ تاہم میرے ڈر سے اِسکے معتقد ہی اسکو علانیہ کوئی شئے نہیں بہیج سکتے۔ یعنی جنگ ہا میں تمام افسروں کے نام ہدایتیں جاری کرتی ہیں اور وہ خفیہ نگہبانی کر رہے ہیں۔

ملاکے ایک مرید نے جو لنگان میں رہتا ہے اور ملا کا خلیفہ ہے لنگان کے باشندوں

کو بہکا کر پانسو آدمی جمع کر لیئے تھے سب منتشر کر دیئے۔ اور انمیں سے چالیس گرفتار کر لیئے خلیفہ اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ بھاگ گیا ہے۔ لیکن اسکی گرفتاری کے واسطے تدابیر عمل میں لائی جا رہی ہیں نجم الدین کے ہزارہا مرید اور خلیفے افغانستان میں موجود ہیں۔ حتی الامکان میں انکی حرکات و سکنات کی نگہبانی کرونگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ کھلے طور پر کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن جو کچھ خفیہ کیا جائے اسکا روکنا میرے امکان سے باہر ہے۔ کیونکہ اگر میں کسی شخص کو شبہہ میں گرفتار کروں تو وہ فوراً ہر طرح کی شمولیت سے انکار کریگا۔

اس طرح کوئی شخص علانیہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اور میں انکو شبہہ میں قابو نہیں کر سکتا ملا۔ اسکے خلیفوں و مریدوں کے بھی حالات ہیں جو میں نے اوپر بیان کیئے ہیں۔

انکے کوئی علانیہ مخالف کارروائی کرنیکا مطلق اندیشہ نہیں ہے اگر انہوں نے کچھ کیا ہے تو خفیہ کیا ہوگا۔ وہ میرے خوف سے برملا کچھ نہیں کر سکتے۔ یہی حالات ہیں جو اب تحریر کرتا ہوں۔

منجانب ہز اکسیلنسی وائسرائے و گورنر جنرل ہند بخدمت ہز ہائینس امیر صاحب افغانستان۔ جی۔ سی۔ بی۔ جی۔ سی۔ ایس آئی مورخہ ۴ ستمبر ۱۸۹۷ء

بعد مراسم آداب میں اپنی چٹھی مورخہ ۳۔ اگست میں جو یور ہائینس کیجانب تھی آپکی چٹھی مورخہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸ اگست ۱۸۹۷ء کا جو صاحب منشی پشاور کے نام تھی صادر ہونیکا تذکرہ کر چکا ہوں۔ جسمیں یور ہائینس سرحد ہند پر فسادیوں میں شریک ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ اب میرے پاس یور ہائینس کا دوسرا خط بتاریخ مورخہ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۹۔ اگست ۱۸۹۷ء صادر ہوا ہے جو کوئٹہ ملک بلوچستان کی راہ سے بھیجا گیا ہے۔

اس چٹھی کے ساتھ یورہائینس نے مجھے اعلان کی ایک چٹھی بھیجی ہے۔ جو ملا ہدا نے ننگرہار کے لوگوں کے نام جاری کیا تھا۔ میں یورہائینس کا یہ معلومات بھیجنے کی تکلیف اٹھانیکا مشکور ہوں۔ میں پہلے ہی یہ اعلان دیکھ چکا ہوں۔ اور مجھے اطلاع ملی تھی کہ اس شخص کو جسے میری والی کابل حاصل کرنیکی تھی۔ ملا کا یہ اشتہار یورہائینس کے عامل نے دیا تھا۔

میں تہ دل سے یورہائینس سے اتفاق کرتا ہوں کہ محض غرض لوگوں کے جھوٹے بیان کو اور مصنوعی ریپورٹوں کی دوستانہ طور پر تحقیقات ہونی چاہئیے اور کسی ایسی رپورٹ کی پیش بندی کے خیال سے جو یورہائینس کے گوشگذار کیجائے میں آپکو مطلع کرنے کے لیئے لکھتا ہوں کہ میری افواج ملا ہدا اور اسکے لشکر کی تلاش اور اسکو منتشر اور تباہ کرنے کے واسطے مہمند کی ملک میں داخل ہونے والی ہیں۔ اس چٹھی میں جو یورہائینس نے ۱۸ ربیع الاول کو صاحب کمشنر پشاور کے نام لکھی تھی۔ یورہائینس نے بیان کیا ہے کہ ملا نجم الدین نے اب ایسے ملک میں رہایش اختیار کی ہے۔ جو کابل سے خودمختار ہے اور پشاور کے پڑوس میں ہے۔

یورہائینس نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ "میں اس بارہ میں دلایل مذکورہ بالا اور کیا ایزاد کر سکتا ہوں بلحاظ اسکے ملا آپکے قریب ہی ایسے ملک میں ہے جو سرحدی لائن کے مطابق برٹش گورنمنٹ کی حدود میں ہے"۔

بیشک یہ صحیح ہے کہ ملا نے ایسے ملک کی حدود کے اندر معاندانہ کارروائی کی ہے جسکا برٹش حدود کے اندر واقع ہونا تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر وہ میری افواج کو وہاں ملیا تو وہ جلد اپنے کیئے کا خمیازہ اٹھائیگا۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ ملا نے موضع جارونی میں بود و باش اختیار کی ہے۔ لیکن یورہائینس کو معلوم ہے کہ ملک کا وہ حصہ ویران جنگلی ہے جسکا اب تک پتا نہیں ہوئی اور نہ اس طرف مستقل طور پر سرحدی مینار قایم کیئے گئے ہیں

جو حسب منشا میری چٹھی مورخہ ۱۲ نومبر ۱۸۹۳ء کے افغانستان کی حدود میں آئیگا
یورہ ہائینس اس امر میں میرے ساتھ متفق الرائے ہونگے کہ چونکہ اس شخص نے برٹش
گورنمنٹ کو ایسی ہی تکلیف دی جیسی کہ یورہ ہائینس کو لہذا مناسب ہے کہ یہ اپنی
کیفر کردار کی سزا پانے کے بغیر نہ رہی۔ اگر تمامیری فوج کے پہنچنے سے پہلے جا وطنی
یا کسی دیگر ایسے ہی مقام کو بھاگ گیا تاہم میری فوج کو اختیار ہوگا کہ انتہا تک
اسکا تعاقب کرکے اسکو اور اسکے مسکن کو تباہ کرے۔ میں نہیں چاہتا کہ یورہ ہائینس کی
فوج کیطرف سے کسی ایسی کارروائی کرنے کے خلاف عمل کی میں پہنچنے
میں طے کیا ہوا ہے۔ میرا ارادہ نہیں ہے کہ میری افواج اسملک میں
ٹھہریں۔ اور وہ یقیناً اس سے آگے نہیں ہونگے جسقدر کہ وہ مدعا جسکے واسطے
بھیجے جاتے ہیں پورا کرنیکے لیئے ضروری ہوگا۔ قطع نظر اسکے اگر مہمند وادی کنارہ
میں پہاڑوں کے پار بھاگ گیا تو میری افواج کو حکم ہے کہ اس سے آگے بڑھیں
لیکن مجھے یورہ ہائینس سے توقع ہے کہ آپ اپنے ملکاروں کو ایسا فرمائینگے کہ وہ اسکے
ساتھ ایسا سلوک کریں جسکے وہ لائق ہے۔ اور اسکو معاندانہ کارروائی کے واسطے
فرقوں کو اُبھارنے کا موقع نہ دیں۔

میں یورہ ہائینس کے ساتھ خط و کتابت کرنے میں ہمیشہ صاف دلی سے کام لیا ہے
تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی پیدا نہ ہو اور میں امید کرتا ہوں کہ یورہ ہائینس بھی ایسا ہی کرینگے
کہ اس موقع پر بھی میری ایسی ہی دلی تمنا ہے۔

چٹھی منجانب برٹش ایجنٹ کابل بخدمت صاحب سکرٹری گورنمنٹ ہند
فارن ڈیپارٹمنٹ مورخہ ۱۸۔ اگست ۱۸۹۷ء۔

کل بعد دوپہر میں بالا باغ میں ہز ہائینس امیر صاحب کے سالانہ دربار میں شامل

ہوا جو ہز ہائینس کے مذہبی خطاب ضیاء الملت والدین لینے کی تقریب سے ہوا تھا۔ یہ دربار بہت بہاری تھا۔ اسمیں سول و ملٹری افسر اور دیگر اصحاب شریک تھے۔ ملک کے مختلف حصوں سے بڑے بڑے خان اور رئیس بھی اسمیں شریک ہونے کے لیئے مدعو کیئے گئے تھے۔

قریب چار بجے شام کے ہز ہائینس امیر صاحب نے تمام درباریوں کو اپنے پاس بلوایا اور سب سے پہلے مجھ سے دریافت فرمایا کہ آیا ملا ہڈا کی بغاوت کی نسبت میرے پاس صاحب کمشنر کی کوئی چٹھی پہنچی ہے؟ چونکہ میرے پاس کوئی چٹھی نہیں پہنچی تھی لہذا میں نے نفی میں جواب دیا۔ اسکے بعد ہز ہائینس امیر صاحب نے ہز ایکسیلنسی حضور وائسرائے کی تار کا ترجمہ پڑھا۔ جو صاحب کمشنر پشاور کی وساطت سے پہنچا تھا۔ اور اسمیں ملا ہڈا کی بغاوت اور غیرہ کے حالات درج تھے۔

جب ہز ہائینس امیر صاحب نے اس تار کا آخری حصہ پڑھا تو اسکا انکے دل پر بہت اثر ہوا۔ جسکا ماحصل یہ تھا کہ جنرل غلام حیدر خاں سپہ سالار نے بعض سپاہیوں کے شبقدر میں ایک سرکاری موضع جلانے میں مدد دینے سے جسے سخت نقصان لاحق ہوا سماعت کی۔ لہذا اسپہ سالار کسی دوسری طرف بھیجا جائے۔ اور جو سادات وغیرہ کے رہنے والے لوگ ملا سے جا ملے ہیں۔ وہ واپس طلب کیئے جائیں۔ ورنہ ہز ہائینس امیر صاحب انکی کارروائیوں کے ذمہ دار ہونگے۔

امیر صاحب نے اپنی تخت نشینی کا پھر افسانہ دہرایا ہے۔ اور اسکے متعلق سب واقعات بیان کیئے۔ اور تمام حاضرین کو یقین دلایا کہ میں ہمیشہ اپنے قول و اقرار پر قایم رہا ہوں اور میری خواہش کبھی برٹش گورنمنٹ کے خلاف کارروائی کرنے کی نہیں ہوئی اور نہ میں نے کبھی اپنے سپاہیوں یا رعایا کو برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ پر کوئی باغیانہ کام کرنے کی ترغیب و تحریص دی ہے۔

اپنی اس سپیچ کے دوران میں انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ وہ کوئی بہانہ

تلاش کر رہے ہیں"۔ جسے شاید یہ مراد تھی کہ گورنمنٹ ہند امیر کو بھی الزام عاید کرنیکا موقعہ تلاش کر رہی ہے۔ اور اسکے ساتھ پھر فارسی تمثیل دہرائی۔ ؎

ندانی کہ چوں گربہ عاجز شود بر آرد بچنگال چشم پلنگ

جہانتک انہوں نے حاضرین کو مخاطب کیا۔ اس سے ظاہر تھا کہ انہوں نے اپنی رعایا سپاہیوں کو برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ پر آنیکا کوئی ایما نہیں کیا تھا۔ اور انہوں نے تمام مجمع کے روبرو ایک سے زیادہ دفعہ حلف اٹھائی کہ انہوں نے برٹش گورنمنٹ کے ساتھ ہمیشہ ارتباط و اتحاد قائم رکھی۔ اور کبھی اسکی برائی نہیں چاہی۔

ترجمہ چٹھی ہز ہائینس امیر صاحب افغانستان بخدمت ہز اکسیلنسی حضور وائسرائے مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۸۹۸ء۔

بعد مراسم۔ یور اکسیلنسی کا شفقت نامہ مورخہ ۳۰ اگست ۱۸۹۸ء صادر ہوا۔ کوائف مندرجہ معلوم ہوئے جو حسب ذیل ہے۔

مینے یور اکسیلنسی کی چٹھی کے بحث آمیز فقرات کا مفہوم سمجھا ہے۔

اس خبر کی نسبت جو یور اکسیلنسی کے پاس اسبارہ میں پہونچی ہے کہ میری رعایا کے لوگ علانیہ جمع ہو کر جھنڈوں اور رہلوں کے ساتھ دریائے کابل گذر کر ملا ہڈا کی پارٹی کے ساتھ جا ملے ہیں۔ اور معرکہ شبقدر کے بعد اپنے مردے لیکر اور اپنے زخمیوں کو امداد دیکر اپنے اپنے مقامات کو لوٹ چلے آئے ہیں اور یور اکسیلنسی چاہتے ہیں کہ میں اپنے مقامی افسروں کو حکم دوں کہ وہ میری رعایا کو سرحد گذر کر برٹش گورنمنٹ کے خلاف کسی بدنیتی سے ملا ہڈا کے ساتھ شامل ہونے سے روکیں۔ بلکہ دریائے کابل کے ساتھ ساتھ اور دیگر مقامات کے لوگوں کو دریا گذرنے سے روکنے کے واسطے پہرے تعینات کریں۔ بحسب من یور اکسیلنسی کے تحریر کرنے کے بعد کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا

یعنی کہ افغان عایا نہ تو علانیہ جمع ہوئی ہے۔ اور نہ لہرائے ہوئے جھنڈوں کے ساتھ سرحد پار ہوئی ہے۔ اصلیت واقعات ہی ہے جو میں یورکسیلنسی کو اپنی پہلی چٹھی میں بتا چکا ہوں۔ ملا نجم الدین ساکن جلالی نے اپنے مکر و تزویر کا جال پھیلا کر مختلف افغان قبائل کے لوگوں کو اپنے مرید بنا لیئے ہیں۔ اور وہ اسکے احکام کی بدرجہ غایت تعمیل کرتے ہیں۔ ان ایام میں جب سے وہ باعث ضرر اور فساد ہوا ہے اسنے ہر طرف چٹھیاں بھیجکر تمام لوگوں کو اپنے ساتھ شامل ہونے کو بلایا ہے۔ یعنی اسکی ایک چٹھی ہمیں پہنچا کر یورکسیلنسی کے ملاحظہ کے واسطے بھیجی تھی۔ جو کچھ عرصہ سے یورکسیلنسی کے پاس پہونچ چکی ہوگی۔

میں نے اپنے مقامی افسروں کو حکم دیا ہے کہ حتے الوسع افغان عایا کی نگہبانی کریں اور اسکو ملا ہڈا کے ساتھ شامل ہونے نہ دیں۔ اس طرح ممکان (لگمان) کے لوگوں نے قریباً ۳۰ ہزار آدمی جمع کر کے جھنڈے تیار کیئے تھے۔ لیکن جب افسروں کے پاس میرے احکام پہنچگئے انہوں نے حتی المقدور کوشش کر کے انکو منتشر کر دیا۔ اور وہ سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ بلاشبہہ سرحدی اخبار نویس نے یورکسیلنسی کو اسکی اطلاع دی ہوگی۔

میری سلطنت کا کوئی آدمی علانیہ ایسا نہیں کر سکتا۔ تاہم انمیں سے بعض ملا ہڈا کے بہت معتقد ہیں۔ اور ممکن ہے کہ انہوں نے رات کیوقت چوروں کیطرح گمنام سڑکوں سے اسکا ساتھ دیا ہو۔ ایسے وسیع ملک میں راتوں کے وقت چوروں کی نگہبانی کرنا کسطرح ممکن ہے۔

یورکسیلنسی لکھتے ہیں کہ دریاء کابل کے ساتھ ساتھ اور دیگر سڑکوں پر پہرے تعینات کیئے جائیں تاکہ کسی کو دوسری طرف جانیکی اجازت نہ ہو۔

میرے عنایت فرمائے محب ایسا انتظام صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ قریباً

۱۰ ہزار سپاہی اس ضلع کے تمام پہاڑوں کی چوٹیوں اور دریا کے گذرگاہوں پر تعینات ہوں بجز ایسے احکام کے تعمیل ہونی ممکن نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کو روکنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے جو ملک سے بخوبی واقف ہیں۔ اگر مشہور و معروف سڑکوں پر انکے واسطے پہرے تعینات کیئے جائیں۔ تو وہ اپنی واقفیت کیوجہ سے پہاڑوں اور ریگستانوں کے بیچ سے سرحد کو گذر جائیں گے تاہم مقامی اہلکار حتی الامکان نگہبانی کر رہے ہیں۔ اور فرقوں کے لوگوں کی علانیہ حرکات کو خوب دیکھتے رہیں گے۔

ان مقتولوں اور مجروحوں کی نسبت جو یورپیکسیلنسی فرماتے ہیں کہ یہ لوگ معمولی شبقدر کے بعد اٹھا کر لیگئے ہیں میں عرض گذار ہوں کہ اگر وہ مردوں کو خفیہ اٹھا لے گئے ہیں۔ تو اب انکا سراغ ملنا محال ہو گیا ہے۔ اگر مجروحوں کی نسبت سوال کیا جائے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے فرقہ کے ساتھ ہمیشہ لڑتے رہتے ہیں اور مجروحوں کو اس طرح زخم آئے ہیں اور چونکہ گولہ لوگ بھی انہیں کے آدمی ہیں لہذا انکا بیان برعکس ثابت کرنا ناممکن ہے۔

یورپیکسیلنسی نے بنظر شفقت مجھے بتایا ہے کہ سرحدی فساد بلا استثناء برپا ہوئے ہیں اور ان فرقوں کو سزا دینے کے واسطے فوج تعینات کیگئی ہے جنہوں نے مالاکنڈ اور چکدرہ کے حملہ میں حصہ لیا۔ یہ فوج بالائی وادی سوات تک گئی تھی جہاں اسنے فرقوں سے اطاعت قبول کرائی ہے۔ ان آفریدیوں نے جو کئی سالوں سے برٹش گورنمنٹ کے ساتھ عہد و پیمان کیئے ہوئے ہیں عناد پر تلے بیٹھے ہیں۔ اور جو شخص اس کارروائی کا بانی اور ذمہ دار ہے۔ وہ ملا سید اکبر اور اکاخیل اور ملیر بشیر ملک دین خیل ہیں۔ ان لوگوں نے خیبر میں بعض چوکیاں جلا دی ہیں۔ سڑک غیر محفوظ پڑی ہے۔ جہاں سے کوئی قافلہ نہیں گذر سکتا۔ اسلیئے موجودہ حالت میں جسمیں مال بالخصوص جنگی ذخائر کا بھیجنا ملتوی کرنا ضروری ہے۔ آفریدی [illegible]

دیگر فرقوں کو جنہوں نے برٹش گورنمنٹ کی چوکیوں پر حملہ کیا ہے۔ ایسی عبرتناک سزا دیجائیگی جو برٹش گورنمنٹ کی فضیلت کو نمایاں اور مسلم کرے۔

میں نے ان حالات کے واقعات سمجھ لیئے ہیں جنکی پولیٹکل نے تصریح کی ہے اور مجھے یقین ہے کہ جن فرقوں نے فساد برپا کیا ہے اور جنہوں نے جنگی سامان اور اسلحے کے بغیر گورنمنٹ کے مقابلہ پر معاندانہ کارروائی شروع کردی ہے وہ منتشر اور پائمال کیئے جائیں گے۔

میں انمیں سے بعض لوگوں کو ملا تھا اور اُنسے بطور نصیحت کے دریافت کیا تھا کہ وہ کیوں نامور برٹش گورنمنٹ کا مقابلہ کرنے سے نقصان اُٹھاتے ہیں اور اپنے آپ کو اضحوکہ روزگار بناتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ کارروائیاں سخت مایوسی کی حالت میں جسکے ہم مورد ہوئے کرنیکے بغیر چارہ نہ تھا اور اُنہوں نے حسب ذیل حالات بیان کیئے یعنی کہ ماقبل سالوں میں نامور برٹش گورنمنٹ کیطرف سے ہمارے ساتھ پختہ وعدہ تھا کہ ہم قبائلی گورنمنٹ کی پابندیوں سے مستثنےٰ رہیں گے اور اپنے ملک میں آزادی سے بسر کرینگے اور جب اس گورنمنٹ عظیم کیطرف سے ہماری باتیں ایسے انجام پہونچے۔ ہمارا کلی اطمینان ہوگیا تھا اور ہمنے کوئی کس کسی شخص کو اذیت نہ کیا لیکن بعد میں سرحدی افسروں نے گورنمنٹ کی ان احکام کی پروانہ کرکے جو ہمارے نام جاری کیئے گئے تھے ہمارے ملک میں سڑکیں بنانی شروع کیں اور پھر ہم سے معاملہ مانگنے لگے۔ اور ہمیں حرمانہ وغیرہ کیئے۔ جسنے کہ ہمارے ساتھ ایسا ہی سلوک ہونے لگا جیسا کہ ہندوستان کے پرانے باشندوں کے ساتھ ہوا۔ پہاڑی مقامات کے لوگ عموماً غریب ہوتے ہیں اور اُنکے پاس کوئی جائداد نہیں ہوتی لہذا ہم مرنے پر تیار ہوگئے ہیں۔ اور ہماری صرف یہی خواہش ہے کہ سرحدی فرقے اس معاہدہ کے مطابق کاربند ہوں جو گورنمنٹ ہند سے کرچکی ہے تب میں نے کہا کہ اپنے بیانات کی تائید کے واسطے کوئی "سند"

پیش کریں۔ اور اُنہوں نے کئی ایسے چھپے ہوئے اعلان دکھائے جو عظیم الشان گورنمنٹ ہند نے ان فرقوں کو آزادی قائم رکھنے کی نسبت جاری کیئے تھے۔ چونکہ نئے حالات مذکور بعض متذکرہ بالا فرقوں سے لیئے ہیں اور بعض اعلان بھی دیکھے ہیں جو انکے قبضہ میں تھے لھذا میں آج یور ایکسیلنسی کی اطلاع کے طور پر ارسال کرتا ہوں۔ ظاہر ان لوگوں کی شکایتیں ہند کے سرحدی مقامی افسروں کی نسبت ہیں۔ ممکن ہے کہ یور ایکسیلنسی کے پاس بھی ایسے حالات پہنچے ہوں۔

لھذا سڑک خیبر کے بند ہونے اور بعض ملاؤں کی ترغیب سے اسکے غیر محفوظ ہونے کی نسبت یور ایکسیلنسی نے مجھے ان بواعث سے اطلاع دی ہے جو درہ کے بیچ سے مال تجارت اور بالخصوص قیمتی مال اور جنگی ذخائر کی ترسیل کے مانع ہو رہے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ یہہ خود مختار فرقے لوٹ لیتے ہیں چنانچہ کچھ عرصہ گذرا ہے کہ محمد حسین عامل ڈکہ کو بعض کشمکش اور بکریوں کے خام چمڑوں کی قافلہ یا فتنی کا اہتمام سپرد کیا گیا تھا۔ لیکن بعض شریر مال مذکور چھین کر لیگئے۔ اور ایک قافلہ سوداگران کا جسمیں لاکھ روپیہ لیجا رہا تھا۔ اور وہ ڈکہ میں پہنچ چکا تھا۔ مگر (سڑک کا) یہہ محال بھیجکر ڈکہ سے واپس بلوایا گیا تھا۔

اسلیئے میں نے یہہ انتظام کیا ہے کہ جو شے بھیجنی ضروری ہو وہ سڑک خیبر کے پھر کھلنے تک کراچی اور ہرات کی راہ سے روانہ کیجائے۔

علاوہ اسکے یور ایکسیلنسی اس فسانہ کا حال لکھتے ہیں جو بعض مفتری لوگوں نے اس قسم کا کہہ لیا ہے کہ پشاور میں جو افواج جمع ہیں وہ کابل پر حملہ کرنے کے واسطے ہیں اور کہ گورنمنٹ ہند میری مدد کرنیکے معاہدہ پر اعتماد و قرارسے قائم رہیگی۔ میرے پیارے مہربان کئی خود غرض اور احمق آدمی ہر ایک جگہہ ہیں۔ اور جو کچھہ انکے ذہن میں آتا ہے لکھنے پہرتے ہیں۔ لیکن ایسے احمقوں کے بیانات کو

کوئی دقعت نہیں دیجاتی۔ جو صرف بیرونی باتوں کو دیکھتے ہیں اور ہمیشہ ضرر رسانی کے درپے رہتے ہیں۔ پشاور ایک ایسا مقام ہے جو گورنمنٹ کے قبضہ میں ہے۔ اور گورنمنٹ کو اختیار رہے کہ جو انتظام یا تدبیر چاہے عمل میں لائے۔ اس طرح ہماری دونو گورنمنٹوں کو ایسی تدابیر پر عمل کرنیکا اختیار رہی جو وہ اپنی ممالک کے واسطے ضروری خیال کریں لھذا اب تک کوئی ایسا معاملہ ظہور میں نہیں آیا جو ایسی غیر ضروری تدبیرات پیدا کرنیکا موجب ہوں۔ اگر ایسا ہی ہونا خیال کیا جائے تو سب سے پہلے اسطرف سے اسکی وجہ دریافت کرنی ہوگی۔ جہاں یہ وقوع میں آئی۔

اگر یہہ معاملہ ایسا ہو کہ اسکے واسطے خط و کتابت ضروری ہو تو بیشک خط و کتابت ہونی چاہیئے۔ ورنہ خود غرضوں کی باتوں سے کیوں کان آشنا کیئے جائیں۔

اسی طرح جسطرح کہ یور ایکسیلنسی نے تحریر کیا ہے جبتک برٹش گورنمنٹ خیالات عہد اتحاد اور یکانگی مشعر اتحاد و اتفاق دولت خداداد رکھتی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہمیں بھی پورے وثوق کے ساتھ حسب شرائط عہد نامہ نامور برٹش گورنمنٹ کے اتحاد پر ثابت قدم ہوں۔ ان شتروں کی نسبت جو وزیری ریزرو فوج سرکار کے چرا کر لیگئے اور خوست میں لاکر باشندوں کے پاس فروخت کر گئے میں مطلع کرتا ہوں کہ سردار شیر بندل خان نے مالکوں کو انکے محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے اگر یور ایکسیلنسی انسے واپس لینا ضروری خیال کریں تب چونکہ باشندگان خوست نے وزیری چوروں سے قیمتاً خرید کیئے ہیں لہذا انکو قیمت مروجہ ادا کر کے اونٹ انسے واپس لیئے جائیں تاکہ خوست کے غریب لوگوں کا نقصان نہ ہو۔

ترجمہ چٹھی امیر افغانستان بخدمت ہز ایکسیلنسی حضور وائسرائے مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۸۹۷ء

بعد مراسم اتحاد۔ میں یور اکسیلنسی کو اطلاع دیتا ہوں کہ یور اکسیلنسی کا
الطاف نامہ مورخہ ۹ ماہ حال شرف صدور لایا اسمیں لکھا ہے۔ اول ملا مذکور میرے
ملک میں داخل نہیں ہوگا۔ کیونکہ اسنے بیجا کارروائی کی ہے۔ لیکن اگر وہ پھر بھی آئے
میں اسکو اپنے ملک سے نکال دوں تاکہ وہ عرب کو چلا جائے۔ کیونکہ وہ بہت شریر
شخص ہے مگر یور اکسیلنسی کی فوج کو بہت پیشقدمی نہیں کرنی چاہیئے تاکہ حدود کنار کے
اندر یا اُن افواج میں جو کنار میں ہیں کوئی اضطراب پیدا نہ ہو۔ ملا برٹ امکار ہے۔
اسکو ننگرہار کے لوگوں اور افواج کو جو شہر میں لانیکا موقعہ نہ ملے احتیاط ضروری
ہے۔ مبادا کہ گورنمنٹ عظیم کی افواج پڑوس میں کوئی جوش اور کھلبلی نہ مچوائیں
اور ملا لوگوں کو جوش دلاکر باعث فتور نہ ہو۔ اسی ضلع کے باقی حصہ کی نسبت جہاں
سرحد قائم نہیں کیگئی یور اکسیلنسی لکھتے ہیں کہ امکاناً جاروبی حدود افغانستان
میں واقع ہے۔ چونکہ ان مقامات کی نسبت تاحال کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ لہذا بیشک
ویسا ہی ہوگا جیسا کہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

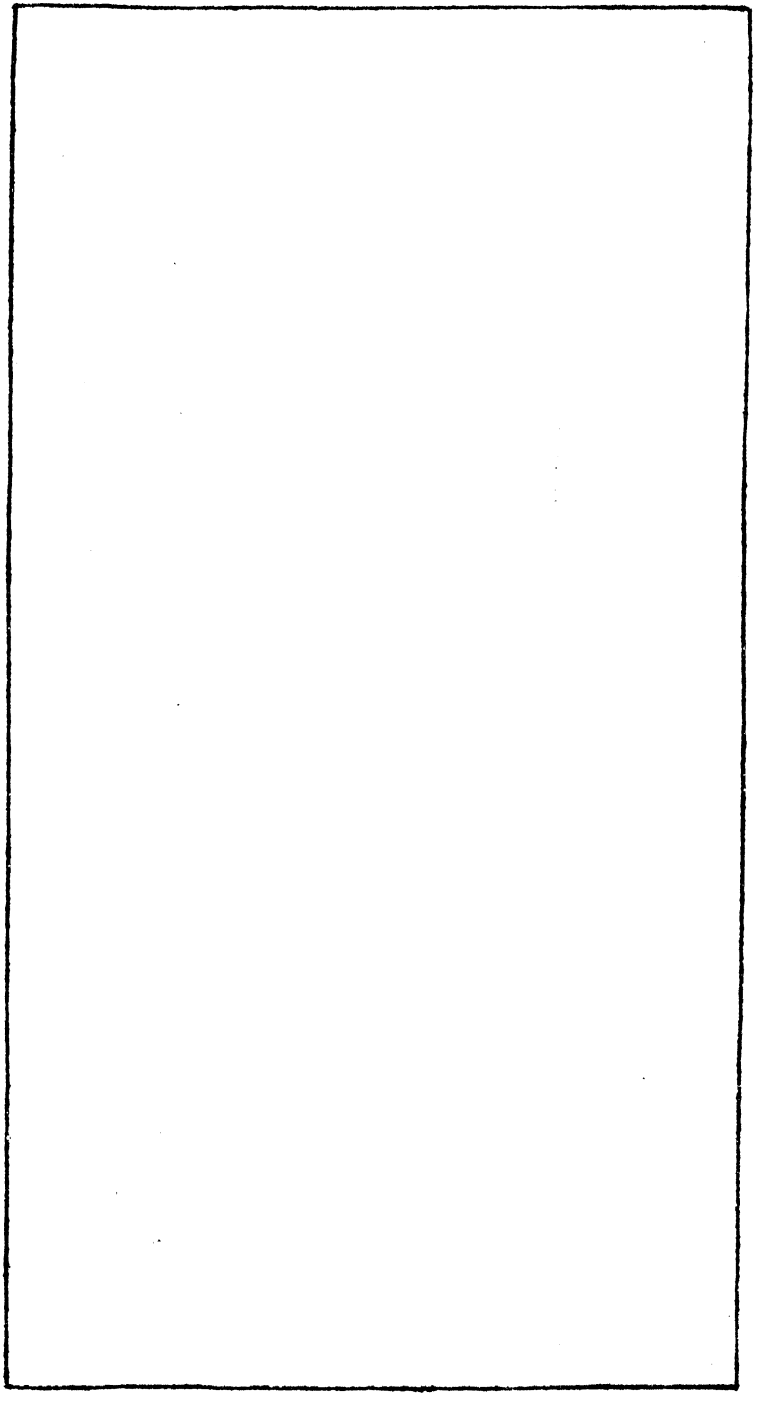

ضمیمہ چہارم

امیر افغانستان

[یہ مضمون سر لیپل گریفن صاحب نے اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات پر مشتمل رسالہ فارٹ نائٹلی ریویو میں طبع کرایا تھا اور اب انگریزی سے ترجمہ کیا جاتا ہے۔ ایڈیٹر]

فی الحال جبکہ روس اپنے لمبے ہاتھ افغانستان کی حدود کیطرف پھیلا رہا ہے اور امیر عبدالرحمن خاں کو برٹش کمانڈر انچیف کے ساتھ گفتگو کرنیکے لیئے بلایا گیا ہے مجھ سے تحریک کی گئی ہے کہ اس مشرقی فرمانروا کے گذشتہ حالات پبلک کے سامنے پیش کروں تاکہ انگریز بخوبی سمجھ لیں کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے اور آیا اس کا مستقل ارادہ ہے کہ انگلینڈ اور روس کے مابین برِاعظم ایشیا میں برتری حاصل کرنیکے لیئے جو جنگ و جدل بالضرور ہونیوالا ہے خواہ وہ ایک دوسرے کی برداشت امتیاز اور معقول تیاریوں کے باعث کتنی مدت تک ملتوی رہے ہمیں وہ اپنی دوستی کو انگریزوں کے ساتھ شریک کریں۔ اصل بات یہ ہے اس بارہ میں میں کوئی نیا تذکرہ نہیں کرتا یعنی امیر صاحب کو ۱۱ اگست ۱۸۸۰ء سے متعلق نہیں دیکھتا اس وقت ایک طول و طویل اور متردد عہد و پیمان کے خاتمہ پر جبکہ وہ افغانستان کے بادشاہ تسلیم ہو چکے تھے۔ شہر کابل کی فصیل کے نیچے میں اور جنرل سر ڈونلڈ

سٹیورٹ نے شاہی عروج سے استقبال کیا۔ اور انکی ملاقات کے بعد ہم فی الفور لشکر کے پیچھے دوڑے جنسے واپس گھر کی راہ لی تھی۔ اسکے چند سال بعد جب وہ لارڈ ڈفرن کی ملاقات کے لیئے راولپنڈی میں آئے مجھے اُنسے ملاقات کا موقعہ نہ ملا۔ اور دوستانہ خطوط کے سوا میری انسے زیادہ خط و کتابت بھی نہیں ہوئی۔ اس طرح پر میں اس قابل نہیں رہا کہ امیر صاحب کے مزاج اور انکی تدابیر ملکی میں کسی قسم کے تغیر کو بہت عمدہ طور سے معلوم کر سکوں جو اس وقت اُن افسروں کا کام ہے جو کہ کابل کے ساتھ گورنمنٹ کی موجودہ تعلقات کو نباہ رہے ہیں۔ لیکن قطع نظر اسکے اِن عہد و پیمان کے اختتام پر جنسے اُنہوں نے افغانستان کا حاکم ہونا منظور کیا میں انکے چال چلن اور طبیعت کی نسبت ایک بہت ہی عمدہ خیال پیدا کرنیکے قابل ہوا۔ اور کسی امر سے ظاہر نہیں ہوتا کہ اُنہوں نے کسی اہم خصوصیت سے اپنے تدبّر کو بدل دیا ہو۔ جنسے مقام ذمہ میں انکے ساتھ پہلی ملاقات کرنیکے بعد گورنمنٹ انڈیا کو جو رپورٹ دی تھی۔ اسمیں یعنی انکو صاحب فراست و ذکا اور بارعب بیان کیا تھا۔ اور وہ خاندان بارک زئی میں بہترین اور برگزیدہ ذہن پائے گئے تھے جسکی تصدیق گذشتہ گیارہ سال کی تاریخ سے ہوتی ہے اگر اس وقت امیر صاحب اپنا اختیار و اقتدار کھو بیٹھیں (مگر میں اسپر یقین نہیں رکھتا) اور اپنے دشمنوں کے نرغہ میں پھنسکر معزول ہو جائیں تاہم وہ اپنے بعد ایک ایسی یادگار چھوڑ جائیں گے جو بلحاظ شجاعت اور استقلال اور اپنے ملک کے مفسدوں کی سرکوبی کے واسطے بہترین معلومات رکھنے میں کسی مشرقی حکمران سے دوسرے درجہ پر نہیں ہونگے۔ یہہ دعوے نہیں کیا جا سکتا جو اصول ملکداری امیر صاحب کو عمل میں لانے پڑیں گے وہ مغربی یورپ کے نزدیک پسندیدہ ہونگے۔ یہ سخت ظالمانہ اور وحشیانہ ہیں۔ اِنمیں رعایا کی جان و مال

کی مطلق پروا نہیں وہ ایسے حاکم کی سراپا اطاعت کے مقتضی ہیں جسکا یہ دعوی
ہو یا شاید انکا اسپر یقین بھی ہو کہ وہ اپنے تخت پر الہی حق سے قابض ہیں اور اس
بات کو بھول گئے ہیں کہ پہلے روسیوں کے پاس پناہ گزین تھے اور برٹش گورنمنٹ
نے انکو اپنے ظل حمایت میں لینا مناسب سمجھا۔ لیکن امیر صاحب کی شدید و ستور العمل اور
متواتر لوگوں کو برسر دار چڑھانا ہی شاید ایسے وسائل ہیں جنسے کہ وحشی اور متمرد
پٹھان انسانیت کے جامہ میں آئیں۔ اور انمیں ایسا مادہ قومیت پیدا ہو جائے کہ وہ
بجمعتی اختیار کرکے غیر ملکوں کے دباؤ یا حملے کو روک سکیں بیشتر اسکے کہ ہم امیر صاحب
کی وحشیانہ سیاست کی سختی سے نکتہ چینی کریں۔ واجب ہے کہ ان لوگوں کی فطرت کو سمجھیں
جنکے ساتھ انکا سابقہ ہے۔ اور ان نتائج کو دیکھیں جو وہ منتج کیا چاہتے ہیں تمام
قوموں میں سے جنکے ساتھ انگریزوں کو قریبی لگاؤ ہوا ہے۔ افغان اپنی سرشت
اور جبلت میں سب سے زیادہ غیر مہذب ہیں۔ وہ تند مزاج۔ خونخوار۔ اور مذہبی
جوش سے سرشار اور دغاباز ہیں۔ انکی صفات حسنہ ابتدائی اور خانگی قسم کی ہیں
اور انکی سب سے اعلے خوبی شجاعت ہے۔ جو انمیں نمایاں درجہ میں پائی جاتی ہے وہ
ان معنوں میں غیر مہذب ہیں۔ کہ وہ کسی قومی وابستگی اور جوابدہی سے مستثنا ہیں
ہر ایک شخص اپنے ہم جنسوں سے سرکش ہے جنے کہ اپنے فرقہ کے سرغنوں کا کھنڈ
بھی نہیں مانتا۔ کوئی شک نہیں کہ ہر گروہ اور قبیلہ میں ایسے آدمی بھی ہیں جو
تمول جوانمردی اور حیلہ بازی میں دوسروں پر فوق رکھتے ہیں اور انکو بعض
آدمیوں پر اقتدار بھی ہوتا ہے۔ لیکن انکا رعب ذاتی اور عارضی ہوتا ہے
اور وہ ایسی ہی جلدی معلوم ہو جاتا ہے جیسے کہ سرعت سے پیدا ہوتا ہے کسی
خیالی ملک میں جہاں کہ ہر فرد بشر کو نہایت تسکین کے ساتھ کشوذ نما پانے کی
اجازت ہو۔ اس غایت درجہ کی شخصیت سے کسی قسم کا نقصان متصور نہیں ہے
لیکن افغانستان جیسے ملک میں یہہ حال نہیں ہے جو اندرونی ناچاقی سے پارہ
پارہ ہو گیا۔ اور طاقتور ہمسائے اسکی بنظر غیر دیکھتے ہیں اسلیئے قوت دور

کی مداومت کے لیئے بھی ایک چارہ ہے کہ اس ملک کے لوگوں کو امیر عبدالرحمن خاں
جیسا حاکم ملجائے جو رعایا کو ایک ایسے سانچے میں بزور ڈھالے جسمیں وہ ڈھلنے
کی عادی نہیں ہے اور انکو ایک سرسری کارروائی سے یہہ درس دی کہ انکا پہلا
فرض سلطنت سے متعلق ہے اور انکی اپنی ذات اور اہل وعیال اور بہائی بندوں
سے نہیں۔ جبتک یہہ ابتدائی سبق حاصل نہ ہو۔ کسی ملک کے لوگ جہالت کی ادبار
سے نہیں نکل سکتے۔ اور عقلمند انسانوں کے زمرہ میں داخل نہیں ہوسکتے۔ مہاراجہ
رنجیت سنگھ نے بھی سکھوں کو پڑھایا تھا جو افغانوں کے مساوی خودسر اور قانون
پر نہ چلنے والے ہیں۔ اور انکو ایک طاقتور تربیت یافتہ سپاہیوں کی قوم بنا دیا
یہی سلوک امیر صاحب اپنی رعایا کے ساتھہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن
انکو قبائل کی تنفر اور انکے حسد ورقابت کی باعث زیادہ تر مشکلات پیش آئی
ہیں۔ جنکے باعث ایسی زور وشور سے خون ریزیاں رہتی ہیں۔ کہ اہل کار رسیدگی
بھی انکو نہیں کرسکتے۔ جب ہم افغانستان میں تھے ہمنے سرداران قبائل کے
کسی ایک جتھے سے اضلاع کوہستان کابل۔ جلال آباد یا غزنی میں عہد وپیمان
کرنا قریباً ناممکن پایا تھا ہر ایک سردار کے اغراض جدا گانہ تھے اور اسکے پاس
دوسروں سے علیحدہ جانا پڑتا تھا۔ معلوم کرنا بہت ہی مشکل تھا کہ اس سردار
کا اس فرقہ پر کسقدر اقتدار ہے۔ جسکے لیڈر ہونیکا اسکو دعوے تھا۔ افغانوں
میں کسی کے قابو میں رہنے کی بے صبری علی العموم ہے اور انکا ہماری قومی خاصہ یہی
ہے۔ بلوچ فرقے جو کہ افغانستان کے جنوب [illegible]
حکمران کے ایسے ہی مطیع [illegible]
طرز حکومت بالکل [illegible]
باعث کرتے ہیں [illegible]
مرحوم [illegible]
شہنشاہ [illegible]

سمجھتے تھے اور اپنے اہم معاملات میں انسے استصواب کیا کرتے تھے اور جب انمیں سے کوئی سرکش ہوتا تھا دوسرے جھٹ اُسکو دبا لیتے تھے۔ لیکن مجھے بہت شک ہے کہ انگریز کبھی شمالی افغانستان کو چین سے قابو رکھ سکیں۔ یہاں کوئی آدمی بھی ایسا صاحب اقتدار نہیں ہے جو گورنمنٹ اور رعایا کے مابین توسل ہو سکے اور ذمہ دار گورنمنٹ جسکے پیچھے نکتہ چینی کرنے والے لوگ۔ آزاد پریس اخبارات کے نامہ نگار لگے ہوئے ہوں۔ ایسے قواعد عمل میں نہیں لاسکتی جو امیر صاحب کو بالعموم کافی معلوم ہوئے ہیں۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ روس جو کابل کی موجودہ گورنمنٹ کیطرح اپنے آئین وضوابط میں غیر مہذب اور سخت ہے اور جسکو ایسی رکاوٹیں مثلاً کانشینس۔ عام لوگوں میں شہرت یا نکتہ چینی گرانبار نہیں ہیں۔ ہمارے دعوی سے بڑھکر افغانوں کو عمدہ طور پر ماتحت رکھ سکتا ہے۔ زار روس نہایت احتیاط کے ساتھ کسی مشہور مقام میں کھیل کے طور پر بغاوت بپا کریگا اور پھر نہایت سختی سے اسکی خبر لیگا۔ اور زن و مرد اور بال بچے کیلئے بھی رہنے کے لئے جگہ نہیں دیگا۔ جب چند ہزار انسان اس طرح قتل کیئے جا چکیں گے اس سے ایسا اثر پیدا ہوگا کہ اس سبق کے دہرانے کی ضرورت عرصہ دراز کے بعد پڑیگی جو لوگ زار روس کی تدابیر ملکی پر غور و خوض کرنے والے ہیں وہ بخوبی واقف ہیں کہ اس قسم کی تجاویز کمپنی کے کھیل کود کے طور پر وہ سوچ سمجھ اور جان بوجھکر کیا کرتا ہے۔ جسکے واسطے کیوکٹیپی کا قتل عام عمدہ مثال ہے۔ جہاں تقی ترکمان بالکل تباہ کر دیئے گئے تھے۔ حالانکہ ابھی بیس سال ہی گذرے ہیں کہ ترکستان اور اورنبرگ کے گورنر جنرلوں کی خط و کتابت سے ہمیں معلوم ہوا تھا کہ فقرہ "پروگرام کو وسعت دینے" سے یہ مراد تھی کہ ان علاقوں کے لوگوں کو اشتعال دیکر لڑائی پر آمادہ کیا جائے اور زنکا ملک روس سے الحاق کر لیا جائے۔ لیکن شائستہ ملک کی گورنمنٹ اور اس طرح کے بہانے جبراً اپنے معمولی عمل درآمد ضابطہ میں اشتعال کرنا سہل خیال نہیں کرتی۔ جب وہ گاہے گاہے یا اتفاقیہ ایسا عمل میں لاتی ہے تو اسکا

اثر بھاری ہوتا ہے۔ کیونکہ جو طاقت بے ارادہ ظاہر ہو وہ بھی دنیا پر اپنا بہت رعب ڈالتی ہے۔ مسٹر گلیڈسٹون وزیر اعظم انگلستان کی فارن پالیسی یہ تھی کہ سکندر پر گولوں کی بوچھاڑ کرائی گئی جسکی کوئی خاص وجہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔ لیکن اسکی وجہ سے مشرقی لوگوں کے دلوں پر بہاری اثر ہوا تھا مگر اسکے بغیر لارڈ سیلسبری وزیر اعظم انگلستان کے زمانہ میں مصر کا بندوبست ایسا مشہور آفاق نہ ہوتا جیسا کہ اب یورپ والوں نے تسلیم کیا ہے۔ یہہ ریمارک شمالی اور وسطی افغانستان پر صادق آتے ہیں۔ جنوبی اور مغربی افغانستان کے لوگوں پر آسانی سے حکومت کیجا سکتی ہے اور قندہار اور ہرات لوگوں کی بغاوت کے خطرہ کے بغیر قبضہ میں رہ سکتے ہیں تاجک اور ازبک لوگ جو کہ افغان ترکستان کی محنت کش آبادی کا بڑا حصہ ہیں اور دریائے جیحون کے جنوب میں سکونت پذیر ہیں۔ نہ تو لڑاکے اور نہ ہی جوشیلے تعصب سے بھرے ہوئے ہیں۔ لیکن ہندوکش کے اس پار انگریزوں کے مداخلت دینے پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اگر انگلینڈ اور روس میں لڑائی ہو کر افغانستان انمیں تقسیم ہو جائے تو قدرتی طور پر ترکستان اور ہرات روس کے حصے آئیگا اور کابل و قندہار انگلینڈ کو نصیب ہونگے۔ اس صورت میں ہمیں نہایت پُر خار اور خالی از منفعت حصہ اس تقسیم سے ملیگا۔ لیکن جب تک امیر صاحب جال تخت پر ہیں اور انگریزوں کے رفیق اور معاون ہیں اس طرح پر اس ملک کی تقسیم کے بارہ میں بحث کرنیکا موقعہ نہیں ہے۔ کچھ عرصہ گذرا کہ یہہ خبر انگلستان میں پہونچی تھی کہ امیر صاحب کی باغی رعایا نے اسکو سخت تنگ کر رکھا ہے اور اسکے ظالمانہ برتاؤ اسکے قلمرو کے مختلف حصوں میں بغاوت پھیل گئی ہے۔ انہوں نے ملکی فسادوں کو پشاور یا جلال آباد میں کمانڈر انچیف کے ساتھہ ملاقات کو ملتوی رکھنے یا اس سے بالکل اجتناب کرنیکا عذر پیش کیا لیکن میں بوثوق یقین کرتا ہوں کہ امیر عبدالرحمن خاں اس بلوے کو جو کہ عام بلوؤں سے خطرناک معلوم ہوتا ہے اسیطرح فرو کرینگے جسطرح کہ انکے عہد حکومت میں اور سری جنگی کارروائیوں میں کامیابی ہوتی رہی ہے۔ اس ملک کا خواہ کوئی

فرمانروا ہوا اسکے عہد میں سخت بغاوت کا ہر ملک اُٹھنا کوئی نئی بات نہیں بلکہ قاعدہ کلیہ ہو چکا ہے۔ اور ملک کے کوہستانی حصہ میں مالیہ مسلح فوج کی مدد کے بغیر جمع نہیں کیا جا سکتا۔ ملک کے میدانی حصوں میں یعنی میدان۔ لوگہار۔ کابل اور قندھار کے گرد و نواح میں رہنے والے اپنی ضروریات کی وجہ سے مالیہ سرکار ادا کرتے ہیں باقاعدہ ہیں۔ لیکن ہزارہ کے لوگوں تک جن پر یورش کیگئی ہے اور جو غزنی اور ہرات کے جنگلوں اور جبال میں آباد ہیں مشکل سے رسائی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ بہت دیر تک تربیت یافتہ لشکر کو بھی روک سکتے ہیں۔ حالانکہ انمیں نہ تو کوئی قومی وابستگی ہے اور نہ وہ باقاعدہ تربیت یافتہ ہیں۔ اور ایسے کوہستانی ملک میں وہ اپنی جان کی حفاظت کے لیئے جو لڑائی کرتے ہیں وہ نہایت خطرناک ہوتی ہے۔ قوم ہزارہ کو مطیع کرنا خواہ کیسا ہی مشکل اور طویل کام ہو۔ لیکن مجھے یہہ کہنے میں مطلق تامل نہیں کہ یہہ قوم کامیابی کے ساتھ مطیع کیجائیگی۔ اور اسکا انجام ویسا ہی ہوگا جو زیادہ تر جنگجو غلزیوں کی سرکوبی کا ہوا تھا۔

برلن کے ایک نامہ نگار نے ۱۵ نومبر کو لنڈن کے ایک اخبار کو یہہ مضمون تار دیا ہے۔ کہ قوم ہزارہ نے ۱۵ ضرب توپ غالباً بوساطت فارس روس سے حاصل کی ہیں۔ اور انکا ارادہ اس مقابلہ کو جاری رکھنے کا ہے۔ دوسری طرف سے امیر صاحب کو بحالت مجبوری آٹھ ہزار بھادر حملہ آور لشکر میں بڑھانے پڑے ہیں۔ روس کی توپوں کے متعلق جو افواہ ہے وہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ اور ممکن نہیں کہ افغانستان کے متعلق سب سے تازہ خبر ہمکو برلن سے پہونچی ہو۔ لیکن یہہ خبر ایک اور پہلو سے پُر معنی ہے کیونکہ اس سے یورپ کے لوگوں کی رائے اس امر میں ظاہر ہوتی ہے کہ زار روس امیر عبدالرحمن کے دشمنوں کو مدد دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یقین ہے کہ یہ رائے صحیح ہو اور مجھے شک نہیں کہ زار نے امیر صاحب کے ساتھ رابطہ اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور یہہ تعلق انکے چچا شیر علی کے عہد حکومت میں بہت دیر تک رہا۔ لیکن اب امیر صاحب

کیطرف سے نہایت بے توجہی ظاہر کیجاتی ہے۔ زار روس بخوبی سمجھ گیا ہے کہ آخر میں امیر صاحب انگلینڈ کے رفیق صادق ہوجائیں گے اور روس کے ساتھ عہد و پیمان بیکہنے کیطرف مائوس نہیں ہونگے۔ امیر صاحب کی غالب پالیسی کا معلوم کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ ایسی پیچیدگیاں جو کسی وقت نازک اور خطرناک ہوسکتی ہیں۔ انگلینڈ اور روس میں پیدا ہونی ممکن ہیں جسکی نظیر ۱۸۸۵ء کا پنجدہ والا معاملہ ہے۔ اگر گورنمنٹ اس وقت اس جھگڑے سے نہ ہٹتی۔ جسکو اس نے قبضہ میں کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ تو اعلان جنگ ہونے میں شبہہ نہ تھا۔ یہہ سوال ایسا دلچسپ ہے۔ اور افغانستان اور انگلستان کے آیندہ تعلقات یہانتک اسکے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور اسی سے ہماری شمالی مغربی حدود پر لشکر کشی کی حالت کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان دلائل کا امتحان کرنا فایدہ سے خالی نہیں ہوگا جن سے اس رائے کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ امیر صاحب برٹش گورنمنٹ سے تعلق رکھنے میں ثابت قدم ہیں۔ اور ہمارے زیادہ تر حوصلہ دلائے جانے اور حمایت کے مستحق ہیں۔ اس غرض کے واسطے ان ایجنٹوں کی رپورٹوں کو دیکھنا لازم ہوگا۔ جو مینے وایسرائے کے فرمان سے امیر عبد الرحمن صاحب کی ملاقات کیواسطے بھیجی تھیں جبکہ وہ تاشقند سے روس کی حفاظت کو جھوڑ کر جیحون گذر کر افغانستان میں چلیگئے ہے۔ ان رپورٹوں کو میں اس انداز کے ساتھ مقابلہ کرونگا جو مینے امیر صاحب کے ارادوں اور روس کی نسبت انکے خیالات کا انکے ساتھ بہت طویل گفتگو کرنیکے بعد لگایا تھا جہانتک میں خیال کرسکتا ہوں۔ امیر صاحب کی پالیسی عموماً اسی کے مطابق رہی ہے جو انہوں نے تخت نشین ہونیسے پہلے صداقت سے ظاہر کی تھی جب مینے انسے ملاقات کی۔ ممکن ہے کہ لوگ اسکو بے نرخ جانباز کہتے ہوں۔ مگر اکی بڑی تعداد اسکی ہمخیال تھی۔ انکے بوقلموں لباس اپنے ساتھی قصبہ اس سے بلبوس اور خراب اسلحہ سے مسلح تھے۔ اور اغلاف پر دو ستاگریزی لشکر قابض تھا تاہم امیر عبد الرحمن خان عظیم جیسے انکی قسمت کا فیصلہ کرتا تھا۔ ایسی صاف دلی استقلال اور آیندہ نیک بد قسمت سے مستغنی ملے کہ علی العموم اسکی طرف توجہ معطوف ہو ہی تھی انکے مزاج اپنے ہو ملنوار ہے

استقدر مختلف ہی کہ وہ ذرغگوئی یا ذومعنی باتوں کو اپنے خلاف شان سمجھتے ہے
حتے کہ اُنہوں نے روسیوں کے برخلاف کوئی لفظ زبان سے نہ نکالا اور نہ ہی
اُنسے عداوت رکھنے کا اقرار کیا حالانکہ کمزور دل خیال کرلیتا کہ اپنے انگریز میزبانوں
کا منظور نظر ہونے کے لیے یہہ سب سے بہتر ڈھنگ ہی ہر ایک سوال پر خواہ وہ
ملکی انتظام یا فارن پالیسی یا تقسیم افغانستان۔ یا جنوب و مشرقی حصوں کے کابل
سے علیحدہ کرنے کی بابت یا وظیفہ کی مقدار یا اسلحہ کے متعلق تہا۔ جو انکو ملتے تہے
یا مخالف اور مشتبہہ برادروں کو ملک سے نکالنے کے متعلق تہا۔ اُنہوں نے اپنے
خیالات کو ایسی صفائی اور پُر زور الفاظ میں بیان کیا کہ وہ سب صداقت سے
مملو تہے اور اس سن سے آجتک میں نے اُنکی پالیسی میں کوئی ایسی بات نہیں
پائی جو ان یقینوں کے متضاد ہو جو تخت نشینی سے پہلے ہمیں دلائے گئے تہے
بیشک بہت ایسی باتیں ہیں جو امیر صاحب کے سلوک اور دستور العمل سے برٹش
گورنمنٹ مستثنے کرے گی۔ لیکن یہ سب بجائے خود معقول وجہ رکھتے ہیں مثلاً
سب سے پہلے عمدہ طور پر یہہ بحث کیجا سکتی ہے کہ انکی یہ کارروائی اتحاد سے بعید
تہی کہ وہ ہمیشہ برٹش حدود پر اُن قبائل اور خوانین میں اپنا رسوخ بڑہانے
کی کوشش میں لگے رہے جو ہارے افغان رسوخ کے احاطہ سے باہر قرار دیئے
جاچکے ہیں۔ چیزال اور رسوات اور باجور اور یاسین اور درہ خیبر کے قبائل
سے بہی وہ کچھہ نہ کچھہ سازشیں کرتے رہے ہیں۔ اور بعض اوقعہ انکے رہنمائی
کرنے والے ہاتھوں کو روکنے کے لیے کہلم بہیجنے کی ضرورت ہوئی۔ اس
قسم کے واقعات کو زیادہ وقعت دینی نہیں چاہیے۔ اس بات کو خیال
رکھنا چاہیے کہ کابل پنجاب جسمیں کشمیر بہی شامل ہے کسی وقت افغانوں کے
زیر حکومت تہا۔ اور ۱۸۴۷ء میں ہماری جو آخری لڑائی گجرات میں ہوئی
تہی۔ اسمیں افغانوں کی فوج کا ایک دستہ تنخواہ پر قبہ کی لوٹ کا حصہ لینے کی خاطر
موجود تہا۔ صرف ستر سال گذرے ہیں کہ مہاراجہ رنجیت سنگہ صاحب نے افغانوں

کو علاقہ کشمیر سے نکالا تھا۔ پھر صرف ۱۸۳۷ء کا یہ واقعہ ہے کہ افغانوں کی ایک بڑی خونریز لڑائی کے بعد جسمیں سردار ہری سنگ نلوہ جو ایک نامور سکھ سپہ سالار آیا پشاور سے نکلنا پڑا۔ اس طرح والی دولت خداداد افغانستان خیالات اور روایات سے پنجاب کے ساتھ براہ راست تعلق رکھتے ہیں۔ اور بلاشبہہ چاہتے ہیں کہ انکے ہمتوم وہم مذہب فرقے جو انگریزی حدود پر رہتے ہیں۔ انکی رعیت میں شمار ہوں۔ حالانکہ سچ بات یہ ہے کہ ان وحشی لوگوں نے کابل کے کسی حاکم کی اطاعت کا جوا کبھی اپنی گردن میں نہیں پہنا۔ ہمارے نیک اور قابل اعتبار رفیق امیر دوست محمد خاں جنہوں نے ایام غدر میں عظیم خدمات کیں۔ امیر عبدالرحمن خاں کی طرح حدود پر دست اندازی کرنے کے مشتاق تھے اور لارڈ لارنس نے جو انہوں پنجاب کے فرمانروا تھے ایک سے زیادہ دفعہ انکو تاکید اکید سے اس امر کیطرف توجہ دلائی تھی۔ ۳۰ مارچ ۱۸۵۵ء کو برٹش گورنمنٹ اور دوست محمد خاں کے مابین جو عہدنامہ ہوا تھا اسمیں وہ کابل اور ضلاع گردونواح کے جو واقعی انکے قبضہ میں تھے حاکم تسلیم کیے گئے تھے۔ لیکن ۱۸۵۷ء میں علاقہ جات افغان خوانین کی نسبت اسکے دعاوی ناجائز اور باطل کیے گئے تھے۔ لیکن یہ فرقے برٹش گورنمنٹ کی حمایت کے بغیر بھی اپنی حفاظت کرسکتے ہیں۔ مثلاً آفریدیوں کو ہی دیکھیے جو درہ خیبر میں رہتے ہیں اور ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ ہم بادشاہوں کو اپنے پہاڑوں میں آتے اور جاتے دیکھتے رہے ہیں۔ لیکن ہمنے کسی کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا۔ اور انہوں نے اپنے اس فخر کی تائید میں امیر شیر علیخاں کا اسباب اس وقت لوٹ لیا جب وہ آخری دفعہ انکے ملک سے گذرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب سے برٹش گورنمنٹ نے امیر کو والی کابل نامزد کیا ہے وہ گورنمنٹ سے عموماً ایسا سلوک کرتے رہے ہیں جو قابل اصلاح معلوم ہوتا ہے۔ اور اسمیں ذرہ بھی درگذر نہیں ہونا چاہیے اور باوجودیکہ انکا انداز ایسے شخص کیطرح ہونا چاہیے تھا کہ گویا جو کچھ انکے پاس ہے اسکے واسطے وہ برٹش گورنمنٹ کے ممنون ہیں۔ اور اسنے جو بہادری ظاہر کیف

اُنکو ملتے ہیں وہی اُنکے عروج کا باعث ہوا ہے ہیں۔ تاہم اُنہوں نے ایسا متکبرانہ
انداز اختیار کیا ہوا ہے جو فارن آفس کلکتہ کو نہایت شاق گذرتا ہے کسی افغان
سے مشکور رہنے کی توقع کرنا محض نمسخر ہے۔ جب میں امیر صاحب سے پہلی دفعہ ملا انہوں نے
نہایت احتیاط سے اس بات کیطرف اشارہ کیا تھا کہ ہم تخت اُنکے پیش کرنے سے
اپنے کندھوں کو اس بوجھ سے سبکدوش کیا چاہتے ہیں جسکو ہم زیادہ تر برداشت
کرنیکے قابل نہیں رہے۔ بیشک ہماری حالت بھی تھی اور امیر صاحب ایسے آزمودہ
ہیں کہ اُنہوں نے اس سے اغماض کرنا نہ چاہا۔ اسکے ساتھ ہی مابعد خط و کتابت میں
انکو مادب ہونا چاہیئے تھا۔ اسکے بعد اس امر کی شکایت کی جاتی ہے کہ امیر صاحب
نے اِن تمام سرداروں کو جنسے اِنکو کینہ تھا چن چن کر قتل یا جلا وطن کرایا حالانکہ
اِنکو معلوم تھا کہ اِنمیں سے بہت انگریزوں کے دوست ہیں اور مینے خصوصیت کی
ساتھ نظر شفقت رکھنے اور اُنکی حفاظت کرنے کی امیر صاحب سے سفارش کی تھی
لیکن ہم بدقسمتی سے اس سفارش کی تعمیل نہیں کرا سکتے تھے۔ کیونکہ ملکی ضروریات
کی وجہ سے ہماری واپسی ایسی عجلت اور تکمیل سے ہوئی کہ برٹش گورنمنٹ کا کوئی
بھی فوجی افسر مقام کابل میں نہ رہا۔ اس طرح ہم اپنے دوستوں کی حفاظت
کا کماحقہ بندوبست نہ کر سکے۔ اسلیئے انمیں سے اکثر لوگوں نے ہمارے ساتھ افغانستان
کو بالکل چھوڑنا ہی مصلحت وقت سمجھا جس سے عورتوں بچوں اور ہمراہیوں کی تعداد
کثیر کے باعث واپس آنے والی فوج کی مشکلات بہت بڑھ گئیں۔ جو پیچھے رہگئی انمیں سے
تمام ایسے لوگوں کو جنہیں امیر صاحب نے اپنے یا اپنے باپ کے یا اپنے خاندان کے دشمن
خیال کیا بیدریغ تباہ کیا۔ ہر جگہہ اور بالخصوص وحشی ملکوں میں جہاں تھوڑی
دیر کے لیئے قبضہ رہتا ہے ایسی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ اُس
وقت جو کچھ افغانستان میں واقع ہوا تھا ویسا ہی اوگنڈا میں ہوا۔ اگر گورنمنٹ

اس جگہ کو چھوڑنے کا فیصلہ کرے۔ جہاں یہ اسوقت قابض ہے۔ انگلنڈ کے تمام دوست تو تیغ کئے جائیں اور انگریزوں کا اقتدار وسط افریقہ سے اٹھ جائے لیکن امیر صاحب کو اس بارہ میں بہت سخت متہم نہیں کرنا چاہیئے۔ وہ اپنے دوست اور دشمنوں کو بخوبی جانتے تھے اور تاشقند اور سمرقند میں عرصہ دراز تک قیام رکھنے میں وہ اپنی مصیبتوں پر سوچتے رہے۔ اسلئے تسلط پاتے ہی انتقام لینے کے درپے ہوئے۔ افغانوں کو کسی سے جو تیج پہنچا ہو اُسکو خوب یاد رکھتے ہیں اور جب کبھی موقعہ ملتا ہے اُسکا انتقام لینے سے باز نہیں رہتے۔ ہمارے افغان دوستوں کی ہلاکت کی ذلت امیر صاحب کے سر نہیں ہے بلکہ گورنمنٹ انڈیا کے ماتھے ہے۔

ہماری آخری شکایت گو بہت بھاری ہے تاہم خط و کتابت سے دور ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ برٹش مال تجارت پر جو محصول لگایا جاتا ہے وہ اسقدر زیادہ ہے کہ اُسنے افغانستان اور وسط ایشیا کے ایک حصہ عظیم کے ساتھ ہماری تجارت کو قریباً بند کر دیا ہے۔ اگر ہم افغانستان کو چھوڑنے میں ایسی جلدی نہ کرتے اور امیر صاحب کے ساتھ ایک معاہدہ کر آتے تو اسمیں آسانی سے یہ درج ہو سکتا تھا کہ تجارتی مال پر صرف واجبی محصول لگائے جائیں گے۔ اس طرح پولان خیبر اور گومل کے دروں کی راہ سے ہماری تجارت کو گذشتہ دس سال میں اس وقت تک بہت کچھ فروغ ہوا ہوتا۔

اسکے پایۂ یقین کو پہونچنے سے پہلے کہ عبدالرحمن خاں خلف الصدق عظیم خاں جو پیرہ امیر دوست محمد خان نے روسی ملک چھوڑ دیا ہے۔ انکو لارڈ لٹن نے قندہار اور ہرات چھوڑ کر شمالی افغانستان کا حاکم متصور کرنیکا خیال پیدا کیا مگر دانشمندی کی اس پالیسی کی اور انکے برگزیدہ فارن سکرٹری نے اسپر جسطرح عملدرآمد کیا انکی کامیابی داد و تحسین دیگئی تھی۔ بلاشبہ اس سے بڑھکر کوئی بہتر اور معقول انتخاب

نہیں تھا۔ اور گو بادی النظر میں اسکا پورا کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ تاہم اسمیں پوری کامیابی نصیب ہوئی۔ وائسرائے کو اس بات کی اچھی طرح واقفیت تھی کہ جب شیر علی صاحب تخت کابل پر حکمران تھے عبدالرحمن خاں سردار شیر علی والی قندہار سے فکر امیر فرمانروا کو اس غرض سے نکالدینے پر راضی تھے کہ سردار مذکور مغربی افغانستان پر اور عبدالرحمن خاں کابل اور ترکستان پر قبضہ کریں مگر سردار شیر علی نے بادشاہ قلمرو کا وفادار رفیق تھا ان خرخشوں کو نامنظور کیا اسپر روسیوں نے اسکی خبر پاکر عبدالرحمن کو ایسے وقت میں جبکہ وہ لڑائی کے لئے تیار نہ تھے انپر دباؤ ڈالنے کی اجازت نہ دی۔ اسلئے اسکو سمرقند سے تاشقند لیگئے۔ مگر وائسرائے نے خیال کیا کہ شاید اس قصہ میں امیر صاحب سے کوئی بند وبست ہو جائے۔ اسلئے انہوں نے مجھے اس غرض سے اوسکے ساتھ سلسلہ جنبانی کرنیکا ایماء فرمایا اور یہانتک ٹھان لی کہ اگر اس طرح پر ایوبیٹ خط وکتابت سے کام نہ نکل سکا تو بڑے بڑے سرداروں کا ایک مشن تاشقند کیطرف بھیجکر شمالی صوبجات انکے پیش کیجائیں گے کیونکہ انکو یقین تھا کہ اس قسم کی علانیہ مشن کی نسبت روسیوں کو کچھ اعتراض نہیں ہوگا اور وہ عبدالرحمن خاں کو اسکے منظور کرنے کی اجازت دینگے۔ اور نہ وہ امید کرتے تھے کہ امیر صاحب انگریزوں کے ایسے ہی دوست ہو جائیں گے جیسے کہ انکو کسی اور جگہ سے ملسکتے ہیں۔ پہلا قاصد جسکو پہلے امیر عبدالرحمن خاں کے پاس خط دیکر بھیجا وہ محمد سردار نام انکا ایک ذہین وفہیم دوست تھا جو بعد میں ہرات کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔ وہ ۴ اپریل کو کابل سے روانہ ہوکر قندہار پہنچا جو جیحون کے جنوب میں واقعہ ہے اور اس وقت امیر عبدالرحمن خاں علاقہ روس کو چھوڑکر وہاں خیمہ زن تھے وہاں چند یوم ٹھہرکر انسے عبدالرحمن خاں کے ساتھ کئی ملاقاتیں کیں اور آخر انسے فائز المرام رخصت ہوکر کابل واپس آیا۔ اور اپنے ساتھ میری چٹھی کا ایک باقاعدہ جواب لایا۔ اور ساتھ ہی زیادہ تر

ضروری امور کا زبانی جواب لایا جنکی بابت قاصد کو زبانی واقعات پیش کرنے کی ہدایت کیگئی تہی جو معلومات اِس ایلچی کی وساطت سے حاصل ہوئیں وہ بہت دلچسپ و ضروری تہیں لیکن یہاں جس امر کو بینے واضح کرنا ہے اور جسکا میں تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ امیر عبدالرحمن خاں کا چال چلن اور روس کی نسبت اُسکے خیالات پر روشنی ڈالنا ہے۔ وہ برٹش گورنمنٹ کی خط و کتابت سے نہایت مطمئن ہوئے اور انگریزوں سے دوستانہ خیالات کا اظہار کیا اور نہایت صداقت سے وہ حالات بالتفصیل بتائے جو اُنکے علاقہ روس کو چہوڑنیکا باعث ہوئے۔ اُنہوں نے کہا کہ جب میں پہلے سات برس روس میں مقیم رہا۔ روسی اِس امر پر مصر ہوئے کہ میں افغانستان سے مطلق کوئی سروکار نہ رکھوں کیونکہ اُنہوں نے انگریزوں کے ساتھہ عہد کیا ہوا ہے۔ وہ افغانستان میں کوئی مداخلت نہیں کرینگے۔ بعد میں اُنہوں نے مجھے یہ بتایا کہ امیر شیر علی نے اُنکے ساتھہ نفاق پیدا کی تہی اِسلیئے وہ اپنے رفیقوں کے امن میں خلل اندازی کرنے کی مجھے اجازت نہیں دینگے۔ جب شیر علی نے میمنہ پر حملہ کیا مینے پہر آنے کی اجازت چاہی لیکن اُنہوں نے انکار کیا جب میرے ساتھہ اِس طرح ہونے لگا۔ یعنی شیر علی کی وفات پر خفیہ بہاگنے کی تیاری کی۔ لیکن پیشتر اِسکے کہ میری تجاویز پختہ ہوں روسی میرے ارادوں سے واقف ہوگئے اور اُنہوں نے مجھے مع اپنے عیال کے تاشقند بہیجدیا۔ اِسکے بعد جب بہتارا کہ انگریز یعقوب خاں کو ہندوستان لیگئے ہیں اُس وقت جنرال کاوفمین اورنبرگ میں تہا۔ اِس طرح سکرٹری مقیم تاشقند نے عبدالرحمن خاں کو اپنے پاس بلوا کر کہا کہ تمہیں ہمیشہ اپنے وطن کو لوٹنے کا اشتیاق رہا ہے اب انگریز لوگ یعقوب خاں کو ہندوستان لیگئے ہیں اِسلیئے واپس جانیکا بہترین موقعہ ہے۔ اگر تم جانا چاہو تو ہماری طرف سے اجازت ہے۔ عبدالرحمن خاں نے جواب دیا کہ میں اِس امر پر غور کرونگا۔ مگر اِسکے تین یوم بعد سکرٹری نے اسکو پہر بلوا بہیجا اور پوچہا کہ تم کس فکر میں ہو؟ جانے

کیوں نہیں۔؟ اگر تم اپنے مقصد میں ناکام بھی رہو تو چنداں مضائقہ نہیں تم ہمارے پاس آکر اپنے موجودہ وظائف لے سکتے ہو۔ لیکن پھر تمہیں ایسا موقع نہیں ملنے کا پس اگر جانا چاہتے ہو تو ابھی جاؤ۔ تم یقیناً جنرل غلام حیدر کو لکا کر ترکستان پر مسلط ہو جاؤ گے۔" عبدالرحمن خاں نے مکرر کہا کہ میرے پاس اسلحہ۔ گھوڑے۔ ساز و سامان اور روپیہ موجود نہیں ہے۔ آخر بذریعہ تار جنرل کاف مین سے خط و کتابت کرنیکے بعد قرار پایا کہ ۴۰۰ بندوق اور فی بندوق ۱۰۰ گولی اور ۱۰۰ پیادہ اور ایک سوسوار مع سامان حرب انکے ساتھ کر دیئے جائیں۔ مزید براں ۵۰۰ بخارا کی اشرفیاں جو تقریباً ۳۳۰۰ روپیہ کے مساوی ہوتی ہیں پیش کیگئیں۔ یہہ رقم اور وہ نقدی جو انہوں نے وظیفہ سے بچا کر پس انداز کی تھی انکی تمام و کمال جمع جتھا تھی اور وہ سب لیکر روانہ ہوئی۔ عبدالرحمن خاں نے روسیوں کی نسبت اظہار اتحاد کیا اور کھا کہ مینے انکے ساتھ کوئی تحریری یا مخفی عہدنامہ نہیں کیا۔ اور نہ ہی میں کسی حلف یا معاہدہ کا پابند ہوں۔ لیکن چونکہ میں ۱۲ سال انکی میزبانی سے مستفید ہوتا رہا ہوں اسلیئے میں انکے مقابلے پر آنا پسند نہیں کرتا۔

انگریزوں کے بارے میں امیر صاحب کے جو خیالات ہیں انکی بابت قاصد نے رپورٹ دی۔ انہوں نے کہا کہ "میری اس سے بہتر کیا خواہش ہو سکتی ہے کہ میں ایسی فیاض اور طاقتور گورنمنٹ کا جیسی کہ انگریزوں کی ہے نوکر رہوں"؟ افغانستان میں جو قباحتیں سرزد ہوئی ہیں وہ افغانستان کے لوگوں اور انکے حکام کی جہالت اور بیوفائی کا نتیجہ تھیں۔ انگریز انکے واسطے متہم نہیں ہو سکتے مینے اسوقت میں اپنے دوستوں کو لکھا ہے کہ انگریزوں کی مخالفت کرنا اپنی تباہی کا مورد ہوتا ہے۔ انگریز بردبار صلح پسند اور اپنی بات کے سچے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ وہ افغانستان کا اپنے صوبہ سے الحاق کرنا نہیں چاہتے۔ انشاء اللہ ہمارے

اور ہمارے ملک کے لیئے عالم الغیب میں بہتر ایام ہیں"۔ اس طرح سردار خاں نے جو گفتگو شروع کی تھی وہ تین دیسی شرفا کی ایک مشن بھیجنے سے جاری رکھی گئی۔ انمیں سے دوسرا محمد افضل خاں اور ابراہیم خاں میرے ذاتی سٹاف سے اور تیسرے شیر محمد خاں امیر صاحب کے چچازاد بھائی خان آباد کو جہاں امیر صاحب پہونچگئے تھے شمالی افغانستان کا تخت پیش کرنیکے لیئے بھیجے گئے تھے۔ انکے حالات اور رپورٹیں بہت ہی دلچسپ ہیں۔ لیکن اس آرٹیکل میں انکا ذکر کرنے کی گنجایش نہیں ہے۔ وہ امیر کے چال چلن اور ڈیل ڈول سے سخت متحیر ہوئے۔ اُنہوں نے بیان کیا کہ انکی عمر چالیس برس کی ہے اور وہ نہایت قوی ہیکل متحمل مزاج ذہین اور زیرک ہیں۔ وہ تمام کام بذات خود انجام دیتے ہیں۔ اور نہایت ضروری خطوط کا مسودہ خود تحریر فرماتے ہیں۔ اور کام کی تمام فروعات سے بذات خود واقف ہیں۔ انکو اپنی طاقت اب محسوس ہونے لگی ہے۔ آبادی کا ایک بڑا حصہ انکے ساتھ شامل ہوگیا ہے اور انکی ملنساری سے انکے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع ہوگیا ہے۔ البتہ سوداگران سے ناراض ہیں جنکو حسب استطاعت لشکر کی ضروریات بہم پہنچانے کے واسطے چندہ دینے کا ایما ہوا ہے۔ اُنہوں نے پرُزور کے ساتھ اپنے تعلقات کا آزادی سے تذکرہ کیا۔ اور صاف صاف کہدیا کہ میں اپنے ملک میں روسیوں کی مداخلت سے کبھی رضامند نہیں ہونگا۔ مشن کے دل پر عبدالرحمن خاں کی آزادی اور دوسروں کی رائے سے مستغنی مزاجی کا بہت بھاری اثر ہوا۔ ابراہیم خاں نے مجھکو حسب ذیل خط لکھا:۔ "عبدالرحمن خاں بیباک طور پر حلیم المزاج کم گو اور وقار ہیں۔ انکے دربار کے آداب امیر محمد یعقوب کوش بیگی۔ یا قندی۔ حاکم قوقند اور امیر بخارا کے مشابہ ہیں۔ گو ابتدا میں انکا حسب رواج اور عادات اسلامیہ ملک پر قبضہ کرنیکا دستور نہایت مفید پایا گیا۔ تاہم میری رائے میں اگر وہ آئندہ اسی طرح مدت تک کاربند رہے تو ملک کے رؤسا عظیم اور افسران جنگ اُنسے کبیدہ خاطر ہوجائینگے اور

افغانستان کے فرمانرداؤں کا ابتک یہہ دستور رہا ہے کہ وہ بڑے بڑے سرداروں اور سن رسیدہ ارکان سلطنت میں اپنا وثوق پیدا کرکے اُنکے صلاح و مشورہ کو اپنا رہبر بناتے رہے ہیں۔ لیکن عبدالرحمن خاں اپنے خیالات کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ اور جو لوگ صلاح دینا چاہتے ہیں کہ وہ نرم الفاظ سے یکسو کیے جاتے ہیں۔ میری رائے میں عبدالرحمن خاں افغانستان پر حسن و خوبی سے حکومت اور امن قایم رکھنے کے واسطے اعلےٰ قابلیت رکھتے ہیں۔ لیکن ہمیشہ کسی عہدنامے کی شرائط پر عمل درآمد کرنیکے لیئے مصر ہونگے۔ اُنکو ہر حال میں اپنا مفاد ملحوظ رہتا ہے۔ اس وقت وہ غالباً روسیوں کے مشورہ سے کاموں کو آشنا کرتے ہیں کیونکہ اُنکا امیر صاحب سے کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ اور وہ اُنکو ہماری گورنمنٹ سے ایسا ملکی فایدہ اُٹھانے کے لیئے صلاح دے رہے ہیں جسنے قندہار اور دیگر مقامات کو جدا کرنے سے افغانستان کی طاقت کو ضعیف کر دیا ہے۔ اسکے بعد اگر کبھی روسیوں نے اُنسے چہاونی وغیرہ کے لیئے جگہ مانگی تو وہ غالباً مایوس کرینگے۔

امیر صاحب کے چال چلن کا یہ اندازہ سراپا صحیح ہے۔ چنانچہ مقام ذیتہ میں امیر صاحب کے ساتھ اُن ملاقاتوں کے دوران میں جنمیں کابل کی امارت کا کامیابی کے ساتھ تصفیہ ہوا میرے دل پر جو اثر ہوا۔ وہ ہر طرح سے امیر صاحب کے حق میں مفید ہے گو اس وقت عبدالرحمن خاں کی عمر ۴۰ برس کی تھی۔ مگر صورت سے وہ پچاس برس کے ظاہر ہوتے تھے۔ جلاوطنی۔ تنہائی اور ابتدائی زندگی کی صعوبتوں نے اُنکو قبل از وقت سن رسیدہ کر دیا تھا۔ بایں ہمہ وہ اعلےٰ درجہ کے درباری۔ زندہ دل ذہین۔ ظریف۔ چابکدست اور فصیح بلیغ تقاریر ہیں۔ اُنکے ذکی اور طاقتور ہونے میں مطلق شک نہیں ہو سکتا۔ جنکو اپنی رائے پر بہت بڑا اعتبار ہے اور ترقی کرنے کے بہاری ذرائع رکھتے ہیں۔ اُس وقت میں اُنکو ایشیائی مدبروں میں

سب سے سرکردہ خیال کرتا تھا۔ اور اب بھی میری رائے میں ویسے ہی ہیں۔ جو گفتگو
کے انتظام کی مشکلات انگلستان کو معلوم نہیں۔ اور گو امیر صاحب سے بہت سہو نہیں ہوئے
ہوئے ہیں اور انکی خودرائی اور خودسری نے انکو بارہا گمراہ کر دیا ہے۔ تاہم آج ایسے
ہی ہیں جیسے کہ پہلے تھے وہ بلاشبہہ انسانوں کے حاکم اور تخت افغانستان کے ان
اُمیدواروں کے ہجوم سے بہت ہی اعلےٰ اور برتر تھے جو انکے موقعہ پر پہنچتے ہی دیکھنے
دیکھتے گئے۔ جب امیر صاحب منتخب کئے گئے تھے دوسرے اُمیدواروں کو پہلے آزمایش کرنیکا
موقعہ ملچکا تھا۔ اور وہ یکے بعد دیگرے رد ہوچکے تھے۔ اور لارڈ لٹن کو بخوبی معلوم
ہوگیا تھا کہ انمیں سے کوئی بھی اپنے آپ کو انگریزی سنگینوں کی مدد کے بغیر سنبھال
نہیں سکے گا۔ پہلا اُمیدوار سردار دلی محمد خاں۔ خلف دوست محمد خاں کابل کا
گورنر تھا۔ وہ وجیع بوڑھا آدمی تھا۔ جسکے اطوار پسندیدہ اور شکل مقبول تھی
جسمیں اسکو پہلے محمدزئی سرداروں کی بڑی جماعت پر ترجیح تھی۔ اسکا اقتدار
شہر میں بہت ہی کم اور شہر سے چھ میل باہر بالکل نہیں تھا جس سے اسکو خود بھی
انکار نہ تھا۔ دوسرا سردار ابراہیم خاں خلف سردار شیر علیخاں مرحوم تھا جسکی
زبان میں سخت لکنت تھی۔ اور کوئی لیاقت یا وصف نہیں رکھتا تھا۔ اور نہ کوئی
پارٹی اسکی مخالف یا طرفدار تھی۔ چھ امیر شیر علی خاں کا بھتیجا سردار محمد ہاشم خاں
کے وقت ہر دلعزیز امیدوار تھا۔ لیکن وہ بے سروسامان منصوبے کرنیوالا
نوجوان تھا جسمیں مطلق استقلال نہیں تھا۔ حالانکہ اسنے اپنے دعاوی کی اعانت
کے لیئے ایک جماعت اپنی بہم پہنچالی تھی۔ امیر سابق یعنی یعقوب خاں کا سب سے بڑا
بیٹا موسیٰ خاں بہت ہی موزون امیدوار ہوتا اگر وہ کم سن اور ضعیف العقل
نہ ہوتا۔ سب اُمیدواروں سے بہتر سردار ایوب خاں گورنر ہرات تھا جو
امیر سابق محمد یعقوب خاں کا چھوٹا بھائی تھا۔ یہ بیس سال کا نوجوان تھا اور افغانستان

میں اسکے بہت مددگار رہے۔ شرائط ہونے کے دوران میں کئی بار جب امیر عبدالرحمن خاں نے ہمارے خلاف جہاد کی منادی کرنے سے روکنے کی کوشش ہے۔ میں ایوب خاں کو امیر تسلیم کرنے کے لیئے رضامند ہوتا۔ مگر باوجود شبہہ چال چلن کے عبدالرحمن خاں کے ساتھ رسل رسائل کے سلسلہ کا نتیجہ بہت عمدہ پیدا ہو چکا تھا۔ اور ایوب خاں مندمیں ایک ناقابل جنرل پر فتح پانے سے دربار سے باہر ہو گیا تھا۔ اور اپنی نوبت میں سر فریڈرک رابرٹ کے قندہار کیطرف تاریخی کوچ کے اختتام پر ایک مشکل نرغہ میں پھنس گیا تھا۔ دوران گفتگو میں امیر عبدالرحمن خاں نے جس ڈھنگ سے کارروائی کی اس سے انکا چال چلن نہایت صفائی اور موثر طریق سے ظاہر ہوتا ہے اس سے بڑھکر کسی امر سے انکے ذاتی مفاد کا خیال اور کھلے طور پر اپنے ہی مطلب کے حصول کو مدنظر رکھنا اور جو کچھ ممکن ہو انگریزوں سے حاصل کرنے پر ثابت قدم رہنا اور اپنی طرف سے حتی المقدور کم رعایت دینا امیر صاحب کا ہی حصہ تھا۔ وہ فوراً کل معاملات کی تہ کو پہنچ گئے۔ اور ہمارے عام اشاروں سے انکو اس بات کا بخوبی علم ہو گیا تھا کہ برٹش فوج پہلے ہی موقعہ پر کابل سے لوٹ جائے گی حتی کہ اگر تخت کابل کے واسطے کوئی موزون امیدوار نہ بھی ملا تاہم یہ واپس جانے میں تاخیر نہیں کریگی۔ اس بات کا یقین تھا کہ اگر امارت کو قبول کر لیا تو انکو ہر طرح سے اپنے ہی سہارے پر انگریزی فوج کی اعانت کے بغیر کاربند ہونا پڑیگا۔ انکی پالیسی کا لب لباب تھا۔ اور گو جنگ افغانستان کے تمول کو ترقی دی تھی اور اسکو ہرگز مفلس نہیں کیا تھا۔ تاہم یہہ جنگ کرنے سے تھک گیا تھا اور اس وقت تمام پارٹیوں کو جو کچھ مطلوب تھا وہ یہی تھا کہ انگریز جلد ملک سے چلے جائیں۔ حالانکہ اس ملک کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کثیر ہمارے جلد واپس آنے کی خواہاں تھی۔ لہذا امیر عبدالرحمن خاں نے خیال کیا کہ ایسے موقعہ پر سب سے بہتر

عام پسند طریق یہی ہے کہ میں مذہبی پیشوا بنوں اور اسلام کی عصمت اور شوکت کا اشتیاق ظاہر کروں۔ اس طرح مذہبی جوش والوں کی بڑی تعداد خود بخود اس طرف مانوس ہوگی جسکو میرے یہہ کہنے سے کہ کافروں کو سلطنت اسلامیہ کے کسی معاملہ میں دخل نہیں ہونا چاہیئے۔ بہت بہاری مدد ملیگی۔ اس آل اندیشی سے اُنہوں نے ہر ایک باوقعت شخص کو خواہ وہ واعظ یا امیر کبیر تھا مگر اُنکی دانست میں لوگوں پر اپنا رسوخ عمل میں لاسکتا تھا۔ اشتعال دلانے والے خطوط روانہ کیئے اور اُنکو کافروں کے برخلاف جہاد کے واسطے اُبھارا اور کھلا بھیجا کہ ملک کے تمام لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کردو تاوقتیکہ انگریزوں کے ساتھہ اطمینان بخش انتظام نہ ہولے۔ اسکے ساتھہ ہی ہم لوگوں سے شرائط صلح طے کرنیکا اشتیاق ظاہر کیا تاکہ وہ عہد و پیمان مدت مدید تک قائم رہیں۔ جسکے توڑنے کا وہم گمان بھی نہ تھا۔ پس اسطرح تمام حسن و قبح سوچکر اُنہوں نے دریائے جیحون سے کابل کے گرد و نواح کیطرف کوچ کیا۔ اور جوں جوں وہ نزدیک آتے گئے توں توں شمالی افغانستان پرجوش ہوتا گیا۔ کوئی سردار اُنکے ارادوں سے واقف نہ تھا اور غالباً امیر صاحب انگریزوں کیطرف سے بدظن تھے۔ کابل میں اُنکے طرفداروں نے امیر کو یقین دلایا کہ ہم صرف اُنکو جال میں پھنسا کر امیر یعقوب خاں کیطرح ہندوستان میں پنشن پر رکھنا چاہتے ہیں۔ تاہم عبدالرحمن خاں کی پالیسی بخوبی عیاں تھی۔ وہ ہماری مشکلات کو بھانپ گئے تھے اور تاڑ گئے تھے کہ اُنکو تاخیر سے بہت زیادہ حاصل ہوگا۔ بہ نسبت اسکے کہ جو شکار اُنکے پیش تھا اُسپر ہی بپھر پڑتے۔ کابل سے قندہار کا تبدا ہونا اُنکو بہت ناگوار گذرتا تھا۔ کیونکہ وہاں کا حاکم شیر علی جس نے مروزئی حکمران ہو جاتا تھا۔ اُنکا دشمن تھا۔ اُسکی تحریک سے روسیوں نے عبدالرحمن خاں کو سمرقند میں شقہ بھیجا تھا۔ قندہار کے معاملے میں قسمت عبدالرحمن خاں کی طرف

لڑ رہی تھی۔ کیونکہ شیر علی جو بالکل کمزور اور نالایق شخص تھا اور سردار ولی محمد خاں گورنر کابل کیطرح اُس وقت بگڑ گیا تھا جس وقت ایوب خاں نے بمقام میوند انگریزوں کی فوج کو شکست دی تھی۔ زاں بعد کوئی امر جسز اسکے کہ برٹش فوج مستقل طور پر قابض ہوتی اسکو قندھار میں رہنے کی ترغیب و تحریص نہ دلاتا۔ مگر یہہ ایسا بیڑا تھا جو گورنمنٹ ہرگز اُٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ لہذا قندھار نئے امیر کے زیر نگیں آیا۔

چونکہ تمام افغانستان کے بڑے خاندانوں اور ذی اقتدار رؤساء کے ساتھہ ہمارے جاسوس اور تنخواہ دار ایجنٹ تعینات تھے۔ اسلیئے امیر صاحب کے اشتعال دلانے والے خطوط مذکور ہمارے پاس پہونچے جن سے حوصلہ پاکر یعنی پوری کامیابی کے ساتھہ امیر صاحب کو فہمایش کی۔ اور عبدالرحمن خاں کی اپنی چٹھیوں کے جواب میں انکو ایسی تحریر بھیجی جو اپنی اصلی معنوں میں "الٹی میٹم" تھی جسکو امیر صاحب نے یہہ سوچ کر کہ مزید تاخیر یا تامل تحصیل حاصل ہے۔ بڑی معقولیت کے ساتھ اسکو قبول کیا۔

اس برتاؤ میں جو ہمارے لیئے کابل میں بہت ہی متردد اور اضطراب پیدا کرنے والا تھا۔ میں ہند میں کوئی ایسا امر نہیں پاتا جسکی بابت شکایت بجا ہو۔ عبدالرحمن خاں کو اپنی طاقت کا بہت ہی خیال تھا۔ انکو صرف انگریزوں ہی سے اسقدر پہکارنا مد نظر نہیں تھا جسقدر کہ ممکن ہو۔ بلکہ وہ اپنی اُسی حالت کو بھی تقویت دیا چاہتے تھے جسمیں ہمنے انکو دالیسرائے ہند کا ملازم یا نامزد شخص نہیں چھوڑا تھا۔ بلکہ افغانستان کے لوگوں کی عام صدا سے کافروں کی تمام دست اندازی کے مقابلہ پر اسلام کے ڈنکہ سے ملک کی حفاظت کیواسطے منتخب کیئے گئے تھے۔ اس مدعا کے واسطے امیر صاحب نے جو حکمت سوچی بہت عظیم اور موثر تھی۔ خواہ وہ اسکو اس حد تک بڑھائے گئے جسمیں حفاظت معرض خطر میں ہو گئی تھی

مگر اُنکی قسمت کا ستارہ اوج عیوق پر تھا۔ اور برٹش گورنمنٹ نے عین وقت پر اُنکی غلطی کی اصلاح کرکے اُنکو بڑے وقار سے امیر مشتہر کیا اور تب سے اُنہوں نے اپنی اِس منزلت کو نہایت کامیابی اور وقار کے ساتھ بحیثیت بادشاہ متحد افغانستان قائم رکھا ہے اور انگلستان کے وظیفہ خوار معاون ہونے کی حیثیت میں اپنی فارن پولیسی کو گورنمنٹ ہند کے ماتحت رکھنے کی پابند ہیں اور جبتک وہ اِس اقرار کے پابند ہیں گورنمنٹ ممالک غیر کی مداخلت یا حملہ کے مقابلہ پر اسکی مدد کرنیکی کفیل ہے۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ ابتدائی گفتگو کے دوران میں انکا وقار سے گرا ہوا برتاؤ اِس رائے کا متضاد تھا۔ جواب اُنکی عام صداقت اور دیانتداری کی نسبت ظاہر کیجاتی ہے۔ تو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک بہت ہی مشکل کام اُنکے پیش تھا۔ اگر وہ شروع میں ہی انگریزوں کے ساتھ بہت دلبستگی ظاہر کرتے تو اُنکے اپنے مذہبی جوش والے ہموطن ہی اُنسے بیگانہ ہوجاتے گو یہ نوٹ بالکل تھوڑے اور نامکمل ہیں۔ تاہم اُنسے انگریز ایسے شخص کے چال چلن کی بابت کچھ نہ کچھ سمجھ سکیں گے جسکی زندگی اور پالیسی پر بہت کچھ دارومدار ہے۔ امیر صاحب کا رجحان طبیعت روسیوں کیطرف نہیں ہے کیونکہ وہ روسیوں کو ایسی ہی طرح جانتے ہیں کہ وہ انپر اعتبار نہیں کرسکتے۔ فارس۔ بخارا۔ خیوا اور قوقند کے سبق اُنکے پیش نظر ہیں اور اُنکی بڑی خواہش اپنے ملک میں روسیوں کی دست اندازی کو روکنے کی ہے اور اُسکے ساتھ ہی انگریزوں کی علانیہ مداخلت کی بھی مخل ہیں وہ بلاشبہ جانتے ہیں کہ ہم اُنسے نسبتاً اچھا سلوک کرتے ہیں۔ اور ہمارا افغانستان لینے کا ارادہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہم اسکو دو دفعہ اُس وقت چھوڑ آئے ہیں جبکہ اُسکا الحاق کرلینا آسان اور جائز تھا۔ لیکن اُنکا فخر اور اپنی ذات پر اعتبار اِس درجہ کا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ اپنی طرز پر حکومت کرنے کے لیئے تنہا چھوڑے جائیں۔ اگر وہ دن آجائے کہ انکو مجبوری انگلینڈ اور روس میں سے ایک کو سلطنت منتخب کرنا پڑے۔

تو اسمیں کچھہ شک نہیں کہ وہ اپنی قسمت کو اس قوم کے ساتھہ شریک کرینگے جس نے فتح کے وقت فیاضی۔ اور اعتدال سے کام لیا ہو۔ اور جسپر وہ افغانستان کی آزادی کو قائم رکھنے کیواسطے اعتبار کر سکتے ہیں۔ لیکن امیر صاحب اس بات کو فراموش کر رہے ہیں۔ دو بڑی بڑی اور رقیب طاقتوں کے مابین ایسا نہیں ہے کہ وہ پولیٹکل علیحدگی کو قائم رکھہ سکیں اور ایک کے ساتھہ ملکر بمقابلہ دوسرے کے کارروائی کریں اور معاوضہ میں کوئی سروس کرنیکے بغیر انگلستان سے بہاری وظائف لیتے رہیں۔

افغانستان سلطنت ہند کا ایک بڑا بہاری مورچہ ہے۔ اور ہم گوارا نہیں کر سکتے کہ یہہ اسطرح ہمارے مقابلہ پر بند رہے جیسا کہ یہہ اب ہے جس بات کی ہمیں ضرورت ہے ہم اس سے بخوبی واقف ہیں۔ سب سے پہلے ضروری ہے کہ انگریز منسٹر کابل میں اور انگریز افسر بحیثیت ایجنٹ ہرات اور قندہار میں رہیں۔ اگر امیر صاحب بخوبی طاقتور ہونگے تو یہہ افسر بالکل محفوظ رہیں گے اور کوگنری کے دلخراش واقعہ کے پھر ظہور میں آنیکا کھٹکا نہیں ہوگا۔ دوم ریلوے کو قندہار تک وسعت دیجائے اور سلسلہ تار مابین کابل ہرات اور برٹش انڈیا کے قائم کیا جائے۔ اخیر میں انگریزی تجارت کو مسدود کرنیوالے محصول موقوف کرانے ضروری ہیں۔ گو یہہ امور امیر صاحب کی نگاہ میں پسندیدہ نہ ہوں۔ لیکن عہد و پیمان کی منشا کے مطابق ہیں۔ شمالی افغانستان۔ وخان۔ شگنن۔ روشن اور کوہستان اور پامیر میں حدبندی کے سوالات پر اسجگہ بحث نہیں کیجا سکتی۔ مگر امیر صاحب کو انکی نسبت کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

یہہ سخت غلطی ہے کہ ہندوستان میں کمانڈر انچیف امیر صاحب کے ساتھہ جلال آباد میں یا کسی دوسری جگہہ گفتگو کرنے کے لیئے مقرر کیا جائے اس سے امیر صاحب حتی الامکان ملاقات سے گریز کرینگے۔ کیونکہ کمانڈر انچیف کا منصب ہی ایسا ہے کہ اسکا ایسے ڈیپوٹیشن پر تعینات ہونا روس یا کابل کے لیئے بین دھمکی سمجھا جائیگا اور

انگلستان کی شان سے بعید ہے کہ ایسی بات پر کوئی مخمر کرے۔ امیر صاحب کو یہہ خیال پیدا ہوگا کہ ایسے سفیر کے انتخاب سے انکے شان کے خلاف کارروائی کیگئی ہے اور گو انکو کیسی ہی ہماری مصروفیت ہو تاہم ایکا برٹش سفیر کے ساتھہ ملاقات کرنا ممکن ہے۔ تاہم اگر کوئی منتخب پولیٹیکل افسر کمشنر پشاور جیسا اس کام پر تعینات کیا جائے جسکو ڈپلومیٹک کارروایوں کا تجربہ بھی ہوتا ہے تو اس سے بڑھکر عمدہ نتائج پیدا ہوں۔ طاقت یا طاقت کا جھلک اس وقت تک باز رکھنا چاہیئے جب تک کہ اسکا نظارہ موثر ثابت ہونیکا یقین نہ ہو۔

افغانستان کی قسمت میں جو کچھہ لکھا ہے اسکی نسبت پیشین گوئی کرنا آسان بات نہیں ہے اور یہہ پولیٹیکل طور پر صاف صاف بتایا جاسکتا ہے کہ آئندہ کیا کچھہ وقوع میں آنا قرین قیاس ہے۔ امیر صاحب بوڑھے اور ضعیف ہیں لیکن وہ وجع المفاصل اور زین قبیل دیگر عوارض میں مبتلا رہتے ہیں جن سے انکے متعلقین بعض بعض دفعہ بہت ہی مشوش ہو جایا کرتے ہیں۔ ایک اور بات یہ ہے کہ کوئی شخص بھی افغانستان میں اپنی طبعی موت سے نہیں مرا۔ اگر گورنمنٹ کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ اب وقت آگیا ہے کہ مخفی قراردادیں اور در پردہ انتظام ناموزون سمجھکر بالائے طاق رکھی جائیں اور افغانستان کے ساتھہ یہہ معاہدہ ہے کہ کسی دشمن پر چڑھائی کرنے یا دشمن کے سر پر آنے کی صورت میں گورنمنٹ اسکو مدد دیگی اور امیر صاحب کے منتخب وارث کی رعایات مذکور کے بدل میں کفیل ہو تو میں خیال نہیں کرتا کہ ہمارے لئے آئندہ ایام میں کوئی بدمزگی نہیں پائی جائے گی۔ اسمیں ذرہ بھی شک نہیں ہے کہ ہم ہیرا افغانستان پر قبضہ کرنا نہیں چاہتے۔ اور یہہ ویسا ہی یقینی امر ہے کہ اگر ہم قبضہ کریں تو ہمیں اسملک کا الحاق کرنا ہوگا مستقل اور پختہ الحاق کے بغیر ہم اسملک میں کوئی دوست موجود نہیں رکھہ سکتے۔ کیونکہ گذشتہ مہم میں ہماری دوستوں نے ہماری وفاداری کے واسطے

اپنے مال یا جان یا دونوں تصدق کیے تھے۔

اس آرٹیکل کے چھپتے ہوئے چترال کی چھوٹی پہاڑی ریاست کیطرف بہت توجہ معطوف ہو رہی ہے۔ جہاں افضل الملک اپنے چچا شیر افضل کے ساتھ وراثت کیواسطے معرکہ کرتے ہوئے کام آیا۔ اور تازہ خبروں سے واضح ہوا ہے کہ شاہزادہ متوفی کے برادر نظام الملک نے شیر افضل غاصب کی افواج کو شکست دیکر چترال پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور شیر افضل نوک دم بھاگ گیا ہے۔

ان واقعات میں خاص دلچسپی امیر صاحب کابل کے معاملات چترال میں دست اندازی کرنے اور انکے غاصب شیر افضل کو مسلح افغان فوج سے مدد دینے میں پائی جاتی ہے اور یہہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شیر افضل بدخشاں سے آیا تھا۔ اسلیئے ممکن ہے کہ روسی اسکے حامی ہوں۔

میں اسقدر کہونگا کہ دور پہاڑی ریاستوں کے جھگڑے بہت وقعت کے قابل نہیں ہیں اور بلاشبہہ اس توجہ کے لایق نہیں ہیں جو انکی طرف معطوف کیجارہی ہے۔ اور گو چند افغان شیر افضل کے ہمراہیوں میں شامل تھے۔ تاہم اس امر کا یقین دلانے کے واسطے کوئی وجہ نہیں ہے کہ روسیوں نے یا کہ امیر کابل نے اسکو ریاست مذکور غصب کرنیکی ترغیب و تحریص دلائی۔ امید نہیں کہ امیر صاحب بے علانیہ یا بلاواسطہ کوئی قرارداد کی ہو۔ اگر وہ کسیقدر پولیٹکل معاملات چترال میں الجھے بھی ہوں تو یہہ کابل کا معمولی قاعدہ ہے۔ امیر صاحب کی طرف سے کوئی نئی بات وقوع میں نہیں آئی۔ اور نہ ہی کوئی معقول گورنمنٹ ایسی باتوں کی طرف بہت کچھہ متوجہ ہو سکتی ہے۔ پہلے ایام میں جب سر ہنری ڈیورینڈ اور سر رابرٹ ایجرٹن پنجاب کے لفٹنٹ گورنر تھے۔ اور میں انکی گورنمنٹ کا سکرٹری تھا۔ لارڈ لارنس کی پالیسی کے مطابق ان چھوٹے چھوٹے خانوں کے معاملات سے بالکل اغماض کیا جاتا تھا۔

اُس وقت چترال ایک پرانے شریر اور جابر امان الملک کے زیر حکومت تھا۔ اور جسکا انگریزوں کے ساتھ عمدہ سلوک تھا۔ اب بھی میرے پاس اسکے محبت آمیز اور دوستانہ خط موجود ہیں۔ ایک دفعہ وہ امیر کابل سے بڑھکر مہاراجہ صاحب کشمیر سے برافروختہ ہوا۔ تاہم اسنی یہی خواہش تھی کہ اسکے معاملات میں کوئی دخل نہ دی۔ کیونکہ اسکو یقین تھا کہ اسکے اپنے لوگ تمام مداخلت کرنے والوں کا مقابلہ کرینگے اسکے مرنیکے بعد حسب معمول طوفان بے تمیزی مچگیا ہے۔ اور صرف اس وقت امن قائم ہونے کی توقع ہے جب کوئی ایسا دعویدار اسکا وارث قرار پائے۔ جسکے جائز حقوق عملی طور پر مساوی ہوں۔ اور وہ بزور بازو اپنے حقوق قائم کرلئے۔ جو چاہے اسکا وارث ہو۔ اسسے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہے۔ نظام الملک جو دراصل امان الملک کا بڑا بیٹا ہے۔ اور جسنے اپنے چچا کو ملک سے نکال دیا تھا۔ وہ انگریزوں کا دشمن بیان کیا جاتا ہے۔ مگر یہ غالباً صحیح نہیں ہے۔ یہ شخص بھی اپنی قوم کے دوسرے لوگوں کیطرح آزاد رہنا چاہتا ہے اور ۱۸۹۸ء میں اپنے آدمیوں کے ساتھ سر ولیم لوکھارٹ کی مدد کیواسطے جانا چاہتا تھا مگر برٹش رزیڈنٹ کشمیر نے اسکو ان بہادرانہ ارادوں سے غیر ضروری طور پر باز رکھا میں شمال و مغربی سرحد کے خفیف خرخشوں کے متعلق امیر صاحب کو شامل کرنیکی پولیسی کا سخت مخالف ہوں۔ پہلے ایام میں انکی اطلاع بذریعہ تار کلکتہ بھیجنے کا ہمیں کبھی خیال بھی نہ ہوتا۔ اور لنڈن پہنچانیکا تو ہم ہمارے فرشتوں کو بھی نہ گذرتا۔ پیغامات تار اور خاص نامہ نگار چیزا ل کے ایسے معاملات کو بالکل مبالغہ آمیز اور مصنوعی رنگ دیتے ہیں گورنمنٹ ہند کی سروس میں کئی ایسے پالیٹی سٹاٹری اور ڈپلومیٹ موجود ہیں جنکے خاندان قدیمی خاندان ہیں اور وہ اپنے مشتہر سرسری نتیجہ نکالتے ہیں جو کچھ ہم روسی فرنیکے سر پر بیت اندازی کی نسبت تنبیہ کرتے ہیں بکلکتہ نہیں دگورنمنٹ کو ایسی لاروگرغیر محتاط مزاج والوں کو روکنے تھام میں رکھنا چاہیئے۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ عبدالرحمن خان نے گذشتہ ۱۲ سالوں میں کیسی دانائی اتحاد اور قابلیت سے ہاتھ بڑھایا ہے اور اسکی ذاتی سقموں کو نظر انداز کرنا چاہیئے اور اسکے ہاتھوں کو کبھی شتعال دلانا چاہیئے لہذا انہ

ضمیمہ پنجم

ممکن نہیں کہ روس ہندوستان پر حملہ کر سکے

(۲۱ مارچ ۱۸۹۸ء کے پیسہ اخبار سے نقل کیا گیا)

آج کے پیسہ اخبار میں کسی دوسری جگہ ایک نقشہ ہندوستان کی سرحد شمالی و مغربی کا درج کیا جاتا ہے کہ جو ۲۸ فروری ۱۸۹۸ء کے اخبار لنڈن ٹائمز میں شائع ہوا ہے۔ اور اسکے ذریعہ سے ہندوستان پر روسی حملہ کا ہونا محال بلکہ ناممکن ثابت کیا گیا ہے۔ اخبار ٹائمز لکھتا ہے کہ یہ ہوا جو بہت ہماری خونریزی اور بربادی خزانہ کا ذمہ وار ہے۔ اسکا نام "سرحدی پیشقدمی کی حماقت" رکھا گیا ہے۔

نقشہ میں فرض کیا گیا ہے کہ اب ہم اسی مقام میں ہیں جہاں ہم ۱۸۷۸ء میں تھے اور اسوقت ابھی لارڈ بیکنسفیلڈ۔ لارڈ سالسبری۔ لارڈ لٹن نے "پیشقدمی" کی پولیسی کو ہندوستان میں رواج نہیں دیا تھا۔

اسی وقت ہندوستان کی حفاظت کیواسطے تین بڑی قدرتی مدیں تھی یعنی ایک ریگستان۔ ایک بہت بڑا پہاڑی سلسلہ کوہ و جبال۔ اور ایک وسیع تیز رو دریا پنجاب سے لیکر اور تک سلسلہ پہاڑ (جو حفاظت ہند کی پہلی حد ہے) ۶۵۰ میل لمبا ہے۔ اور ہمیں صرف پانچ درے ہیں۔ کہ جنکے صرف بیچ سے ہو کر آدمیوں کی کسی بڑی تعداد کا گذرنا ممکن ہے۔

یہہ پانچ رستے یعنی بولان۔ تھل چٹیالی۔ گومل۔ کرم۔ اور خیبر نقشہ پر افغانستان کے پہاڑوں اور چٹانوں کے بیچ پانچ سفید دھاریوں کے طور پر اس نقشہ میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ انکو دکھانے کے لئے سفید چھوڑنا ضروری تھا۔ تاکہ ایک ہی نظر سے ذہن نشین ہو جائیں لیکن یہہ

قیاس نہیں کرنا چاہئے کہ یہ اسے بخوبی ہموار اور آسانی سے قابل گذر ہیں۔ بلکہ بالکل ایسے نہیں ہے کسی ایک کی راہ سے سڑک کی مشکلات بڑی بہادر فوج سے بھی مغلوب ہونیکے ناقابل ہیں۔ جیسا کہ کرنل ایچ بی ہنا کے اعلیٰ درجہ کے پہوٹے سے سالہ موسومہ "کیا روس ہند پر حملہ کر سکتا ہے" سے بخوبی ثابت ہوگا۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انگلو انڈین فوج کا ان دروں میں سے کسی سے گذرنا ایک بات ہے اور روسی فوج کا گذرنا بالکل اور دیگر ہے کیونکہ ہماری اصلی بنیاد پشاور یا راولپنڈی یا ملتان میں ہے حالانکہ روس کا سفر تو قندھار سے یا اوکسس سے شروع ہوگا۔ کابل کو ہر موسم سرما میں قحط سے تکلیف ہوتی ہے اور اسکو ہمیشہ اپنی خوراک کا ذخیرہ غزنی سے بہم پہنچانا پڑتا ہے۔ لہذا یہ روس کیواسطے موزوں بنائے جنگ نہیں ٹھہر سکتا۔ یہی بات قندھار اور اوکسس پر صادق آتی ہے لیکن سٹار کا مضمون نگار لکھتا ہے کہ ہم اپنی تحقیقات کو افغانستان میں نازل ہونیوالی مشکلات کے باہر نہیں لیجائیں گے۔

اگر اس نقشہ کے بائیں طرف نیچے سے شروع کیا جاوے تو پہلا رستہ بولان اور بلوچستان کو ایران کے بیچ سے قندھار کیطرف سے ملتان کو آتا ہے جسکا بعد ۸۰۰ میل ہے۔ قندھار سے کوئٹہ ۱۵۰ میل تک سنگلاخ ویرانہ ہے اور سلسلہ خواجہ عمران کے ڈھلوانوں کو وادی پشین میں قطع کرتا ہے جو سال کی ایک حصہ کے واسطے بھی خوراک بہم نہیں پہنچا سکتا۔ اور اسکا پانی بھی شور ہے۔ درہ بولان فی نفسہ ۹۰ میل لمبا ہے اور ابتدا سے انتہا تک وحشتناک ویران و سنسان ملک ہے جہاں مطلق پیداوار نہیں ہوتی اور کہیں بھی کمپ کے لائق میدان موجود نہیں ہیں۔ یہ ہر موسم گرما میں تنور ہے اور موسم سرما میں طوفان سے پُر رہتا ہے۔ ہر حملہ آور فوج کو مندہ پہنچنے سے پہلے ۲۰ میل خشک ریگستان پست جنگل اور دریائی دلدل طے کرنے پڑتے ہیں جنکا پانی اسقدر تلخ اور نمکین ہے کہ پیاسے گھوڑے بھی انکو منہ نہیں لگاتے یہ پیشقدمی صرف ایسی چھوٹی جماعتیں بھوکی پیاسی رہ کر شکل سے طے کر سکتی ہیں کہ جنکو منتظر افغان سہولیت سے شکار کر لینگی۔

دوسرا رستہ جو تھل چٹیالی کا ہے۔ درہ خوجک وادی پشین کا کہ پہاڑیوں اور ٹیلہ نما زمین

ل راہ سے قندہار سے ملتان تک ہے۔ اسکی لمبائی ۵۹۰ میل ہے۔ یہ بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلا
دی پیشین تک ہی پھر یہ ٹوٹی پھوٹی پہاڑیوں پر سلسلہ سلسلہ چلا آتا ہے۔ اور اسکے آگے
م خٹک جنگل ہی ۱۸۷۹ء میں جو برٹش فیلڈ فورس اس راہ سے آئی تھی۔ اسکو تمام قسم کی عمدہ خوراک
۔ علاوہ جیوانوں کیواسطے دانہ تک ساتھ اٹھانا پڑا تھا۔

تیسرا راستہ غزنی سے درہ گوالری۔ دریا گومل اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے رستے ملتان کو ہے اسکا
طول ۶۶۶ میل ہے یہ ایک طرف موسم گرما کی سخت تمازت اور دوسری طرف موسم سرما میں سخت سردی کے باعث کسی
اری فوج کے ناقابل گذر ہے۔ یہ ایک خشک بیجان جا ملتا ہے جسکے طے کرنیکے بعد حملہ آور کو دریائے سندھ پیش آتا ہے

چوتھا راستہ غزنی اور قابل کے طرف درہ شتر گردن اور درہ پیوار۔ وادی کرم تیل
اور خوشحال گڈھ سے پھرتے ہوئے راولپنڈی کو آتا ہے جسکی لمبائی ۴۹۰ میل ہے لیکن بیچ میں کوئی بڑی فوج
اس راستہ کو ویسا ہی خطرہ اٹھانیکے بغیر طے کرسکے جو اسکو سوفرائیسوں کے ہٹنے کے موقعہ پر ظہور میں آیا تھا
اور ظاہر ہے کہ وہ نپولین کی فوج کی کامل تباہی کرنیوالا تھا۔ پانچواں راستہ ۴۰۰ میل غزنی۔ کابل
بند جگدلک درہ خیبر کیطرف سے قندہار سے پشاور کو آتا ہے اور یہ [illegible] وادی پشاور [illegible]
تمام حملہ آور سکندر اعظم سے لیکر نادر شاہ تک استعمال کرتے آئے ہیں لیکن [illegible] مقابلہ [illegible]
زبردست فوج کی سندھ پر حملہ نہیں کرسکی اگر سڑک اور آب ہوا کی مشکلات جبلی [illegible]
اس ہماری بہت سی فوج پشاور میں پاس ہی ہوگی اس درہ کو اسقدر مضبوطی کیساتھ [illegible]
ملکی دشمنوں کی ایک بھی جمعیت اس راستہ سے سر نہیں نکال سکیگی۔ لیکن [illegible] حملہ آور ہونیکے
سوال خانہ زاد رپورٹ پر غور کرنا چاہیئے جسکے مقتضی ہے روسیوں کی فوج [illegible]
مشتمل ہونا چاہیئے۔ (الف) چالیس ہزار آدمی یعنی برات میں [illegible] اور کابل میں
۳۰۰۰۰ رکھنے ہونگے۔ (ب) ۳۰۰۰۰ [illegible] اور میدان کارزار [illegible]
ہونگے تاکہ ان دونوں مقامات کو [illegible] (ج) ۱۵۰۰۰ ہندوستان پر [illegible]
ور کار ہونگے اور (د) ۵۰۰۰۰ [illegible] جنگی فوج کا انتظام [illegible]

کہ جسکے واسطے بقول ملٹری اتھارٹیز کے ۳۰۰ کس کے ملازم جنکی تنخواہ گرد و خورد و خیرہ مطلوب ہوگی۔ اسقدر بھاری تو
کو خوراک بہم پہنچانا کسطرح ممکن ہوگا۔ حملہ آور فوج کو جو رہ بولان گذر کر قندہار سے ملتان پہنچنے میں ۱۰۰ دن لگیں گے
اور ہر ایک سپاہی کو بحساب ۱½ سیر ۷۵ دن خوراک پہنچانی پڑیگی۔ اسقدر فوج کیواسطے زندگی کی معمولی ضروریات مثلاً
آٹے ۳۷۵۰۰ شتر یا ۵۰۰۰ خچر درکار ہونگی علاوہ انکے خیمے، ہاسپٹل اور دیگر سامان اٹھانے کیواسطے کم سے
کم ۷۵۰۰ اونٹ یا ۱۵۰۰ خچر مطلوب ہونگے۔ حالانکہ ان زیریوں میں خچروں اور خچروں کا چارہ اٹھانے کیواسطے
کم سے کم ۶۳۲۸۱ شتر یا ۲۵۶۲ خچر درکار ہونگی۔ دوسرے الفاظ میں حیوانات باربرداری کا
چارہ اٹھانیکے سامان شمار میں لیئے بغیر اگر شروع سے اخیر تک کوئی دقت واقعہ نہ ہو تو حملہ آور فوج کو
۱۰۸۲۱۴ شتر یا ۴۳۲۸۶ خچر چاہئیں۔ یہہ سب کچھ ایسے حملہ کو ناممکن ثابت کرنیکے لئے کیا
کیا گیا ہے جبکا بہت بھاری ریلوے لینوں کے تیار کرنے سے علاج نہیں ہو سکیگا کیونکہ ۴۰ ملینوں سے کم
اس مہم عظیم کیواسطے درکار نہیں ہونگی اور اس کام پر ایک سو دن لگیں گے اور ان ممالک میں پلوں کا نہ ہونا
یا نہ تیار ہونا اور ہندوں کا پانی سے کمزور ہونا یا نہ ٹوٹنا اور ریلوں کا نہ اکھڑنا اور اخیر
میں تمام ملٹری ٹھاٹھہ کا نہ بگڑنا معجزہ سے کم نہ ہوگا۔

الغرض قدرتی سامان ہماری تائید میں ہیں۔ روسیوں کا ہند پر حملہ آور ہونا
ناممکن ہے۔ بقول سر ہنری ڈیورینڈ بعینہٖ وہ خاصیت کہتا ہے جو فرانس کے ہنری اول نے ہسپانیہ کی
بتائی تھی۔ اگر بہت بھاری فوج کیساتھ حملہ کروگے تو بھوکے مروگے اور اگر تھوڑی فوج لیجاؤگے
تو دشمنوں کی فوج کے نرغہ میں پہنچکر مغلوب ہو جاؤگے۔

اخبار ٹائمز کا مضمون کو تبردست دلائل و واقعات سے بخوبی ثابت کر دیتے ہیں کہ اس صدی میں تو
روس سے ہندوستان پر حملہ کرنیکی امید نہیں۔ اسلئے روس کے حملہ کے اندیشہ سے جسقدر زر کثیر ہندوستان
کی محصول دینوالی رعایا کا ضائع ہوتا ہے اور سرحدی جنگوں میں بیش قیمت یورپین اور دیسی جانوں کا نقصان
ہو رہا ہے کسی کے کام میں نہیں آتا۔ اور بقول سر لیپل گریفن کے آئندہ روس ہندوستان پر اس حد کیطرف سے حملہ
کرتا معلوم نہیں ہوتا بلکہ مانڈکی (برہما) کی طرف حملہ کریگا بہت بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتا۔

تاریخہائے تالیف وطبع تذکرۂ امیر

قطعۂ تاریخ طبع تذکرۂ امیر منتخبۂ خیال شاعر بیمثال جناب مرزا بسمل تدبیگ صاحب بسمل دہلوی

نام عالم میں جو ہے محبوب عالم آپکا
واقعی اوصاف ہیں محبوب عالم آپکے

کیوں نہ ہو محبوب عالم آپ کا اخبار بھی
کر لیا تسخیر عالم آپکی تحریر نے

سب مفید ملک ہیں سب کارآمد ہیں بہت
کارنامے ہیں سوا اخبار کے بھی جو لکھے

تذکرہ بھی کیا مبارک آپنے لکھا ہے یہ
جسمیں ہیں حالات امیر صاحب توقیر کے

چرخ پر نام آوری کے وہ سرافراز و جلیل
نام روشن تر ہے جسکا مہر پر تنویر سے

تھا بڑا اندھیر نا علمی کے تاریک ایر میں
رہتے احوال ایسے رشک مہ کے یوں ہی چھپے

یاں بھی کام آئی مگر روشندماغی آپکی
کر دیئے روشن چراغ آپہی نے معلومات کے

طبع کی تاریخ بسمل نے بھی اُسکی فی البدیہہ
بہہ کہی اور وہ بھی کس صنعت سے اور کس لطف سے

بے تکلف معنوی دیکھو تو ہجری ہے یہی
عیسوی صورت ہے سن اٹھارہ سو اٹھاون کے

دیگر

باسمل ہیں اسمیں اپنے
منشی محبوب عالم اہل کمال

اُنکی تقریر آپ کہتی ہے
ہے بلند اُنکی فکر اُنکا خیال

نہیں تحریر کی ہے اُنکی نظیر
نہیں اخبار کی بھی اُنکی مثال

تذکرہ بھی امیر کابل کا
خوب لکھا اُنہوں نے ہر فی الحال

یہہ وہ نایاب شے ہے جسکی اب
ملک کو جسکی احتیاج کمال

حکم تاریخ کا ہوا مجھ سے
متکلم ہوا یہ میرا خیال

کہیئے تاریخ آپ ہی بسمل
یہہ سن لیجے میری عرض حال

دونوں صفت ہوں معنوی صوری | ایسی تاریخ تم سے کیا ہے محال
کچھ تو جدت ہو یعنی ہو جس سے | آپکا کچھ تو امتیاز کمال
کہا میں نے بھی بے سر انکار | تیرہ سو پندرہ ہیں ہجری سال

تاریخ تیسری

والیٔ کابل امیر ذی وقار ذی حشم | عز و جاہ و شان و شوکت جسکے ہیں خیل و حشم
تذکرہ اک حضرت محبوب عالم نے لکھا | اور کیا اچھا لکھا کیں لطف و خوبی سے لکھا
جسمیں ہیں حالات مذکور اس جلیل الشان کے | جنکے تھے مشتاق رہنے والے ہندوستان کے
پہنچی جب تاریخ کی فرمایش اور پہنچی خبر | میں نے بھی دل سے کہا بسمل کہ تو ہی فکر کر
بول اٹھا دل تیرہ سو پندرہ ہجرت کا سن | اور اسی میں عیسوی سن کہہ گیا وہ بے سخن
ہجری صوری اور اسی میں معنوی ہیں عیسوی | تام کو جسمیں نہیں ہے کوئی بیشی اور کمی

تاریخ تالیف تذکرہ امیر مصنفہ ناظم قابل و ناز لایق منشی سید صادق حسین صاحب صادق بلند شہری محرر تحصیل سہسر ضلع حصار شاگرد مرزا البہم بیگ بسمل دہلوی

جناب منشی محبوب عالم | زمانے میں غنیمت جن کا ہے دم
پسر خاص عام انکی ہے تقریر | مفید عام ہے اک اُن کی تحریر
لکھا ہے تذکرہ بھی الحق ایسا | کہاں لکھنے کا حق ہوتا ہے جیسا
ہے ایک عالم میں مشہور انکا اخبار | ہے جسکا نام نامی پیسا اخبار
اور اب لکھا ہے اسکا تذکرہ بھی | ہے جسکا نام نامی وگرامی ۵
ثنا صادق نے بھی جس وقت یہ ذکر | تو فوراً کرتے ہی تاریخ کی فکر
ہندیہ آپ ہی محبوب عالم | ہے یہ اخبار بھی محبوب عالم
امیر عبد رحمن خاں بہادر | امارت کے صدف کا بے بہادر

اڑا کر بحث کا سرہ دکھایا ہے	خزانہ ایک معلومات کا ہے

تاریخ چکیدۂ قلم جادو رقم جناب مرزا عباس بیگ صاحب متوطن بلدۂ پشاور از تحصیل مردان

زخالق برتوائے محبوب عالم آفریں بادا	معین و یاور و ہمدرد ہر دو عالمین بادا
زحالات امیر ابن امیر آں والی کابل	ضیاء الملت والدین کہ حق در امین بادا
عجب مجموعۂ از سعی بے پایاں بہم کردی	الٰہی دوستانت شاد و اعدایت حزیں بادا
امیر آں حامی اسلام و دین احمد مرسل	ظفر یارش بود دایم و گر نصرت قریں بادا
بخلق و دشمنانش زہر مرگ از قہر یزدانی	زفضل حق بکام دوستانش انگبیں بادا
علو پایۂ احباب او ہر دم چو کیواں باد	بخاک مقدمی اعدایش دایم ہمنشیں بادا
بھی خواہان اقبالش چو صبح عید خندان لب	بدخواہان دولت اشک غم بر آستیں بادا
پئے تاریخ چوں محبوب از احباب پرسیدہ	تبسمہایش گفتم من کہ تاریخ انچنیں بادا

سر اعدائے او ببرید و ہاتف گفت بعباس
ضیاء الملت والدین امیر المومنین بادا

سر اعدا الف ہے با شارہ ببرید ساقط کیا گیا یعنی بجمل الف کا ایک منہا کیا سے
اور سالم مصرعہ ثانی ۱۸۹۹ ہوتا ہے جب ایک منہا کیا تو ۱۸۹۸ ہوا۔

ولہ

کیا عجب ہے تذکرہ ہے بے نظیر	جو کہ خوبی میں ہے اپنا خود نظیر
لایف ہے اسمیں شہ اسلام کی	دھوم ہے عالم میں جسکے نام کی
وہ ظہیر المسلمین غازی لقب	نام لینا اسکا ہے سو داو ثواب
والی کابل امیر المومنیں	بامروت بادشاہ مسلمیں
فتح اور نصرت ہیں جسکے یار غار	بخت اور اقبال ہیں اسپر نثار

فخر ہے عالم کو اسکے نام سے — اور اسکو فخر ہے اسلام سے
یا الٰہی جب تلک عالم رہے — اور عالم پر فلک ہر دم رہے
نعل سا دشمن ہو اسکا سر نگوں — منہ پہ خاک و خوں
مجھسے ہے محبوب عالم نے کہا — جلد اک تاریخ تو اسکی بنا
یہ کہا عباس نے اے دوستو
تذکرہ تاریخ ہے بس چھوڑ دو

اصحاب بصیرت کو یہہ تاریخ بہت پسند ہوگی کیونکہ تخلیہ باشارہ مشخصہ کیا گیا ہے
تذکرہ ۱۳۴۵ = ۵ ۴ ۳ ۱ اب اسمیں ۱۰ زیادہ ہیں باشارہ
چھوڑ دو لفظ دو مساوی ہی ۱۰ = ۵ ۵ کے چھوڑ دو یعنی منہا کر دو

قطعہ تاریخ از طبع قارئہ عبد القادر نور اللہ القادری تخلص شید ساکن سورت فی الحال وطلسای انسپکٹر بمقام واڑیہ علاقہ ریوا کانٹھا پولیٹیکل ایجنسی ضلع گجرات

الٰہی شور و غل از چیست این چہ غوغائیست — کہ شوق طبع بسویش ہمی شود مائل
چہ گل شگفتہ بہ بستان عالم است امروز — کہ بوئے تذکرہ اش شد بچار سو مائل
نسیم مژدہ در اخبار پیر قصہ کنان — کہ بود تازہ کن مغز فکرت سائل
ز راہ چشم سوئے عین گوشہ ہائے دماغ — رسید تا پئے تسکین دل شود مائل
حیات والی کابل ضیائے ملت دین — نقاب از رخ روشن کشید و شد حائل
کہ پردہ از رخ خود بر نگندہ ام امروز — بیا بہ بین کہ چہ محبوب عالم کامل
بیا بیاد مرا حرز جان خویش بکن — نشاط تازہ شود از مطالعہ حاصل
بسی گشت ز محبوب عالم لاہور — بقید تذکرہ حالات روشن کامل
سخن ز کرسی کم بود وجود او در ہند — کہ قوم ملت خود راست خادم کامل

لگام همت خود در گرفته لیل و نهار | خیال خدمت خلق است در سرش داخل
چو نهر گلشن اخبار پیشه جاری نه دست | بهار تازه ازین است پرچه را حاصل
بجمع کیفیت عمری جناب امیر | نهاد بر سر مشتاق منت کامل
هزار جان سخن باد نذر تذکره | که نامش آمد با نام صاحبش شامل
نثار باد بر ین تذکره جواهر فکر | که شد بهائے درے بے بها از و باطل
الهی لطف و کرم از تو بر جناب امیر | و ز اهل قدر بر ین تذکره شود نازل
سر ز کلک فکر و ریغ ار کند ز تاریخش | با نتظام سلوکش ز دل شوم مائل
بدا به گوش که بانگے ز فکر مے آید | که نیستم ز سر فکر سال آن غافل
ندا رسید به شید از هاتف غیبی | که قصد لطف و کرم شد بتذکره شامل
بضرب پنج و گر با نمائے جر من خاست | که سال هجری شد از بهر تذکره کامل

۱۳۱۵ = ۵ + ۱۳۱۰ = ۹ + ۱۳۰۱ = ۱۰۰ + ۱۲۰۱ = ۱۹۴ + ۱۱۹ + ۲۰۰ + ۲۶۳

ایضاً

چو ز محبوب عالم لاهور | شهرهٔ تذکره بگلشن رفت
ز ز احوال والئ کابل | شور در گوشهٔ نشیمن رفت
که ز حسن بیان حالاتش | وجد در مسلمان گلبن رفت
از ضیائے ضیائے ملت و دین | ضوء مهر فلک بدامن رفت
از بیان شجاعت ذاتش | زلزله در بنا د دشمن رفت
فر ز صلائے نگاه لطف و کرم | هوش گستاخ از سر و تن رفت
دست مجنون بشوق خدمت او | گر بهائے جیب و گه بدامن رفت
حق دهد عمر نوح مر او را | این دعائیست کز دل من رفت
بهر تاریخ طبع تذکره اش | جنبش فکر چون بگلشن رفت
هر گل و برگ و غنچه و از هاره | بهر او فکر در سمن رفت

مرحبا[۲۵۱] باشگفتہ خاطر و شاد | پنج[۲۵] با راز زباں[۴۰] سوئے سخن رفت

۲۵۱ = ۱۳۱۵ × ۲۰ = ۱۲۵۵ + ۲۵

ایضاً

زینتِ تخت و تاج سلطانی | آنکہ فرمانروائے کابل ہست
عبد الرحمن نام نامی او | نقش ہر سکہ ہائے کابل ہست
آنکہ محبوب عالم است بدہر | زد براو راق ہائے کابل دست
جمع آورد تذکرہ کہ دراں | حال فرمانروائے کابل ہست
دل ز فریاد رفت و سالش گفت | تذکرہ از برائے کابل ہست

ایضاً

چو محبوب عالم بدہ امیر | زہے تذکرہ تازہ ایجاد کرد
خدا لیف رسانید بہ نیل مرام | کہ ایں تذکرہ قابل داد کرد
دراں درج حال جناب امیر | چناں شد کہ ہر مشتری صاد کرد
امیرے پئے ملت و دیں ضیا | کہ عدلش بن ظلم برباد کرد
ز حالش شدہ زینت تذکرہ | ہراں نقش و تصویر ایزاد کرد
زہے فخر حاصل بدیں تذکرہ | کہ ہر دے مہ و مشتری صاد کرد
سپر دم بخامہ چو تاریخ آں | نگوں سر بفضل خدا داد کرد
دل از فال برداشت گفت سال | بریں تذکرہ صاد ایجاد کرد
دگر از لب بلبل[۲۴] آمد بسال | کہ ایں تذکرہ خوب ایجاد کرد
دل از حال رفت و بسال دگر | حسابے ز میقات و آحاد کرد
وزیں فقرۂ ذیل تاریخ گفت | کہ ایں خدمت قابل صاد کرد

۱۹۵۴ سال ہندی
۱۹۵۴ سال ہندی

نتیجہ طبع موزون منشی قادر علی صاحب تحصیلدار ریاست بھوپال

سراپا ہنر منشی محبوب عالم | جو ملک سخن میں ہیں شہرت پذیر

سخن فہم و فاضل ادیب و لبیب | ذہین و ذکی طبع و روشن ضمیر
ہوئے مستعد اور لکھی کتاب | کیئے جمع ذکر امیر کبیر
امیر عبد رحمان خاں فی حشم | کہ ہیں عقل و دانش میں اپنی نظیر
لکھی طبع قادر نے تاریخ طبع | ہے ذکر جلیل جناب امیر
۱۳۱۵ ہجری

رشحہ کلک گوہر سلک مولوی محمد تقاضا حسین کاکوروی اسسٹنٹ پروفیسر مہاراجہ کالج جے پور

منطبع شد چو ایں کتاب عجیب | گشت مطبوع ہر امیر و فقیر
ذکر احوال و ایلیئے کابل | عبد رحمان امیر خوش تدبیر
آں امیر فلک جناب کہ ہست | در زمیں بہر دیں نصیر و ظہیر
ہست ذکر جمیل شاہ جلیل | دانش آموز ہر صغیر و کبیر
بہ تمنائے سیر ایں گلزار | میزد مے مرغ دل ز شوق صفیر
چہ اثر داشت نالہ اش کہ رسید | موکب گل بباغ بے تاخیر
روز ہجراں بشام وصل کشید | بہر ما شد یسیر یوم عسیر
جلوہ شاہد جمال افزود | بہ دل و دیدہ فرحت و تنویر
ایں عجب نسخہ مرتب شد | کش بملک مثال نیست نظیر
کرد محبوب عالم از قلمش | یکجہاں اہل عقل را تسخیر
نیتش را جزا ثواب عظیم | ہمتش را سزا ثنائے کثیر
اے بقا چوں بفکر سال شدم | ہاتفم شد چناں ز غیب بشیر
۱۳۱۵ھ
سال ہجریش تشنو و پرخوان | محفل عیش داستان امیر
از پئے سال عیسوی دم زد | چوں مسیحائے فکر عرش مسیر
سر فدا کرد و سال گفت انجم | ذکر جاہ امیر با توقیر
۱۸۹۸ع

دیگر

اے مسلمانو ہے کیا تاخیر اب چھپ گیا | تذکرہ اردو زباں میں حامی اسلام کا
سچ تو سچی آسمیں ہے اور سنہ خاتمی کا ذکر | نقد عیش زندگی ہے ورد جسکی نام کا
دیکھکر اسکو نہ کیونکر ہمت و جرأت بڑھے | ہے یہ نقشہ پیشہ اقبال کے ضرغام کا
اس طرح لکھا ہے بالتصریح و البسط سے | ملتا ہے آغاز میں جسکے مزہ انجام کا
سال ہجری طبع کا میری قلم نے اسی لکھدیا ۔ ہو کیا ہی خاکسار سلطنت اسلام کا
۱۳ ہجری ۱۳

قطعات تاریخ از انتاج فکر جناب شیخ فرید الدین صاحب متوطن قلعہ رہتاس

سپاس خدائے کہ بعد از تمنا | بروں کرد از پردہ مطلوب عالم
چو ایں تذکرہ طبع گشتہ بخوبی | شد از حسن خود لبسکہ مرغوب عالم
پئے سال طبعش ندا کرد ہاتف | چہ زیباست تاریخ محبوب عالم
۱۳۰۸ھ

ولہ

کیوں نہ محبوب اہل عالم ہو | کیسی یہہ باکمال ہے تاریخ
سب سے بہتر یہہ علم ہے واللہ | کشف ماضی و حال ہے تاریخ
سچ تو یہہ ہے امیر کابل کی | واقعی حسب حال ہے تاریخ
اسکی تاریخ کیا لکھوں میں فرید | یہہ عجب بے مثال ہے تاریخ
۱۳۰۸ھ

ولہ

حالات امیر ملک کابل | بس دلکش و خوب و دلپذیر است
آں شاہ ضیائے ملت و دیں | کو صاحب تاج و ہم سریر است
در جملہ امور ملک داری | واللہ کہ مرد بے نظیر است
ایں فتح و ظفر کہ شد بکابش | از قدرت خالق قدیر است

از قیصر ہند امیر ذی شان — صد شکر کہ دوست ہم صفیر است
مجموعہ این کتاب نایاب — حالات امیر شیر گیر است
گویم کہ مولف ہمہ داں کو — بسیار ادیب و ہم دبیر است
شد فکر برائے سال تاریخ — زیرا کہ کتاب بے نظیر است
گفت از سر تمکین ہاتف غیب — مکتوب سوانح امیر است

۱۳۰۳ھ

قطعات تاریخ نتیجہ طبع جناب محمد علاء الدین صاحب شاطر رئیس ملتانی نسلع بہتو الک متوسط شاگرد حضرت خان محمد صاحب افتخار الشعرا استاد نواب صاحب مرحوم و رحمۃ علیہ ہیوال

خوب تا گفت ست چوں بجو بعالم تذکرہ — از امیر عبد رحمٰن شاہ کابل خلد جنت
آں سوز مملکت را المعی بے مثل — عاقل و دانشور و فرزانہ یکتا لبیب
بہر تحصیل سعادت از رہ اخلاص خاص — فکر تاریخش نمودم سال ہجری صبیب
ہاتف غیب آں چو گفتا زکاک شاطر بشنو — یادگار شاہ مدقق سانحۂ عمری عجیب

۱۳۱۵ھ

ثانیہ

تصنیف کرد سانحۂ عمری امیر را — مجرب عالم از سر تحقیق و لبیب
آں میر نامدار کہ توقیع عدل او — رفت ست از ولایت کابل بحر و بیر
در ملک خویش نصفت نوشیروان نمود — اظہار کرد عدل سلیمان فلک سریر
در بیر ملک بہت ارسطوئے روزگار — در بند و بست کشور خود جرمنی وزیر
آرے ضیائے ملت و دین شد بجا نوشت — تاریخ او ہمایہ تخت و سریر
ما ائمہ بے نوا ہمہ محتاج غوث پاک — او نیز میر بست مدد گار و دستگیر
در دامن عنایت قیصر چو آمد ست — از فرط اعتبار بہ تدبیر شد شہیر
چیند حاسدان زمانہ ہزار عیب — لیکن امیر و قیصر ما شکر ست و شیر

خوش درنوشت تذکرہ باشرح وبسط تمام — یابد زقدر شاہ زماں عطیۂ کثیر
بودم بفکر سالِ او از عالم علا — ہاتف ندائے داد سرِ خامہ چوں صریر
تاریخ عیسوی از و شاطر نوشت و خوند — ورد دل و زبان بود تذکرۂ امیر ۱۸۶۶ء

قطعہ تاریخ طبع تذکرہ امیر طبع زاد بندہ ہیچمدان حکیم محمد عمر فصیح دہلوی مقیم و ملازم راج الور نامی

ہست حالات ذات با برکات — آنکہ اسلام رست پشت و پناہ
قامع بدعت ہست حامی دیں — صاحب تخت و تاج ظل الٰہ
منصف و دادگستر و عادل — بندگاں را ہمہ نکوئی خواہ
بر رعایا شفیق چوں اب عام — کار آگاہ با دل آگاہ تو
ہمہ نوشتہ فصیح تاریخش — ذکر حضرت امیر ۱۳۱۵ھ زیب الاجاد

طریق استخراج تاریخ

حروف غیر منقوطہ مصرع تاریخی کہ سیزدہ اند در بست ضرب دادہ مشد صد و شصت برآمد چون با فزایش ضابطہ مقررہ سہ عدد افزودند صد و شصت و سہ حاصل گشت پس بحروف منقوطہ مصرع مذکور کہ پنج اند صد و شصت و سہ از زند سنہ مطلوبہ ہجری یکہزار و سیصد و پانزدہ صورت پیدائی گرفت۔

تاریخ مصنفہ منشی عبدالکریم مضطر میرٹھی از راولپنڈی

گردید چو طبع ایں رسالہ — بنمود بدیدہ ہا تجمل
چوں نجم بتافت دیباچ اعلان — انگشت قلوب صورت گل
تحسین بہمت مولف — کو داشت درین سبا تو غل
حالات ز ابتدا بانجام — کردست رقم ہمہ جز و کل

اغلب کہ باشترے این گاہ — سازند نہ مشتری تا ہل
لاریب کہ ہست زینت میز — نہ بینده مثال بستہ گل
مضطر تاریخ طبع گفتہ — ایں تذکرہ ہتیار کابل

۱۳۱۵ھ

وله

لکھا کیا تذکرہ یہ منشی محبوب عالم نے — کہ جسکی شایقین دہر کو ازبسکہ خواہش تھی
امیر عبد رحمن خاں ضیاء الملت والدین — تواریخ انکی مثل آئینہ عمدہ مرتب کی
مفصل ابتدا سے آجتک کے واقعے سمجھے — ہوں جسے منکشف دیکھی نہ تھی کوئی کتاب ایسی
مولف نے بڑی کوشش سے کیں رودادیں سب جمع — بجا ہی جسقدر دین و ادب ہم انکی محنت کی
قلم برداشتہ مضطر نے لکھی اسطرح تاریخ — دکھائی سیر گلزار نسیم صبح کابل کی

۱۳۱۵ھ

از تصنیف لطیف منشی بربی صاحب جوہر متوطن شہر راولپنڈی

کیا ہی دلچسپ یہہ کتاب چھپی — مژدہ اے ساکنان کابل ہے
ہے مناسب کہ لیجے ہاتھوں ہاتھ — جو کہ اک ارمغان کابل ہے
عبد رحمن خاں کے ہیں حالات — جو کہ اب حکمران کابل ہے
اس سے ثابت یہ ہی مولف خوب — واقف داستان کابل ہے
اہل ہند اسکو کیوں نہ رکھیں عزیز — کشف راز نہان کابل ہے
ہے بجا کابلی جو یوں سمجھیں — بس یہ اک حرز جان کابل ہے
لکھا یوں سال طبع جوہر نے — خوب صورت بیان کابل ہے

۱۳۱۵ھ

قطعہ تاریخ سال انطباع نسخہ بینظیر تذکرہ امیر نیشنہ طبع جناب رشید احمد صاحب رشید متوطن بھاٹہ بہون سبز تہ دار سرین نیباح مرد ارشاگرد حضرت وحید سلمہ اللہ الماجد ازی

مولوی محبوب عالم ذی ہنر — نکتہ پرور نکتہ سنج و نکتہ دان

وہ چہ تاریخے رقم فرمودہ اند | ولپذیرد دلنشیں دلستاں
یعنی بنوشتند حالات امیر | نائب پیغمبر آخر زماں
والئی کابل امیر المسلمیں | غازئی بے مثل و یکتائے جہاں
ہم ضیاء الملۃ و دین متیں | عبد رحمان خان اسکندر نشاں
یا الٰہی روز افزاں باد قبول | گفتہ آید ایں گرامی ارمغاں
سال طبعش چون بپرسیدم رشید | ہاتفے گفتہ چہ مرغوب جہاں

قطعہ تاریخ از نتیجہ طبع منشی گوپال داس صاحب وکیل پنشنر ضلع بلند شہر

چھپی جب کہ تاریخ کابل عجیب | بفضل خداوند واہب وجوب
زروئے جمل میں نے دی صدا | چھپا تحفہ محبوب عالم کا خوب

قطعہ تاریخ از نتایج طبع جناب سید محمد عبید اللہ صاحب اہلمد محکمہ علیا بصیغہ مال لوٹنک

اک روز میرے رفیق و مونس | یعنی سید عبید اللہ
مجھسے جو ملے تو کس خوشی سے | اک مژدۂ جاں فزا سنایا
ایڈیٹر پیسہ نے شہید اب | اک تذکرۂ امیر لکھا
تم اسکی اگر لکھو گے تاریخ | میں انکو ضرور ہی لکھونگا
تھے چونکہ میرے رفیق دونوں | واجب ہوا مجھکو اسکا لکھنا
سوچا کہ رسا نکالکر لکھہ | کیا تذکرۂ امیر لکھا

قطعہ تاریخ از نتیجہ جناب منشی محمد جمیل الحسن صاحب لکھنوی متخلص بہ حیرت حال مقیم کلکتہ

لکھی واہ کیا خوب نادر کتاب | ہے علم تواریخ میں لاجواب

بنائی وہ تاریخ افغان کی — کہ حیرت میں ہیں دیکھکر شیخ و شاب
خدا اسکو محبوب عالم کرے — دعا ہے میری حق کی یا المجیب
جو لاثانی تاریخ راحت چھپی — لکھو سال طبع نادر و انتخاب
۱۳ھ ۱۵

قطعۂ تاریخ تذکرۂ امیر از طبع مرزا محمد عبداللہ صاحب مشتاق ٹھیکہ دار ساکن قصبہ بروٹ ضلع میرٹھ از مقام اٹاوہ

کتاب کیا ہے سراسر یہ تختۂ گل ہے — بھار حسن پہ جسکے نثار بلبل ہے
عجیب سین ہے دلکش سطور زیبا کا — روش روش پہ سر بہار سنبل ہے
جھکاؤ دیکھیے حرفوں کا دایروں کا ذرا — بیاض حسن پہ گویا نثار کاکل ہے
شروع چونکہ ہے الحمد سے بنام خدا — تو مہر خاتمہ پر صاف سورۂ قل ہے
مصنف اسکا وہ محبوب عالم و فاضل — بیان جسکا صحیح و فصیح بالکل ہے
لکھے ہیں واقعی حالات زندگی امیر — کہیں جلال کا نقشہ کہیں تجمل ہے
ہے کیا تلاش خدا کی قسم ۱۴۱۴ھ — کہیں ہے طرز تمدن کہیں تجمل ہے
کہیں ہے ذکر شجاعت حضور والا کا — غرض یہ ہسٹری آئینۂ جزو کل ہے
ہے اشتہار مصنف کہ سب لکھیں تاریخ — تو بہر مجھے ہی بھلا اسمیں کیا تامل ہے
کھو یہ مصرعۂ تاریخ شوق سے مشتاق — عجب فوٹو حیات امیر کامل ہے
۱۳ھ ۱۵

نتیجۂ طبع وقاد جناب مولوی محمد عبدالحیا صاحب عمر پوری از جبل پور

منشی محبوب عالم خوش سیر — بر مسلماناں بباریدہ گہر
گشت زار فیض را تازہ نمود — اہل دیں را قوت ایمانی فزود
جوئے شیر آوردہ بہر تشنگاں — مرہم کبیر بہر خستگاں
کوہ کندید و بر آوردہ گیاہ — در میان تیر کی آوردہ راہ

دو پچہ خوش تاریخ زندہ بر نگاشت | رایت اسلام و احساں بر فراشت
حال فخر دیں امیر المومنین | عبد رحمان خاں ظہیر مسلمین
والی کابل سراج علم و فن | بلبل بستان لطف و المنن
با طریق شرح و تفصیل کمال | بر نوشتہ از بدایت تا مآل
تذکرہ ہمیشل بنمودہ رقم | منتشر شیرازہ را کردہ بہم
بہر باغ جاں بر نگ گل بود | شاخسار علم را بلبل بود
عاشقانِ دینِ حق شاداں شدند | دشمنانش در غمِ خسراں شدند
چوں بفکر سال ماندم در محن | ہاتفِ غیبی بگفتا ایں سخن
قطع کردہ راس اعدا کن ندا | کردہ روشن مشعل از دین ہدیٰ

قطعۂ تاریخ طبع تذکرہ امیر از منشی محمد جاہت حسین و جاہت صدیقی جنجھانوی شاگرد حضرت داغ دہلوی

محبوب عالم آپکا ثانی ہو دہر میں | ممکن نہیں خدا کی قسم ہے بہت محال
اب تذکرہ نیا جو بنایا ہے آپ نے | ایمان کی تو یہ ہے کیا ہے بڑا کمال
ایسی کتاب آج تک آئی نہ تھی نظر | لکھا ہے خوب والی کابل کا اسمیں حال
تحریر کی گئی ہیں وہ باتیں نئی نئی | آئے نہ خواب میں بھی کبھی جنکا کچھ خیال
کیونکر نہ علم کی ہو ترقی جہان میں | یہ ہے کمال ہے کہی جسکو نہیں مجال
یہ خیر خواہ ملک سلامت ہے عام | بد خواہ اسکا رشک سے یارب ہو پائمال
دن دونی رات چوگنی اسکی ہو منزلت | ہر دم شریک حال رہے فضل ذوالجلال

لکھا ہے سال طبع وجاہت نے لاجواب
دیکھی ہے ۱۳۱۲ اب جدید یہ تاریخ بیمثال

[یہ تاریخ ۱۸۹۶ء میں اس کتاب کے لیے لکھی گئی تھی کیونکہ کتاب ۱۸۹۶ء میں تیار ہو چکی تھی۔ اور ۱۸۹۸ء میں شایع ہوئی]

قطعۂ تاریخ طبع تذکرۂ امیر از حافظ غلام علی صاحب گجراتی امام مسجد سرائے محمد شفیع واقع انارکلی لاہور

چوں جناب مولوی محبوب عالم خوشخصال	طبع کردہ با تجسس جملہ حالات امیر
جست حافظ از سر سوز و غریبانہ سوال طبع او	گفت از روئے طبع گو شیشہ حالات امیر

شہ کلک جواہر سلک طبع جناب مولوی محمد عبد الحی صاحب عمر پوری نزیل جبل پور

[بزبان عربی]

الا یا معشر الخلان بشری	تنوع مسک فیض فی الانام
شمیم قد سری بمشام ناسی	فصیر هم سکاری بالمدام
جرای ینبوع خیر فی الاناسی	فروی بغتة ظمأ الهیام
قفار انبتت خضرا و خصبا	فنادا ازهرت زهر السلام
ادیب مفلق محبوب عالم	اتی بالسفر والحسن الکلام
اتی فیها ببیان عجیب	بتذکرة لسلطان الکرام
امیر المومنین وشمس کابل	ضیاء الدین ذی الهمم السوامی
جزاه الله خیرا کل یوم	واسکن جنة یوم القیام
تامّلت لعام الطبع جدا	ترقبت لرویا فی المنام
فنادای هاتف هی شمع فیض	ومصباح تق قد فی الظلام

قطعۂ تاریخ طبع مجوزہ منشی غلام محمد صاحب خادم از کوٹ غلام محمد تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ

دامیر افغانستان ۱۸۹۸ء

شہ اقلیم ضیا الملت والدین ۱۸۹۸ء
تذکرہ قدر دانام بادشاہ کابل ۱۸۹۸ء
تذکرہ کیوان نگیں بادشاہ کابل ۱۸۹۸ء
تذکرہ فخر ملک بادشاہ کابل ۱۸۹۸ء

قطعہ

منشی محبوب عالم چوں نمود — تذکرہ والی کابل را رقم
بہر سالش گفتم ضیاء الملت آمد پاسخم — وضیاء الملت آمد پاسخم

قطعہ تاریخ تذکرہ امیر از حضرت حمید ساکن بیڈ دلی

باحسن سعی و محنت و با کوشش بلیغ — محبوب کردہ تو این تالیف بے نظیر
آمد ندا ز غیب بہ جستہ حمید سال — مقبول باد دایما کیں تذکرہ امیر

قطعات تاریخ طبع تذکرہ امیر از نتائج طبع جناب سید مظہر حسین صاحب رضوی حامی لائبریرین ہائی سکول لائبریری جھالرپاٹن

قطعہ

منشی محبوب عالم با لیقیں — صاحب عقل است و مرد نکتہ داں
تذکرہ بنوشت در احوال امیر — آنکہ شد در ملک معنی حکمراں
اندریں ایام با طرز نکو — طبع شد از فضل خلاق جہاں
بہر سال فصلیش مظہر حسین — بشنو از ہاتف کہ مرغوب جہاں

قطعہ دیگر

طبع گردید از تالیف محبوب — عجائب تذکرہ چو آب حیواں

سر بد بین رید و گفت حامی | پئے تاریخ آں مرغوب دنیاب | ۱۳۱۲

نتیجہ خیال جناب مستطاب فضیلتمآب صاحبزادہ میر دولت معالی جاہ منصور جنگ بہادر

آفرین محبوب عالم آفریں | ذات ہی بیشک تیری جان خیال
تذکرہ دلچسپ کیا لکھا ہے واہ | ہے ثمر یہ تو گلستان خیال
قابل تحسین ہر فقرہ ہی درج | اس سے بڑھکر کیا ہو مکان خیال
خاطر مدہوش میں بھی ہر گھڑی | یک بیک آیا یہ فرمان خیال
چاہیئے تاریخ اسکی بے نظیر | ناشگفتہ ہو گلستان خیال
آسمان سے دی یہ ہاتف نے ندا | لو چھپا اب سنبلستان خیال

موزون کردہ جناب ممتاز احمد صاحب مختار از مقام سہسرام ضلع آرہ

در تذکرہ امیر کابل | اعنی امیر عبد الرحمن
واللہ چہ خوش رسالہ آمد | دلچسپ و پسند حق شناسان
مختار سن مسیحیش گفت | اپنے تذکرہ امیر دوراں
۱۸ ۹۸

ولہ

تذکرہ والی کابل چو شد | جمع و ہمہ خلق ز دل بر گزید
بہ مختار بہجری سنش | کرد رقم ذکر امیر سعید
۱۳۱۵ھ

قطعہ تاریخ از نتیجہ طبع جناب حکیم محمد حسن خاں صاحب نامی ساکن جگدالپور ضلع بدایوں

کیا خوب ہے کتاب یہ مقبول خاص و عام | شہرہ ہے جسکے چھپنے کا عالم میں چار سو
حال امیر کابل عالی مقام کل | ہے درج اسمیں ٹھیک نہیں فرق ایک مو

نامی بسن عیسوی تاریخ اسکی اب | کہ تذکرہ امیر مکرم کا جلد تو
۱۸۹۷ع

تاریخ طبع زاد جناب منشی آسارام صاحب بائیکریری مدرسن کوٹ ضلع انبالہ

مرحبا اے منشیٔ صاحب کمال | مرحبا محبوب عالم خوشخصال
جانفشانی عرقریزی روز و شب | آپنے کی از پئے تفتیش حال
جب ہوئی تالیف یہ تحفہ کتاب | غیب سے آئی ندا تب بہر سال
دلربا دلپذیر عام ہے | یہ شہ کابل کا ذکر ہمشال
۱۳۱۵ھ | ۱۸۹۷ع

تاریخ طبع زاد جناب منشی ذاکر حسین صاحب نیض جونپوری حال وارد بمبئی شاگرد حضرت حبال الہند کی تقریظ

سوانح عمری ایمیر کابل | مصنف جسکے ہیں محبوب عالم
عجب دلچسپ و پُر مطلب ہوئی ہے | کہ جسسے ہوگئی مطلوب عالم

پئے سن مسیحی فیض یہہ لکھ
چھپا ہے تحفۂ مرغوب عالم
۱۸۹۸ع